صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

مُختصر فِقہ الصَّلاۃ

نمازِ نبوی

www.KitaboSunnat.com

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾
(البقرة : 43)

مختصر فقه الصلاة

نماز نبوی

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

نشر و توزیع
توحید پبلیکیشنز
بنگلور (انڈیا)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب .... مختصر فقہ الصلاۃ نماز نبوی

تالیف .... فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر ﷾

طبع اوّل .... 1439ھ....2018ء

تعداد 1000

ناشر .... توحید پبلی کیشنز، انڈیا

ہندوستان میں ملنے کے پتے

1-Tawheed Publications
Contact:Mr.M.R.Khan,S.R.K.Garden,
Phone# 9900446193
BENGALURU-560 041

2-Islamic Information Centre,
Opp Jai Bharath Real Estate
#141, 3rd Main, Kousar Nagar,
RT Nagar PO,
BENGALURU - 560 032
984528 9298; 80 2333 9298
www.iicblr.in; info@iicblr.in

3-Islam World
No. 35, Haines road,
Fraser Town,
Near AKS Convention Centre,
Phone#9900102210,
9620250026
BENGALURU-560 005

4-Dar us Salaam
Hanif Ahmed Wani
Phone#9419748245
SRINAGAR-(J.K)

1- توحید پبلیکیشنز
رابطہ: محمد رحمت اللہ خان، ایس آر کے گارڈن،
فون: ۹۹۰۰۴۴۶۱۹۳
بنگلور۔۵۶۰ ۰۴۱

2- اسلامك انفرمیشن سنٹر
نمبر: ۱۴۱، تھرڈ مین، کوثر نگر
آر۔ٹی۔نگر پوسٹ آفس۔
بنگلور۔۵۶۰ ۰۳۲

3- اسلام ورلڈ
نمبر ۳۵، ہینز روڈ، فریزر ٹاؤن،
نزد اے۔کے۔ایس کونشن سینٹر،
فون: ۹۹۰۰۱۰۲۲۱۰، ۹۶۲۰۲۵۰۰۲۶
بنگلور۔۵۶۰ ۰۰۵

4- دارالسلام کشمیر
حنیف احمد وانی، فون: ۹۴۱۹۷۴۸۲۴۵
سری نگر۔(جموکشمیر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

❁ عرضِ مولف 27

طہارت کے مسائل واحکام

❁ طہارت کے مسائل واحکام 31
۞ قرآنِ کریم میں 31
۞ طہارت کی اہمیت اسلام کی نظر میں 31
۞ عام طہارت کا حکم 33
۞ شِیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم 34
❁ حیض ونفاس اور استحاضہ کے بعض احکام 36
۞ حیض آنے کی عمر 36
۞ حیض کی مدت 36
۞ نفاس 37
۞ حیض ونفاس کی حالت میں نماز اور روزے کا حکم 38
۞ مسنون ومستحب غسل 40
۞ مردوزن کا اکٹھے غسل ووضو 42
❁ مصنوعی اعضاء کی صورت میں 43
۞ غُسل و وضوء 43
۞ مصنوعی دانتوں کا حکم 43
۞ مصنوعی اعضاء کے وضو کا حکم 44

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- وضوء کا حکم 45
- **وضوء سے قبل چند امور!** 46
- ہاتھ دھونا 46
- مسواک کرنا 46
- فرضیتِ وضوء 46
- مسنون طریقۂ وضوء 46
- ارکان وفرائضِ وضوء 47
- نیت 48
- بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا 48
- اعضائے وضوء کو دھونے میں تیامن 49
- تکمیلِ وضوء کی دعاء 49
- ذریعۂ طہارت 50
- تیمّم کا حکم 50
- فلسفۂ تیمّم 51
- تیمّم اور احادیثِ رسول ﷺ 51
- **طریقۂ تیمّم** 53
- صرف چہرے اور ہاتھوں تک 53
- مریض اور تیمّم 54
- پلاسٹر پر مسح 55
- موزوں پر مسح 57
- توقیتِ مسح 57
- موزوں پر مسح اور پلاسٹر پر مسح میں فرق 58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- وِگ پر مسح کا حکم 59
- وِگ کے ساتھ غُسل کی صورت 60
- موالات یا تسلسل 60
- اوقات الصلوٰۃ 62
- اوقاتِ نمازِ پنجگانہ قرآنِ کریم کی روشنی میں 62
- اوقاتِ نمازِ پنجگانہ حدیثِ شریف کی روشنی میں 63
- نماز فجر وعصر کا آخری وقت 65
- مغرب وعشاء کا آخری وقت 66
- نمازعشاء کا افضل وقت اور نبی اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ ... 66
- طویل الا وقات علاقوں میں نماز 68
- نماز میں پابندیٔ وقت 69

نماز کا مسنون طریقہ اور اس کے احکام ومسائل

- نمازِ نبوی ﷺ اور ہماری نماز 73
- استقبالِ قبلہ 79
- استقبالِ قبلہ کی فضیلت 79
- استقبالِ قبلہ 80
- استقبالِ قبلہ کا انداز 81
- جنگل یا بلادِ کفر وشرک یا اندھیرا ہونے کی صورت میں 82
- شدید خوف اور مجبوری و بیماری کی حالت میں 83
- سواری پر 84

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۞ ریل گاڑی، بس، کشتی اور بحری و ہوائی جہاز میں استقبالِ قبلہ 85

۞ قیام 87

۞ مرض و عذر میں بیٹھنے کا جواز 88

۞ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھنے میں فرق 88

۞ بیماری اور سفر میں پورا اجر 89

۞ سواری پر نماز اور قیام 89

۞ سُترہ 91

۞ نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت 91

۞ آگے سے گزرنے والے کو روکنا 92

۞ نمازی اور سترے کے مابین فاصلہ 93

۞ کوئی کہاں سے گزرے؟ 93

۞ سُترہ کس چیز کا ہو؟ 94

۞ ① برچھی یا نیزہ گاڑنا 94

۞ ②، ③ سواری یا اس کی کاٹھی 94

۞ ④ درخت 94

۞ ⑤ ستون 95

۞ ⑥ ٹوپی 95

۞ درخت، ستون یا عصا کہاں ہو؟ 95

۞ نماز میں صف بندی اور پاؤں کی کیفیت 96

۞ نمازی کی نظر کہاں ہو؟ 97

۞ اِدھر اُدھر جھانکنے پر وعید 98

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- آنکھیں بند یا کھلی رکھنا 98
- **نیت اور اس کا حکم 101**
- علما و فقہائے احناف کے اقوال 102
- صاحبِ ہدایہ 103
- علامہ عینی رحمہ اللہ 103
- مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ 103
- مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ 104
- ملا علی قاری رحمہ اللہ 105
- مجددِ الف ثانی رحمہ اللہ 105
- علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ 106
- علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ 106
- مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ 106
- شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ 107
- ایک وضاحت 107
- احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں 111
- سیدھا سادا اور آسان دین 112
- دوسرا پہلو 114
- **نماز کی مسنون کیفیت اور اس کی ترکیب و ترتیب 117**
- اجمال کی تفصیل 122
- **تکبیرِ تحریمہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" 123**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین 125
- کندھوں یا کانوں تک 127
- مَرد وزن کے رفع یدین میں عدمِ فرق 129
- کانوں کو ہاتھ لگانا 129
- رفع یدین کے وقت ہاتھوں اور ہتھیلیوں کی کیفیت 130
- رفع یدین کی حکمتیں 133

ہاتھ باندھنا 135

- امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا قول اور جمہور اہلِ علم کا مسلک 135
- دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے 138
- ہاتھ باندھنے کی حکمتیں 139
- ہاتھ باندھنے کی جگہ 140
- سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل 140
- پہلی دلیل 140
- دوسری دلیل 141
- تیسری دلیل 142
- ایک اور دلیل 142
- بعض دیگر دلائل 143
- زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل 143
- پہلی حدیث اور اس کی استنادی حیثیت 143
- دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ 145
- تیسری دلیل ... بلا سند 145

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

❁ چوتھی دلیل 146
❁ پانچویں دلیل اور اس کی حقیقت 147
❁ شیخ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ 147
❁ نتیجۂ بحث 149
❁ راہِ اعتدال 150
❁ مَرد و زَن کے ہاتھ باندھنے میں فرق 151
❁ دُعائے استفتاح یا ثنا کا حکم 153
❁ مسبوق اور استفتاح 154
❁ ثنا کے مختلف صیغے یا الفاظ 154
❁ ایک اضافہ 155
❁ تعوّذ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ...'' پڑھنا 157
❁ تعوّذ کا دوسرا صیغہ 157
❁ تیسرا صیغہ 158
❁ تعوذ سِرّاً پڑھنا 158
❁ تعوذ کس کس رکعت میں؟ 158
❁ تسمیہ ''بِسْمِ اللّٰهِ...'' پڑھنا 159
❁ ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا 160
❁ جہراً بسم اللہ پڑھنے کے دلائل 160
❁ ''بِسْمِ اللّٰهِ ...'' سِرّاً پڑھنا 161
❁ سِرّاً ''بِسْمِ اللّٰهِ ...'' پڑھنے کے دلائل 161
❁ مطابقت وموافقت 162

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

❁ ۷۸۶...حقیقت یا افسانہ؟ 163

❁ حروفِ ابجد کا خاکہ 164

❁ سورۃ الفاتحہ کا عددی کالم 166

❁ قراءتِ سورۃُ الفاتحہ 174

❁ فضلیت 174

❁ فرضیت 174

❁ مقتدی کے لیے حکم 176

❁ قائلینِ قراءت 176

❁ بعض ائمہ و علمائے احناف کا اختیار 176

❁ تبع تابعین، تابعین رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قائلینِ قراءت 179

❁ قائلینِ قراءت خلف الامام کے دلائلِ قرآن وسنت 180

❁ احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم 181

❁ پچاس سے زیادہ احادیث 182

❁ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ 183

❁ مانعینِ قراءتِ فاتحہ 185

❁ عطرِ گل 185

❁ مدرکِ رکوع کی رکعت 186

❁ فریقِ ثانی 187

❁ آمین 188

❁ آمین کا معنیٰ 188

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- فضلیت و اہمیت اور امرِ نبوی رحمہ اللہ 188
- آمین سے چڑنے پر وعید 189
- عملِ مصطفوی رحمہ اللہ 189
- عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم 190
- ائمہ وفقہا 190
- بعض دیگر علما 192
- پیرِ پیراں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ 192
- فریقِ ثانی 193
- کسی سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا 194

سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی سورت یا کسی سورت کی کچھ آیات پڑھنا ... 195

- کفایتِ فاتحہ اور عدمِ وجوبِ سورت کے دلائل 195
- پہلی دلیل 195
- دوسری دلیل 197
- تیسری دلیل 198
- چوتھی دلیل 199
- ''فصاعداً'' کی بحث پر نظرِ ثانی 200
- نئے نمازی، نومسلم اور عاجز کے لیے قراءت کا حکم 200
- کسی سورت یا اس کے کسی حصے کی قراءت والی رکعتیں 202
- نمازِ پنج گانہ اور دوسری نمازوں میں سے جہری و سرّی نمازیں 205
- مختلف نمازوں میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت سورتیں اور آیات 206

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ نمازِ فجر کی سنتیں 208

❁ نمازِ فجر کے فرائض 209

❁ نمازِ ظہر 211

❁ نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں کبھی کبھی قراءت کر لینا 213

❁ نمازِ عصر 214

❁ مقتدی کے لیے حکم 215

❁ نمازِ مغرب 216

❁ نمازِ مغرب کی سنتیں 218

❁ نمازِ عشا 219

❁ نمازِ تہجد یا قیام اللیل 220

❁ یکے از آدابِ قراءت وتلاوت 221

❁ رات بھر کے قیام کی ممانعت 223

❁ نمازِ وتر 224

❁ نمازِ وتر کے بعد والی دو رکعتیں 225

❁ ایک وضاحت 226

❁ نمازِ جمعہ 227

❁ نمازِ عیدین 227

❁ نمازِ جنازہ 228

❁ قراءت میں ترتیبِ قرآن اور ایک رکعت میں کئی سورتیں 229

❁ قراءت کے سلسلے میں بعض آدابِ امامت 231

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- بعض آیات کی قراءت پر جواب دینا 232
- ایک غلط فہمی کا تذکرہ 234
- مقتدی اگر امام کے رکوع میں جانے سے پہلے سورۃ الفاتحہ مکمل نہ کر سکے تو وہ کیا کرے؟ 235

تکبیراتِ اِنتقال 237
- حکمِ تکبیرات 238
- اندازِ تکبیر 238

مسئلہ رفع الیدین 240
- قائلین رفع الیدین 240
- دلائل 240
- پہلی دلیل 240
- دوسری دلیل 242
- تیسری دلیل 243
- دیگر دلائل 244
- ائمہ حدیث و فقہ 245
- گیارہ علمائے احناف 245
- شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ 246
- مانعین رفع الیدین 247
- پہلی روایت 247
- جائزہ 247
- دوسری روایت 248

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- جائزہ 248
- تیسری روایت 248
- جائزہ 248
- دیگراں 248
- جائزہ 248

رکوع اور اس کا حکم 251

- کیفیتِ رکوع 251
- رکوع کی حالت میں کمر اور سر کی کیفیت 252
- رکوع میں وجوبِ اطمینان 254
- ٹھونگے مارنا 255
- نماز کا چور 256
- رکوع کے تسبیحات و اذکار 257
- یکے از آدابِ سلام و مصافحہ 257
- تسبیحات کی تعداد 258
- رکوع و سجود میں تلاوت 260
- مدرکِ رکوع کی رکعت 260

قومہ 262

- قومہ کی کیفیت 262
- رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین 262
- قومہ کے اَذکار 262
- جمہور کا مسلک و دلیل 264

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ بعض محقّقین ومحدِّثین کا نظریہ 264
❁ اس ذکر کی فضیلت 265
❁ فضیلت و بشارت 266
❁ اُسوۂ حسنہ 267
❁ امام سے سبقت کا عقاب 267
❁ متابعتِ امام 269
❁ امامِ بے حضور 270
❁ نمازِ بے سرور 270
❁ قومہ میں ہاتھوں کی کیفیت 271
❁ سجدہ 273
❁ سجدۂ اولیٰ 273
❁ سجدہ کا حکم 273
❁ سجدے میں جانے کی کیفیت 274
❁ پہلے ہاتھ رکھنے کے دلائل 274
❁ ا۔ تردید نظریۂ ضُعف 275
❁ ب۔ تردید نظریۂ قلب و اضطراب 275
❁ پہلے گھٹنے رکھنے کے دلائل 276
❁ مختلف مواقف 277
❁ کیفیتِ سجود 280
❁ سات اعضاء پر سجدہ 280
❁ 1- پیشانی اور ناک 281

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

- 2,3- دونوں ہاتھ 282
- ہاتھوں کو رکھنے کی جگہ 282
- ہاتھوں اور انگلیوں کی کیفیت 284
- کلائیاں یا بازو پہلوؤں سے الگ رکھنا 285
- زمین پر نہ بچھانا بلکہ اٹھا کر رکھنا 286
- بوڑھوں اور کمزوروں کے لیے رخصت 288
- 4,5- پیٹ کو رانوں سے اٹھا کر اور رانوں کو الگ الگ رکھنا 289
- عورتوں کے لیے حکم 290
- 6,7- پاؤں، انگلیوں اور ایڑیوں کی کیفیت 291
- دونوں پاؤں کو ملانا 293

سجدے سے متعلق بعض دیگر مسائل 294

- ① کپڑے اور بال سمیٹنے کی ممانعت 294
- عورتوں کے لیے حکم 295
- ② پگڑی یا ٹوپی پر سجدہ 296
- قائلینِ جواز اور ان کے دلائل 296
- مانعینِ جواز اور اُن کے دلائل 297
- خلاصہ 297
- ③ کنکریوں وغیرہ کو برابر کرنے کی ممانعت 298
- ④ سجدے میں وجوبِ اطمینان 299
- ⑤ فضائلِ سجدہ 299
- 1- نہایت درجہ قربِ الٰہی 300

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ 2- سجدے سے جنت کا حصول اور شیطان کا رونا 300
❁ 3- رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ 301
❁ سجود کے اَذکار وتسبیحات 302
❁ سجود میں قراءت کی ممانعت 304
❁ سجدے میں کمر سیدھی کرنا 304
❁ جلسہ بَین السجدتین 306
❁ جلسہ کی کیفیت 306
❁ ایڑیوں پر بیٹھنا 307
❁ اس جلسہ میں وجوبِ اطمینان 308
❁ بَین السجدتین کی دُعائیں 309
❁ دوسرا سجدہ 310
❁ جلسۂ اِستراحت 311
❁ قائلین کے دلائل 311
❁ مانعین کے دلائل 313
❁ بعض آثار 315
❁ ہاتھوں کے بل اُٹھنا 316
❁ ہاتھوں کا انداز 316
❁ ہاتھ نہ ٹیکنے والی احادیث اور ان کی استنادی حیثیت 317
❁ خلاصۂ کلام 318
❁ دوسری رکعت 319
❁ تعوّذ 319

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق 319
❁ المجد ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا نظریہ 319
❁ امام شوکانی رحمہ اللہ کی نظر میں 320
❁ شیخ البانی رحمہ اللہ کا اختیار 320
❁ دوسری رکعت کے اذکار 320
❁ دوسری رکعت کی مقدارِ قراءت 321
❁ تشہّدِ اوّل یا قعدۂ اُولیٰ 321
❁ ممنوع اِقعاء 323
❁ ہاتھ اور کلائیاں کہاں ہوں؟ 324
❁ قعدہ میں دونوں ہاتھوں کی کیفیت 325
❁ بائیں ہاتھ کی کیفیت 325
❁ دائیں ہاتھ کی کیفیت 326
❁ مَرد وزن کے قعدہ میں عدمِ فرق 328
❁ افضل انداز 331
❁ ایک تصحیح 331
❁ انگلی سے اشارہ 332
❁ بسم اللہ کے بغیر 332
❁ تشہّد کا حکم 334
❁ دلائلِ وجوب 334
❁ دلائلِ عدمِ وجوب اور ان کا جائزہ 335
❁ اخفائے تشہّد 336

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

❁ تشہّد کے مختلف صیغے 337
❁ ① تشہّدِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ 337
❁ ② تشہّدِ ابن عباس رضی اللہ عنہما 338
❁ ③ تشہّدِ ابن عمر رضی اللہ عنہما 339
❁ ”اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ“ کہنے کا جواز 340
❁ ایک وضاحت 341
❁ قعدۂ اولیٰ میں درود شریف 345
❁ تحقیقاتِ جدیدہ اور ایک اصولی قاعدہ 345
❁ قائلینِ درود شریف کے دلائل 346
❁ پہلی دلیل 346
❁ وجہِ استدلال 348
❁ دوسری دلیل 348
❁ خلاصہ 348
❁ مانعین کے دلائل 349
❁ پہلی دلیل 349
❁ جواب 350
❁ دوسری دلیل 350
❁ جواب 351
❁ تیسری دلیل 352
❁ جواب 352
❁ درود شریف کے صیغے 352

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

- قعدۂ اُولیٰ بھول جانا 352
- تیسری رکعت کے لیے اٹھنا اور رفع یدین کرنا 355
- مسبوق کے لیے مقاماتِ رفع یدین 358
- شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ 359
- ایک افسانہ 359
- تیسری رکعت 360
- رکوع وسجود 362
- دعائے قنوت 362
- جلسۂ استراحت 362
- چوتھی رکعت 363
- کبھی کبھی تیسری اور چوتھی رکعت میں جوازِ قراءت 363
- رکوع 365
- قنوتِ نازلہ 365
- حالات ومقامِ قنوت 365
- سجود 368
- قعدۂ اخیرہ 368
- تورّک کے طریقے 368
- پہلا طریقہ 368
- دوسرا طریقہ 369
- تیسرا طریقہ 370
- جزئیات میں اختلافِ رائے 370

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانعینِ تورّک 370
احناف کے دلائل 371
جواب 371
پہلا جواب 373
دوسرا جواب 373
جواب 375
علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا فیصلہ 375
بوقتِ تورّک بائیں ہتھیلی کی کیفیت 377
رکنیتِ قعدۂ اخیرہ اور وجوبِ تشہّدِ اخیر 377
اِخفائے تشہّد 377
بسم اللہ کے بغیر 377
قعدۂ ثانیہ میں تشہّد 378
انگلی اٹھانا 378
انگلی اٹھانے کی مشروعیت 378
پہلی حدیث 378
دوسری حدیث 379
تیسری حدیث 379
چوتھی حدیث 380
پانچویں حدیث 380
چھٹی حدیث 381

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

❀ متفق علیہا سنت 381

❀ لوہے سے بھی سخت اور شیطان کو رلا دینے والی چیز 381

❀ سنتِ انبیاء علیہم السلام 382

❀ توحید کی گواہی 383

❀ اشارے کے وقت نظر 384

❀ انگلی اٹھانے کا موقع و محل 385

❀ اولاً آغاز ہی سے اشارہ شروع کر دینے کے دلائل 386

❀ درود شریف سے متعلقہ مسائل 387

❀ قعدۂ ثانیہ میں درود شریف 388

❀ درود شریف کے صیغے 388

❀ پہلا صیغہ 388

❀ دوسرا صیغہ 389

❀ تیسرا صیغہ 390

❀ چوتھا صیغہ 390

❀ افضل ترین صیغہ 391

❀ قعدۂ اخیرہ کی دعائیں 393

❀ ایک اہم وضاحت 399

❀ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا اعتراف 400

❀ سلام پھیرنے کا حکم اور وجوب کے دلائل 400

❀ عدمِ وجوب کے دلائل اور ان کا جواب 402

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ سلام پھیرنا 403

❁ سلام پھیرنے کے چار طریقے 404

❁ پہلے طریقے کے دلائل 404

❁ دوسرے طریقے کے دلائل 405

❁ تیسرے طریقے کے دلائل 406

❁ چوتھے طریقے کے دلائل 407

❁ نمازِ جنازہ کا سلام 409

❁ دو سلاموں کے قائلین 409

❁ مقتدی کے سلام پھیرنے کا وقت 410

❁ ممانعتِ اشارہ بوقتِ سلام 411

❁ مسبوق کب کھڑا ہو؟ 413

❁ سلام پھیرنے کے بعد امام کے لیے ہدایت 413

✿ سجدۂ سہو 415

❁ سجدۂ سہو کی چار مختلف صورتیں 416

❁ سجدۂ سہو کا موقع و مقام، مختلف اقوال میں 419

❁ سجدۂ سہو کا طریقہ 422

❁ سجدۂ سہو کی تسبیحات 423

❁ مسبوق کا سجدہ کب ہو؟ 423

❁ سجدۂ سہو بھول جانا 423

✿ صلوٰۃ السفر یا نمازِ قصر 424

❁ سفر میں سہولتیں 425

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ نمازِ قصر کے دلائل 426
❁ قصر کی رکعتیں 427
❁ قصر کا حکم 428
❁ سفر میں ہمیشہ قصر، سنتِ خیر البشر ﷺ 429
❁ قصر واجب یا جائز؟ 430
❁ قصر کی مسافت 432
❁ احناف کا مسلک 433
❁ جمہور ائمہ کا مسلک 433
❁ علمائے حدیث کا مسلک 434
❁ علمائے ظاہریہ کا مسلک 436
❁ محقّقین و مجتہدین کا مسلک 437
❁ کیفیتِ سفر 439
❁ آغازِ قصر 440
❁ مدتِ قصر 440
❁ مدتِ قصر میں مختلف اقوال 444
❁ مجبور کے لیے حکم 445
❁ سفر میں مسائلِ امامت واقتدا 446
❁ سفر میں سنن ونوافل 449
❁ عام نفل نمازیں 451
❁ دورانِ سفر جمع بین الصلاتین 453
❁ جمع تاخیر 453

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ جمع تقدیم 454

❁ جمع صوری 455

❁ منزلِ مقصود پر پہنچ کر جمع کرنا 457

❁ سفرِ حج میں جمع 458

❁ بارش میں جمع 459

❁ شدید ضرورت و مجبوری میں جمع 460

❁ بیماری میں جمع 461

❀ صلوٰۃ الخوف 463

❁ صلوٰۃ الخوف کی مختلف انواع و اشکال اور طریقے 463

❁ بنیادی طریقہ 463

❁ پہلا طریقہ 465

❁ دوسرا طریقہ 465

❁ تیسرا طریقہ 466

❁ چوتھا طریقہ 466

❁ پانچواں طریقہ 467

❁ چھٹا طریقہ 468

❁ ایک اشکال اور اس کا ازالہ 468

❁ خوف میں نمازِ مغرب کو ادا کرنے کا طریقہ 470

❁ پہلا طریقہ 470

❁ دوسرا طریقہ 471

❁ گھمسان کی جنگ اور دست بدست لڑائی میں نماز؟ 472

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- انتہائی لاچاری اور مجبوری میں نماز 472
- تعاقب کرنے والے اور تعاقب کیے جانے والے کی نماز 472

نماز کے بعد مسنون اذکار و دعائیں

- اوقاتِ قبولیت، آدابِ دعا و شرائطِ قبولیت 475
  - اوقاتِ قبولیت 475
  - آداب و شرائطِ قبولیت 476
  - دعاؤں اور اذکار کا وقت 476
  - دعائیں اور اذکار 477
  - آیۃ الکرسی 481
  - تسبیح 482
  - پہلا معروف طریقہ 482
  - دوسرا طریقہ 482
  - تیسرا طریقہ 483
  - دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح وغیرہ 483
  - تسبیح کا استعمال 484
  - فرضوں کے بعد دعا کے مختلف انداز 486
- مصادر و مراجع 489
  - جرائد و مجلّات 496

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرضِ مؤلف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَسَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. أَمَّا بَعْدُ!

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

متحدہ عرب امارات میں قیام کے دوران میں اللہ کی توفیق سے اُمّ القیوین ریڈیو کی اردو سروس سے روزانہ دینی پروگرام ''دین و دنیا'' پیش کرنے کا موقع ملا اور یہ سلسلہ چودہ برس تک جاری رہا۔

اس دوران میں غسل و طہارت اور نماز کے بارے میں مختلف اوقات میں آٹھ سو کے قریب (۷۸۶) ایسی تقاریر نشر کرنے کی توفیق ملی جن کا تعلق صرف طہارت و نماز ہی سے تھا۔

اسی ضمن میں جب نمازِ نبوی ﷺ کی مسنون کیفیت ذکر کرنے کا وقت آیا تو اسے حسبِ استطاعت خوب تحقیق کر کے مدلّل و مفصّل انداز سے بیان کیا، تا کہ نماز جیسے اہم اور بنیادی رکنِ اسلام کی ادائیگی توضیح طریقے سے کی جا سکے۔

طہارت و نماز سے متعلقہ مسائل پر مشتمل تین جلدیں (فقہ الصلوٰۃ، جلد اول و دوم وسوم) پہلے شائع ہو چکی ہیں اور اسی موضوع کے بعض مستقل اجزاء الگ کتابی شکل میں بھی طباعت پذیر ہو چکے ہیں، جیسے ① ''آمین..فضیلت و حکم''، ② ''نمازِ پنج گانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی رکعتیں مع نمازِ وتر و تہجد''، ③ ''قائلینِ رفع الیدین کے دلائل''، ④ ''درود شریف.. فضائل و احکام''، ⑤ ''نماز میں ہاتھ کب؟ کہاں؟ اور کیسے؟''، ⑥ ''آداب و احکامِ مساجد''، ⑦ ''تارکِ نماز کا حکم''، ⑧ ''اذان و اقامت اور امامت و جماعت''، ⑨ ''نماز کے لیے ضروری لباس''، ⑩ ''نماز و روزے کی نیت''، ⑪ ''قومہ سے سجدہ جانے کی کیفیت''، ⑫ مدرکِ رکوع کی رکعت'' وغیرہ۔

ایسے ہی بعض دیگر اجزاء کے مسودات ترتیب پا چکے ہیں، جیسے ⑬ ''سورۃ الفاتحہ.. فضیلت اور مقتدی کے لیے احکام'' اور ⑭ ''تارکینِ رفع الیدین کے دلائل اور انکا تجزیہ و تحقیق'' وغیرہ۔ و للہ الحمد

زیرِ نظر کتاب ''نمازِ نبوی'' میں استقبالِ قبلہ سے لے کر سلام پھیرنے تک کے مسائلِ نماز ہیں۔ گویا یہ کتاب صحیح و حسن احادیث کی روشنی میں نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کی صحیح کیفیت اور اس کا مسنون طریقہ (بالفاظِ دیگر نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کا آنکھوں دیکھا حال) پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دے گی۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ دعا ہے کہ وہ اسے خالصتاً لوجہہ الکریم قبول فرمائے اور اسے ہمارے لیے فلاحِ دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین

ریڈیائی تقاریر کے اسکرپٹس کو میرے فاضل دوست جناب حافظ ارشاد الحق صاحب (مبعوث سعودی، شارجہ، الذید) اور میری لختِ جگر ام محمد شکیلہ قمر نے اس کتابی شکل میں ڈھال دیا ہے۔ فَجَزَاهُمَا اللّٰهُ خَيْرًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

اسی طرح برادرِ محترم جناب خواجہ عصمت امین صاحب حفظہ اللہ کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ترغیب و تعاون سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچی۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ أَهْلِهٖ وَ مَالِهٖ وَتَقَبَّلَ جُهُوْدَهٗ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہ الصلوٰۃ جلد:۳ بھی چونکہ تقریباً (۷۷۰) صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، لہٰذا اسے کافی حد تک مختصر کیا گیا، تا کہ اس کی ایک مختصر شکل بھی قارئین تک پہنچ جائے۔

جناب حافظ شاہد محمود صاحب (فاضلِ مدینہ یونیورسٹی) نے اسے بڑے عمدہ انداز سے شائع کر کے قارئین کرام تک پہنچانے کا خوب اہتمام کیا ہے، جس پر وہ بھی ہمارے شکریے کے بجا طور پر حق دار ہیں۔ جَزَاہُ اللّٰہُ خَیرًا فِی الدُّنیَا وَ الآخِرَۃِ.

انتہائی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے عزیزِ گرامی جناب محمد رحمت اللہ خان صاحب (ایڈووکیٹ) اور انجینئر شاہد ستار کا شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں نے فقہ الصلوٰۃ (جلد نمبر۳) کے اس جامع و مانع اختصار ''نمازِ نبوی (مختصر و مدلّل)'' کو توحید پبلی کیشنز کی طرف سے بھی شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ فَجَزَاھُمَا اللّٰہُ خَیرًا فِی الدُّنیَا وَ الآخِرَۃِ.

والسلام علیکم و رحمہ اللہ و برکاتہ

الخبر ۔ بروز اتوار نصف شب
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
۵؍جنوری ۲۰۱۴ء

ابو عدنان محمد منیر قمر بن نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ الخبر
وداعیہ متعاون مراکز دعوت وارشاد
الخبر ، الدمام، سعودی عرب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

طہارت کے
مسائل واحکام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طہارت کے مسائل واحکام

قرآنِ کریم میں:

قرآنِ کریم اصول کی کتاب ہے اور اس میں طہارت کے احکام و مسائل اور متعلقہ بنیادی امور ذکر کیے گئے ہیں، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ ۲۲۲

''اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اور سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۸ میں مدینہ طیبہ کی قریبی بستی و مسجد قباوالے لوگوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴾ ۱۰۸

''اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔''

صرف ان دو ہی آیتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی کتنی اہمیت ہے اللہ رب العزت نے طہارت و پاکیزگی کا خیال رکھنے والے لوگوں کو اپنے محبوب بندے قرار دیا ہے۔

طہارت کی اہمیت: اسلام کی نظر میں

نماز کی صحت و قبولیت کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ طہارت بھی ایک اہم شرط ہے، کیونکہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((لَا تُقْبَلُ صَلَاۃُ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ))①

’’جب تک کوئی وضوء نہ کرلے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔‘‘

اور مسلم شریف کے الفاظ ہیں:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاۃُ بِغَیْرِ طَھُوْرٍ))②

’’طہارت کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔‘‘

یاد رہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں کہ نماز یا دیگر عبادات کے لیے ہی لازمی شرط ہے، بلکہ طہارت تو بجائے خود بھی دین کا ایک شعبہ اور بذاتِ خود مطلوب ہے۔

اور صحیح مسلم و دیگر کتبِ حدیث میں تو ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ (نِصْفُ) الْاِیْمَانِ))③

’’طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے‘‘۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طہارت کی تین قسمیں ہے:

ایک ہے حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب ہے۔ ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا)۔

دوسری قسم ہے ظاہری نجاست و پلیدی سے جسم، لباس اور جگہ کو پاک کرنا۔

① بخاری شریف مترجم اردو ۱/ ۱۶۳، مسلم ۳/ ۱۰۴، صحیح سنن ابی داؤد ۵۴، مشکوٰۃ شریف ۱/ ۱۰۰۔

② نفس المرجع و صحیح الجامع ۷۳۸۴، مسلم مع النووی ۳/ ۱۰۲، صحیح سنن الترمذی ۱، صحیح النسائی ۱۳۵ لیکن اس میں ((لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃً)) کے الفاظ ہیں، و ابن ماجہ ۲۷۱، صحیح سنن ابی داؤد ۵۳)۔

③ مشکوٰۃ شریف ۱/ ۳ ۵، صحیح الجامع ۲۹۵۷، مختصر صحیح مسلم ۱۲۰، سنن الترمذی ۳۵۱۷، لیکن اس میں ((الوضوء شَطْرُ الایمان)) کے الفاظ ہیں۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

اور تیسری قسم ہے جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی صفائی کرنا، جیسے ناک، دانتوں، ناخنوں اور زائد بالوں کی صفائی ہے۔[1]

عام طہارت کا حکم:

مسائلِ طہارت سے قبل عموماً تطہیرِ نجاست کا موضوع کتبِ حدیث وفقہ میں ملتا ہے جس میں نجس اشیاء کو پاک کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہوتا ہے، مگر ہم طوالت سے بچنے کے لیے ان تفصیلات سے قطع نظر کر رہے ہیں۔ البتہ روز مرہ کے ضروری امور کی طرف اشارہ کیے بغیر گزر جانا بھی مناسب نہیں۔

لہٰذا اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ بنی آدم کا پیشاب و پاخانہ نجس ہیں، اور ان کے ناپاک ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے، جیسا کہ علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد (۱/۱۰۹) میں ذکر کیا ہے۔

انسان مرد و زن، پیر وجوان اور بچوں سب کا حکم ایک ہی ہے۔ البتہ صرف شیرخوار لڑکے کے پیشاب کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ میں کافی کچھ تخفیف کی گئی ہے، جس کا اندازہ آئندہ تفصیل سے ہو جائے گا۔ کسی باشعور شخص سے تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ گھر کے کسی کمرے میں ہی پیشاب کردے، البتہ چھوٹی عمر کے بچوں سے اس بات کا امکان رہتا ہے، لہٰذا پیشاب کی نجاست دور کرنے کا طریقہ ذہن نشین کر لیں کہ کپڑے بدن یا جس جگہ کوئی بچہ پیشاب کردے تو اس جگہ پر پانی بہادینے سے وہ پاک ہو جائے گی۔ اور اس کے خشک ہو جانے پر اس جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، سنن أربعة اور مسند أحمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک اعرابی (دیہاتی) آیا، اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے پکڑنے اور روکنے کے لیے لپکے، مگر نبیٔ

[1] حجۃ اللہ البالغۃ مترجم اردو از مولانا عبدالحق حقانی ۲۷۴، طبع کراچی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریم ﷺ نے انہیں روکتے ہوئے فرمایا:

((دَعُوْهُ وَأَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهِ سَجْلًا مِّنْ مَآءٍ أَوْ ذَنُوبًا مِّنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ))①

''اسے چھوڑ دو (یعنی اب پیشاب کرنے دو) اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہادو، تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے نہیں۔''

اور یہ چونکہ صحیح مسلم شریف میں بھی مذکور ہے۔ جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس مسلم والی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے بعد میں اس دیہاتی کو بلایا، اور شفقت بھرے انداز سے اسے بتایا کہ مسجدیں اللہ کا ذکر کرنے، نمازیں پڑھنے اور تلاوت کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان میں پیشاب یا پاخانہ کرنا اچھا نہیں ہے۔②

شِیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم:

یہ تو ہوا بڑے انسان کی نسبت حکم لیکن اگر کوئی بچہ شیر خوار ہو اور ماں کے دودھ کے سوا دوسری کوئی غذا نہ کھانے لگا ہو تو اس کے پیشاب کو دھونے کی ضرورت نہیں، اس پر صرف چھینٹا ماردینا ہی کافی ہے، البتہ اس عمر کی لڑکی کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیحین اور سنن أربعة میں حضرت اُمِ قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: وہ اپنا لڑکا نبی ﷺ کے پاس لے کر آئیں، جو ابھی غذا نہیں کھانے لگا تھا۔ اس بچے

① المنتقیٰ مع النیل ۱/ ۴۱، بخاری مترجم ۱/ ۱۹۱، بخاری مع الفتح حدیث ۲۲۰، مسلم مع النووی ۳/ ۱۹۰، عن انس، صحیح ابی داؤد ۳۶۶، صحیح نسائی ۵۵، ابن ماجه ۵۲۸ عن انس و مؤطا ۹۰، صحیح الترمذی حدیث ۱۲۶، مشکاۃ شریف ۴۹۱.

② المشکوٰۃ حدیث ۴۹۲، مسلم مع نووی ۳/ ۱۹۱، وابن ماجه ۵۲۹.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے نبیِ کریم ﷺ کی گود میں (کپڑے پر) پیشاب کردیا۔

((فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ)) ①

"آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے کپڑے پر چھینٹے مارے اور اسے دھویا نہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَ يُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ)) ②

"لڑکی کا پیشاب دھویا جائے گا، اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا مارا جائے گا۔"

............❀✿❀............

① المشكوٰة ٤٩٧ ، بخاری مترجم ١/ ١٩٢ ، حديث ٢٢٣، مسلم ٣/ ١٩٤ ، صحيح الترمذی ٦١، مؤطا امام مالك مع المسوی حديث : ٩٢ ، صحيح سنن ابی داؤد ٣٥٢ ، صحيح سنن النسائی حديث ٢٩١.

② حسنه البخاری كما فی النيل و صحيح الجامع ٨١١٧ ، ابن ماجه ٥٢٦ ، صحيح ابی داؤد ٣٦٢ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیض و نفاس اور استحاضہ کے بعض احکام

احکام و مسائل حیض کے سلسلے میں یہ دو باتیں پیشِ نظر رہنی چاہئیں:

حیض آنے کی عمر:

حیض آنے کی کم ازکم اور زیادہ سے زیادہ عمر کتنی ہے؟

اس سلسلہ میں احادیث و آثار ساکت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام کے مابین اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور کم ازکم عمر کے بارے میں تو تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ وہ ۹ (نَو) سال ہے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ احناف کے نزدیک ۵۵ سال، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک ۵۰ سال ہے۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ عمر کی کوئی تعیین نہیں۔[1]

حیض کی مدت:

ہر ماہ کے ایامِ حیض کی گنتی مختلف طبائع کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہے۔ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں جو بعض روایات ملتی ہیں، وہ سب متکلم فیہ ہیں۔ اور کوئی صحیح حدیث ثابت نہ ہونے کی بناء پر ہی ائمہ کرام کے مابین بھی اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کی کم ازکم مدت ایک دن اور ایک رات، اور زیادہ سے زیادہ مدت ایک روایت میں پندرہ روز، اور دوسری روایت میں

[1] الفقه على المذاهب الاربعه ۱/ ۱۲۴ تا ۱۲۷.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۷ روز ہے ۔ اس کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے ، بلکہ طبراني اور دارقطني میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مذکور ہوا ہے۔مگر وہ سخت کمزور ہے ۔ [1]

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کی کم ازکم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

اور أبو داؤد و ترمذي ، ابن ماجة ، دار قطني ، بيهقي ، مستدرك حاكم، مسند أحمد اور معاني الآثار طحاوي میں حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی مدت چھ یا سات دن مقرر فرمائی ہے ۔ [2]

حقیقت تو یہ ہے کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کے بقول حیض کا ذکر مطلق وارد ہوا ہے۔شریعت اور لغت میں اس کی قلیل وکثیر کی کوئی تحدید نہیں آئی۔لہٰذا اس معاملہ میں عادت اور عرفِ عام کی طرف رجوع کرنا ہی واجب ہے ۔

اور ایسی عورتیں پائی گئی ہیں جو صرف ایک ہی دن کے لئے حائضہ ہوتی ہیں۔ بعض مسلسل پندرہ دن ،کوئی دو دن ۔حتی کہ ابن المنذر نے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ہمارے یہاں ایک ایسی عورت بھی ہے جسے صبح حیض آتا ہے ۔ اور شام کو وہ پاک ہوتی ہے ۔ [3]

نفاس:

بچے کے پیدا یا ساقط ہونے کے بعد آنے والے خون کی کم ازکم مدت کوئی نہیں

[1] تحفتہ الاحوذی ۱/ ۴۰۲ ۔ ۴۰۴ ، الفتہ علی المذاھب الاربعة ۱/ ۱۲۸ ، و المغنی ۱/ ۲۷۷.

[2] رواء الغلیل ۱/ ۲۰۲ ، حسنہ الترمذی مع التحفہ ۱/ ۳۹۶ ۔ ۳۹۷ .

[3] المغنی لابن قدامہ ۱/ ۲۲۵.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بلکہ جب بھی خون بند ہو جائے نفاس کی مدت ختم ہو جاتی ہے ۔ اور میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ چالیس دن تک ازدواجی تعلقات سے پرہیز کیا جائے۔ [1]

جبکہ اس استحباب کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ [2]

مستدرک حاکم اور بیہقی میں حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں:

((كَانَتِ الْمَرْأَةُ مِن نِّسَآءِ النَّبِيِّ ﷺ تَقْعُدُ فِى النِّفَاسِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً)) [3]

”نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے کوئی عورت نفاس کی صورت میں (زیادہ سے زیادہ) چالیس دن تک بیٹھتی (یعنی نماز روزہ ترک کرتی) تھی۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی سنن میں فرماتے ہیں:

صحابہ و تابعین میں تمام اہلِ علم میں اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت چالیس دن تک نفاس میں نماز چھوڑے گی، سوائے اس کے کہ وہ اس سے پہلے ہی پاک ہو جائے۔ اس صورت میں خون بند ہونے پر وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے گی ۔ اور اگر چالیس دن کے بعد بھی خون آتا رہے تو اکثر اہلِ علم کے نزدیک وہ نماز نہیں چھوڑے گی۔ [4]

حیض ونفاس کی حالت میں نماز اور روزے کا حکم:

صحاح و سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

---

[1] المغنی ۱/ ۳۰۹.

[2] اگر بچہ جاف یعنی خشک پیدا ہو جائے، خون بالکل ہی نہ آئے تو عورت غسل کر کے نماز شروع کردے، بداية المجتهد ملاحظہ فرمائیں۔

[3] ارواء الغليل ۱/ ۲۲۲ وحسنه ، وصحيح سنن ابی داؤد حديث ۳۰۴.

[4] ترمذی مع التحفه ۱/ ۴۲۹ _ ۴۳۰ ، صحيح سنن الترمذی ۱ / ۴۶.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((كَانَ يُصِيْبُنَا ذٰلِكَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنُؤْمَرُ بِقَضَآءِ الْصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَآءِ الصَّلَاةِ)) [1]

"نبی کریم ﷺ کے عہدِ مسعود میں ہمیں حیض آتا تو آپ ﷺ کی طرف سے ہمیں روزے قضاء کرنے کا حکم تو ملتا مگر نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں ملتا تھا۔"

استحاضہ والی عورت ایام حیض ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ غسل کر لے اور پھر ہر نماز کے لیے وضوء کرتی رہے ۔ اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اور ان کے نزدیک مستحاضہ کے لیے ایامِ حیض کے بعد صرف ایک ہی غسل کافی ہے ۔ اور بعض روایات میں استحاضہ کے لیے مسلسل ظہر وعصر کے لیے ایک غسل ، مغرب وعشاء کے لیے دوسرے اور فجر کے لیے تیسرے غسل کا ذکر ہے ۔

مگر امام بیہقی نے اسے ضعیف اور بعض نے منسوخ قرار دیا ہے ۔ [2]

استحاضہ کی حالت میں عورت اپنے خاوند کے لئے بھی حلال ہوتی ہے مگر حیض و نفاس میں نہیں ، لیکن اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھے تو اس گناہ کا کفّارہ ادا کرے۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں (مرفوعاً والاصح موقوفاً) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں مروی ہے:

((يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ اَوْبِنِصْفِ دِيْنَارٍ)) [3]

---

[1] رواه الجماعه ، الارواء ۲۰۱ ، بخاری حدیث ۳۲۱ ، صحیح ابی داؤد ۲۳۶ ، وصحیح الترمذی ۱۱۲ وابن ماجه ۶۳۱ .

[2] سبل السلام ۱/ ۱۰۰ ـ ۱۰۳ ونیل الاوطار ۱/ ۴۲۱ ـ ۲۴۲ ، ۲۶۸ تا ۲۷۶ .

[3] صححه غیر واحدو و افقهم الالبانی فی الارواء ۱/ ۲۱۷ ـ ۲۱۸ طبع جامعه الامام ، صحیح سنن ابی داؤد ۱۹۰۰ . وحدیث ۲۳۰۰ و صحیح الترمذی ۱۱۷ ، وصحیح النسائی ۲۷۸ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی اس کی تفسیر أبو داؤد میں یوں مروی ہے:

((اِذَا اَصَابَهَا فِیْ اَوّلِ الدَّمِ فَدِ یْنَارٌ وَ اِذَا اَصَابَهَا فِی اِنْقِطَاعِ الدَّمِ فَنِصْفُ دِیْنَارٍ)) [1]

''اگر حیض کی ابتداء میں جماع کر بیٹھے تو ایک دینار صدقہ کرے۔ اور اگر آخری ایام میں ہو تو نصف دینار۔''

یہ روایات مرفوعاً ضعیف ہیں لہٰذا بعض کہ نزدیک صرف استغفار ہی کافی ہے۔

مسنون ومستحب غسل:

غسلِ واجب کی چار اقسام (احتلام، حیض، نفاس اور جنابتِ جماع سے غسل) کے علاوہ بعض اقسامِ غسل مسنون ومستحب ہیں، مثلاً جمعہ کے دن ہر عاقل وبالغ مسلمان کے لیے غسل کی نبی کریم ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی۔ بعض احادیث میں اسے واجب وضروری اور بعض میں اسے اچھا فعل قرار دیا گیا ہے۔ البتہ ان تمام اقسام فرض وواجب اور مستحب ومسنون کے لیے غسل کا طریقہ تقریباً ایک جیسا ہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ غسلِ جنابت کے لئے عورت کا اپنے سر کی چٹیا کھولنا ضروری نہیں جبکہ حیض ونفاس کے لیے غسل کرتے وقت بالوں کا کھولنا اور خوب مل کر دھونا ضروری ہے۔ جیسا کہ (صحیح مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد، الفتح الربانی ترتیب و شرح مسند احمد الشیبانی میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔ [2]

اوران کے لیے جنابت کے غسل کے وقت چوٹی نہ کھولنے اور حیض ونفاس کے لیے چوٹی کھولنے کے الگ الگ حکم کی فقہاء نے یہ توجیہ کی ہے کہ حالتِ جنابت تو

[1] الارواء ۱/ ۲۱۸ صحیح ابی داؤد ۲۳۸ ـ ۱۹۰.

[2] حوالہ سابقہ ۳/ ۱۳۵.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چونکہ بکثرت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ہر مرتبہ چوٹی کھول کر سر دھونا باعثِ مشقت فعل ہے۔ جبکہ حیض تو ایک ماہ میں صرف ایک ہی بار اور نفاس سالوں میں کبھی کبھار ہوتا ہے۔ لہٰذا ان میں چوٹی کھولنا کچھ باعثِ مشقت نہیں رہتا۔[1]

اور آدابِ غسل میں سے یہ بھی ہے کہ پردہ میں غسل کرے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ بہت حیاء اور پردے والا ہے۔ اور حیاء پردے کو پسند کرتا ہے پس تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو اسے چاہئیے کہ پردہ میں غسل کرے۔''[2]

اب آیئے دیکھیں کہ نبیِ کریم ﷺ کا مسنون طریقۂ غسل کیا تھا؟

صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبیِ اکرم ﷺ جب غسلِ جنابت فرماتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھو لیتے۔ پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر مقامِ استنجا کو دھوتے۔ پھر اُسی طرح وضو فرماتے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ پھر پانی لیتے اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پہنچاتے۔ جب آپ ﷺ محسوس فرما لیتے کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ گیا ہے تو پھر پانی کے تین چلّو بھر کر اپنے سر پر ڈالتے۔ اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے۔ اور اس کے بعد اپنے دونوں پاؤں

[1] المغنی ۱/ ۲۲۶ ارواء الغلیل ۱/ ۱۶۷ ۔

[2] مشکوٰۃ ۱/ ۱۳۹ ، صحیح الجامع (۱۷۵۶) و صحیح سنن ابی داؤد حدیث (۳۳۸۷) و صحیح سنن النسائی (۳۹۳) ، ابن ماجہ (۳۳۶)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دھوتے تھے۔‘‘[1]

مردوزن کا اکٹھے غسل ووضو:

صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَ مَیْمُوْنَۃَ کَانَا یَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ)) [2]

’’ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔‘‘

اور نبیِ اکرم ﷺ کی دوسری زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ:

((کُنْتُ اَغْتَسِلُ أَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَۃِ)) [3]

’’میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسلِ جنابت کیا کرتے تھے۔‘‘

جبکہ آپ ﷺ کی ایک اور زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان بھی صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ:

’’میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے (بیک وقت) غسلِ جنابت کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ ہمارے ہاتھ (پانی لیتے ہوئے) ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے تھے۔‘‘[4]

---

[1] بخاری حدیث ۲۴۸ ، و اللفظ المسلم مع النووی ۲/ ۳/ ۲۲۸ .

[2] نیل الاوطار ۱/ ۲۶ ، صحیح بخاری مترجم ۱/ ۲۰۱ ، مسلم مع شرحه النووی الجزء الرابع ٦ .

[3] نیل الاوطار ۱/ ۲۷ ، صحیح مسلم مع شرحه النووی ۲/ ٤/ ۷ .

[4] نفس المرجع مترجم ۱/ ۲۰٤ ، مسلم ۲/ ٤/ ٦ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مصنوعی اعضاء کی صورت میں غُسل و وضوء

مصنوعی دانتوں کا حکم:

اگر کسی کے اصلی دانت کسی بیماری کی وجہ سے یا اپنی طبعی مدت کو پہنچنے کی وجہ سے نہ رہے ہوں اور مصنوعی دانت لگوار کھے ہوں تو اس صورت میں غسل ووضو کے کیا احکام ومسائل ہیں؟

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ مصنوعی دانت دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مستقل طور پر لگا دیئے جاتے ہیں۔ اور انہیں آسانی سے نکالا نہیں جا سکتا۔ اور دوسرے وہ جو بنائے ہی اس طرح جاتے ہیں کہ حسبِ ضرورت ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب چاہیں انہیں نکال کر رکھ لیا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں تو یہ مصنوعی دانت بھی اصل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا حکم بھی اصلی دانتوں کا ہی ہوگا۔ وضو میں ان دانتوں تک پانی پہنچانا مسنون اور غسل میں فرض ہوگا۔ ایسے دانتوں کو نکال کر ان کی نچلی جگہ تک پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ فقہاء نے اس طرح کے دانت لگانے یا دانتوں کو سونے یا چاندی کے تاروں کے ساتھ کسنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی کتاب درّ مختار کے حاشیہ وشرح ردّ المحتار (۵/ ۳۱۸) میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مصنوعی دانتوں کو سونے یا چاندی کے تاروں سے کسنے کی اجازت کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہی ہوگا کہ ان کے اندرونی حصوں میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ ورنہ یہ اجازت بڑی پریشان کن بھی ہوگی اور لا یعنی بھی ۔ یہ تو ان مصنوعی دانتوں کے بارے میں ہے، جو تاروں کے ساتھ کسے ہوئے ہوں۔ یا پوری بتیسی ہو۔اور اسے اتارا نہ جاتا ہو۔سوائے کبھی کبھار کے، جب کہ دوسری صورت ان دانتوں کی ہے جو حسبِ ضرورت لگائے اور اتارے جاتے ہیں۔اور انہیں اتارنا اور لگانا آسان بھی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اپنی زبان کے دباؤ سے انہیں ہلاتے بھی رہتے ہیں۔ایسے دانتوں کی حیثیت ایک زائد چیز کی ہوگی۔ یعنی ایسے مصنوعی دانت کی شکل میں غسل اسی وقت درست ہوگا۔ جب اس کے نیچے کی جگہ تک پانی پہنچ جائے یہ کوئی مشکل بھی نہیں ہوتا کہ زبان کے معمولی دباؤ سے انہیں ڈھیلا کر لینے سے اصل جسم تک پانی پہنچ جائے گا۔ اور ایسا ہی وضو کرتے وقت بھی کرلیں۔ [1]

مصنوعی اعضاء کے وضو کا حکم:

اگر کسی کے اعضاءِ جسم میں سے کوئی عضو مصنوعی ہو تو اس سلسلہ میں بھی احکام وضو اور طریقہ وہی ہوگا جو مصنوعی دانتوں کے سلسلہ میں ذکر ہوا ہے۔ یعنی اگر عضو کی بناوٹ اس نوعیت کی ہو کہ جرّاحی یا آپریشن کے بغیر اسے الگ کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی حیثیت اصل عضو کی ہی ہوگی اگر وہ عضو اعضائے وضو میں سے ہو تو اُسے دھونا واجب ہوگا۔ اور غسل میں بھی اس پر پانی پہنچانا واجب ہوگا اور اگر اس کی ساخت و بناوٹ اور وضع و نوعیت ایسی ہو کہ وہ آسانی سے علیحدہ کیا جا سکتا ہو تو غسل کے وقت، اسی طرح اگر وہ اعضائے وضو میں سے ہو تو وضو کرتے وقت اس عضو کو الگ کرکے یا ڈھیلا کرکے جسم کے اصل حصے پر پانی پہنچانا ضروری ہوگا۔ اور جو اعضاء آسانی سے الگ ہو سکتے ہیں۔ انہیں تو الگ کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی بلکہ خود بخود ان کے

[1] جدید فقہی مسائل ص ۱۹، ۲۰۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نیچے پانی گھس جاتا ہے۔ البتہ بوقتِ غسل و وضو معمولی توجّہ سے بطورِ خاص اس کے نیچے پانی پہنچا لینا ہوگا۔ اور یہ کوئی دِقّت طلب امر بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ یہی سمجھیں گے کہ جس طرح انگوٹھی، کنگن یا چوڑیوں کے ذرا تنگ ہونے کی شکل میں ہے۔ ویسے ہی یہاں بھی ہو جائے گا۔[1]

وضوء کا حکم :

نماز کے لیے وضوء شرط ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ (المائدہ : ٦)

’’ مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) ۔‘‘

............❀✿❀............

[1] جدید فقہی مسائل ص ۲۰۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وضوء سے قبل چند امور!

ہاتھ دھونا:

بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جب تم سے میں کوئی شخص نیند سے بیدار ہو، وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ پہلے اسے دھونہ لے، کیونکہ کیا معلوم کہ نیند کے عالَم میں اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟“[1]

مسواک کرنا:

نیند سے بیدا رہونے کے بعد وضوء کرنے سے پہلے یہ بھی سنت ہے کہ مسواک کی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”نبی کریم ﷺ رات یا دن کو جب بھی سو کر بیدار ہوتے تو وضو کرنے سے قبل مسواک فرمایا کرتے تھے۔“[2]

فرضیتِ وضوء:

قرآنِ کریم میں وضوء کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت :۶ میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے وضوء کے وجوب وفرضیت کے علاوہ طریقۂ وضوء کے اصول و ارکان بھی ذکر کر دیئے ہیں۔

مسنون طریقۂ وضوء:

مسنون طریقہ وضوء کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صحیح بخاری و مسلم، اُبو داؤد اور نسائی

---

[1] بخاري مع الفتح حديث (۱۶۲) مسلم مع النووي ۱۷۸/۳۔۱۷۹۔

[2] صحيح ابى داؤد (۵۱) مسند أحمد ۱۶۰/۶، مشكوٰة تحقيق الالبانى ۱/ ۱۲۲۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''انہوں نے وضو کرتے وقت پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی بہایا (یعنی اپنے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا) پھر انہوں نے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ہی ناک میں پانی ڈال کر اسے جھاڑا۔ پھر تین مرتبہ اپنا منہ دھویا۔ پھر تین مرتبہ کہنی تک اپنا دایاں ہاتھ دھویا، پھر تین مرتبہ ہی کہنی تک اپنا بایاں ہاتھ، پھر سر کا مسح کیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سر کے اگلے حصے سے پھیرتے ہوئے پچھلے حصے تک لے گئے اور پیچھے سے آگے کو لائے اور یہ ایک ہی بار کیا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس وضوء کی طرح وضوء کیا تھا۔''[1]

تمام اعضائے وضو کے دھونے کے ذکر کے ساتھ ساتھ ہی تین تین بار کے الفاظ بھی وارد ہیں۔مگر سر کے مسح کے ساتھ تین بار کا ذکر نہیں بلکہ صحیحین میں اس حدیث کے جتنے بھی طُرق ہیں، ان میں سے کسی میں بھی مسح کی تعداد مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا سر کا مسح صرف ایک مرتبہ ہی کر لینا کافی ہے۔ اور یہی جمہور علماء امت کا مسلک ہے۔[2]

ارکان وفرائضِ وضوء :

یہاں تک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا مسنون ومختصر طریقہ ہے، جس میں وضوء کے وہ چاروں ارکان یا فرائض آگئے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ، آیت :٦ میں فرمایا ہے۔ اور وہ چاروں ارکان یا فرائضِ وضوء یہ ہیں:

---

[1] بخاري مع الفتح (١٥٩ ـ ١٨٦ ـ ٩١) مسلم مع النووي ١/٣/١٠٥ـ١١٠ صحيح أبو داؤد (٩٧).

[2] المرعاة ١/٢٧١.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ا:...... چہرہ دھونا ۔ چہرے کی حدود ماتھے کا وہ مقام ہے جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں ، وہاں سے لے کر جبڑوں تک اور تھوڑی کے نچلے حصے اور دائیں کان سے لے کر بائیں کان تک کے مابین والے حصے کو منہ یا چہرہ شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا منہ دھوتے وقت ٹھوڑی اور دونوں جبڑوں کے نچلے والے حصے کو دھونا بھی ضروری ہے۔

۲:...... دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔

۳:...... پورے سر کا مسح کرنا۔

۴:...... اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔

یہ وضوء کے وہ ارکان ہیں جن کا قرآنِ کریم میں اللہ کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے۔

نیت:

دیگر عبادات کی طرح ہی وضوء کیلئے بھی نیت شرط ہے، کیونکہ بخاری و مسلم، سنن اربعہ اور تمام معتبر کتبِ حدیث (ماعدا المؤطا) میں خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))[1]

''عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''

بِسْمِ اللّٰه پڑھنا:

وضوء کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے ۔ صرف بسم اللہ ہی پڑھیں ، الرحمٰن الرحیم کا اضافہ تو کسی ضعیف حدیث میں بھی نہیں ،اس لیے صرف بسم اللہ کہنا ہی سنت ہے ۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[1] بخاری مع الفتح ۹/۱، صحیح ابی داؤد (۱۹۲۷) .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’اس کی کوئی نماز نہیں جس کا وضوء نہیں ۔ اور اس کا کوئی وضوء نہیں جس نے اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی ۔‘‘[1]

اعضائے وضوء کو دھونے میں تیامن:

جسم کے جو اعضائے وضو جوڑا جوڑا ہیں ، جیسے ہاتھ ، پاؤں ،کلائیاں،انہیں وضوء کے دوران دھوتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ پہلے دائیں کو دھو یا جائے اور پھر بائیں کو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ استطاعت اپنے تمام امور میں دائیں پہلو کو محبوب رکھتے تھے ۔‘‘[2]

تکمیلِ وضوء کی دعاء:

جب وضوء مسنون طریقہ کے مطابق مکمل کرلیں تو کلمۂ شہادت پڑھیں اور دربارِ رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی خوشخبری پائیں ،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ : ((أَشْهَدُ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) إِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَآءَ))[3]

’’تم میں سے جو شخص وضوء کرے اور اچھی طرح سے وضوء کر لے ، اور

[1] صحيح أبي داؤد (٩٢) ، ابن ماجه (٣٩٩).

[2] بخاري مع الفتح (٤٢٦) ، مسلم مع النووي ٣ / ٦٠ ـ ١٦١.

[3] مسلم مع النووي ٣/ ١١٨، ١١٩ ، صحيح ابی داؤد (١٥٥) صحيح الترمذي (٤٨) ترمذي مع التحفة ١٠٠ / ١٧٩، ١٨٢ ، صحيح نسائی (٤٤) ابن ماجه (٤٧٠) وصحيح الترغيب حديث (٢١٩).

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ کہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔'' اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے وہ جس سے چاہے داخل ہو جائے۔''

ذریعۂ طہارت:

(أ) مطلق پانی:

(ب) پاک مٹی برائے تیمّم:

طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے پانی کے بعد دوسری چیز پاک مٹی بھی ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں دو جگہ ان الفاظ میں آیا ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾

(النساء: ٤٣ ، المائدہ: ٦)

''اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام (تیمّم کر) لو۔''

تیمّم کا حکم:

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ﴾ (المائدہ: ٦)

''اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء میں سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کرلو۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

فلسفۂ تیمّم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدہ: ٦)

’’ اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔‘‘

تیمّم اور احادیثِ رسول ﷺ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

’’ ہمیں تین اشیاء کے ساتھ دوسری امتوں کے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفیں قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے لیے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے۔ اور جب ہم پانی نہ پائیں تو اس زمین کی مٹی ہمارے لیے طہارت کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔‘‘[1]

یہ حدیث متعدد کتبِ حدیث میں کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ صحیح بخاری و مسلم، میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ کے الفاظ یہ ہیں :

’’ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو نہیں دی گئیں:

(۱) میری اس طرح مدد کی گئی کہ میرے اور میرے دشمن کے مابین ایک

---

[1] مشکوٰۃ ۱/ ۱٦٤ ، المنتقیٰ مع النیل ۱/۱/ ۲٦۳ ، ارواء الغلیل ۱/ ۳۱٦ ، مسلم مع النووي ٥/ ٤.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ماہ کی مسافت ہوتی ہے مگر اس پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔

(۲) میرے لیے یہ زمین مسجد اور طہارت بنا دی گئی ہے۔

(۳) میری امت کے کسی آدمی کو جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے وہ وہیں نماز پڑھ لے۔

(۴) میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں۔

(۵) اور مجھ سے پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ جب کہ میں تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے شفاعت کے شرف سے نوازا گیا ہے۔'' [1]

............❀❀❀............

[1] صحیح بخاری مع الفتح ، رقم حدیث : ۳۳۵) ، صحیح مسلم مع شرح النووی (۵/ ۳) .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقۂ تیمّم

تیمّم کا اجمالی طریقہ یہ ہے کہ حصولِ طہارت کی نیت سے دونوں ہاتھوں کو زمین یا کسی چیز پر پڑے ہوئے گردوغبار پر ماریں ۔ پھر دونوں ہاتھوں میں پھونک مار کر انہیں پہلے منہ پر اور پھر دونوں ہاتھوں کو باہم ایک دوسرے پر پھیر لیں۔ اس طرح صرف ایک ہی بار کر لینے سے تیمّم ہو جاتا ہے ۔ کہنیوں اور پاؤں وغیرہ پر ہاتھ پھیرنا اور سر یا کانوں کا مسح کرنا بھی ضروری نہیں ، کیونکہ یہ اندازِ طہارت ایک ''علامت'' ہے ۔ اعضائے وضوء کا استیعاب اس میں مقصود ہی نہیں ہے ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ٔاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا :

'' تیمّم کے لیے منہ اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ہی مرتبہ ہاتھوں کو زمین پر مارنا ہے۔''[1]

اس حدیث میں صرف ایک ہی مرتبہ ہاتھوں کو زمین پر مارنے کا حکم ہے ۔

صرف چہرے اور ہاتھوں تک:

صحیح تر روایات کے مطابق تیمّم صرف چہرے اور ہاتھوں کا ہی ہے اور حسبِ موقع یہی پورے غسل ووضوء دونوں کا قائم مقام بھی بن جاتا ہے ،

'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرۂ اقدس اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا یعنی باہم اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر پھیرلیا۔''[2]

[1] صحیح ابی داؤد (۳۱۸) ،صحیح الترمذی حدیث (۱۲۵).

[2] صحیح بخاری مع فتح ۳۳۸ ـ صحیح مسلم مع نووی (٤ ٦٢١ صحیح ابو داؤود ، حدیث (۳۱۳).

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مریض اور تیمّم:

اس شخص کے لیے بھی تیمّم کی اجازت ہے جو پانی تو پاتا ہے مگر بیمار ہے، اور بیماری کی وجہ سے پانی سے غسل وضو نہیں کرسکتا یا غسل وضو کرنے میں مرض کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے کہ ہم میں سے ایک آدمی کے سر پر پتھر لگا، جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''کیا میرے لیے تیمّم کر لینے کی رخصت پاتے ہو یا نہیں۔''

تو انھوں نے جواب دیا: ''ہم تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے، کیونکہ تم پانی کے استعمال پر قادر ہو۔''

لہٰذا اس شخص نے غسل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فوت ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اس واقعے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ انہیں غارت کرے! انھوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب انھیں معلوم نہیں تھا تو انھوں نے پوچھ کیوں نہ لیا۔ مرضِ جہالت اور نادانی کا علاج صرف سوال ہے۔''

اور آگے فرمایا: ''اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ تیمّم کر لیتا۔''[1]

معلوم ہوا کہ تیمّم صرف وضو کا قائم مقام ہی نہیں، بلکہ غسل کا قائم مقام بھی ہے، لہٰذا جنابت وغیرہ کی حالت میں پانی نہ ملے یا مرض کی حالت میں پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہو اور ایسے وقت میں صرف تیمّم کر لیا جائے تو کافی ہے۔

---

[1] سنن ترمذي مع تحفة الاحوذی ۱/ ۳۸۹ صحیح سنن ابو داؤد، حدیث ۳۲۵ سنن ابن ماجه حدیث: ۵۷۲.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پلاسٹر پر مسح:

اگر بالفرض کسی مجبوری کی وجہ سے کسی کے ہاتھ یا پاؤں وغیرہ پر پلاسٹر لگا ہوا ہو، تو غسل یا وضو کے لیے اس صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں بھی شریعتِ اسلامیہ کے مصادر میں ہدایات موجود ہیں کہ اس پلاسٹر پر صرف مسح کرلیا جائے۔ یعنی اس کے اُوپر صرف گیلا ہاتھ پھیر دیا جائے۔ اُسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی حیثیت جبیرہ یعنی پٹی پر مسح کی ہوگی۔ جو کہ فقہ اسلامی کا معروف مسئلہ ہے۔ اور جبیرہ یا جبارۃ کی تعریف میں امام ابنِ قدامہ المغنی (۱/ ۲۷۷) میں اور صاحبِ مغنی المحتاج (۱/۹۴) لکھتے ہیں:

> ''کسی لکڑی وغیرہ کی وہ پٹی جو برابر تراش کر کسی جوڑ کے اُتر جانے پر یا کسی ہڈی کے ٹوٹ جانے پر اُسے صحیح وسیدھا رکھنے کے لیے اس جوڑ یا ہڈی پر باندھ دی جاتی ہے۔''

ڈاکٹر علامہ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھا ہے:

> ''کسی ہڈی کے ٹوٹ جانے پر اُسے جوڑ کر جو چپس لگادی جاتی ہے (جسے پلاسٹر کہا جاتا ہے) وہ بھی جبیرہ کے معنوں میں داخل ہے۔ اور سر پر چوٹ آ کر زخم ہو جائے یا کسی جگہ فصد لگوائی ہو یا کوئی پھنسی پھوڑا یا کسی آپریشن کے بعد پٹی باندھی گئی ہو تو یہ ساری پٹیاں بھی جبیرہ کے حکم میں داخل ہیں۔''[1]

مسح الجبیرہ کو عقلاً اور شرعاً ہر دو اعتبار سے مشروع کہا گیا ہے۔ عقلاً اس طرح کہ ضرورت اس مسح کی متقاضی ہے۔ اور پلاسٹر یا پٹی کو اتارنا حرج وضرر کا باعث ہے۔ بلکہ فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کے مؤلّف علامہ مرغینانی کے بقول موزے اتارنے

[1] الفقه الاسلامی وادلته، ڈاکٹر وهبه زحیلی ۱/ ۳٤٦ طبع بیروت.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے پٹی اتارنے کا حرج کئی گنا زیادہ ہے۔ لٰہذا جب موزوں پر مسح جائز ہے تو پلاسٹر یا پٹی پر بالاولیٰ جائز ہوگا۔[1]

جن احادیث سے مسح علی الجبیرہ کی مشروعیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلی حدیث ابنِ ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

((إِنْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ فَسَأَلْتُ النَّبِيَ صلی اللہ علیہ وسلم))

''میرا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا (کہ میں کیا کروں)؟''

((فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ))[2]

''مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں پٹیوں پر مسح کرلیا کروں''۔

دوسری حدیث ابو داوٗد، ترمذی ابنِ ماجہ اور دارقطنی میں ہے۔ جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کا سر پھٹ جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔[3]

''یہ حدیث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث دونوں مل کر المسح علی الجبیرۃ کے وجوب کا پتہ دیتی ہیں۔ لیکن وجوب میں علماء کا اختلاف ہے''۔ اور عدمِ وجوب کی پہلی دلیل سورۂ بقرہ کی آخری آیت: ۲۸۶ میں مذکور یہ ارشاد ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

اور اس کی دوسری دلیل بخاری ومسلم، نسائی وابن ماجہ اور مسند احمد کا یہ ارشادِ

[1] ھدایہ مع فتح القدیر ۱/۱۰۹ بحوالہ سابقہ.

[2] سنن ابن ماجہ : ٦٥٧.

[3] حوالہ جات سابقہ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبوی ﷺ ہے:

((إِذَ أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ)) [1]

”جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اس کی تعمیل کرو۔“

موزوں پر مسح

موسمِ سرما میں سردی سے بچنے کے لیے یا کسی بھی دوسری غرض سے جس شخص نے چمڑے کے موزے پہن رکھے ہوں اور پہنے بھی وضوء وطہارت کی حالت میں ہوں، تو اسے اجازت ہے کہ انہیں اتار کر پاؤں دھونے کی بجائے ان موزوں کے اُوپر ہی گیلا ہاتھ پھیر کر مسح کر لے۔ کیونکہ یہ مسح نبیِ اکرم ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور سُنَنِ اربعہ ومسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا۔ اور پاؤں کے موزوں پر مسح کیا۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو اُنہوں نے فرمایا:

”ہاں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کے بعد وضوء فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔“ [2]

جرابوں پر مسح کے دلائل بھی موجود ہیں جو فقہ الصلوٰۃ جلد اوّل ص ۲۸۴ تا ۲۹۱ پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

توقیتِ مسح:

اب رہی یہ بات کہ جب وضوء کر کے موزے یا جرابیں پہن لی جائیں تو کتنے عرصہ کے لیے ان پر مسح کیا جاسکتا ہے۔ اس سِلسلہ میں دس سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے

[1] صحیح بخاری : ۷۲۸۹، صحیح مسلم مع شرح النووی ۹/۱۰۱، صحیح سنن النسائی : ۲۴۵۶، ابن ماجہ : ۲.

[2] الفتح الربانی ۴/۵۷، صحیح ابی داؤد حدیث (۱۴۰) صحیح الترمذی حدیث (۸۱، ۸۲.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ مقیم کے لیے ایک دن رات یعنی چوبیس۲۴ گھنٹے اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں یعنی بہتّر (۷۲) گھنٹے تک ان موزوں یا جرابوں پر مسح کر لینے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابنِ حبان اور مسند احمد میں شریح بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور موزوں پر مسح کی مدّت کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ تم ابنِ ابی طالب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ۔ اور ان سے جا کر پوچھو، کیونکہ وہ سفر میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس بات کو مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور ان سے مسح کی مدّت کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے بتایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (موزوں یا جرابوں پر) مسح کی مدت مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر کی ہے۔''[1]

موزوں پر مسح اور پلاسٹر پر مسح میں فرق:

جبیرہ، پلاسٹر یا پٹی پر مسح بظاہر تو موزوں پر مسح کی طرح ہی ہے۔ لیکن ان دونوں پر مسح کے مابین کچھ فرق ہے۔ جس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

ا:...... پہلی یہ کہ پلاسٹر یا پٹی پر مسح کی توقیت دنوں کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ شفاء پر منحصر ہوتی ہے۔ جب کہ موزوں پر مسح کی توقیت دنوں کے ساتھ ہے کہ مسافر تین دنوں اور تین راتوں تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ اور مقیم صرف ایک دن اور ایک رات تک۔ اس کے بعد اُسے موزے اتار کر پاؤں کو لازم دھونا ہوگا۔ لیکن پلاسٹر یا پٹی

[1] صحیح مسلم مع النووی ۱۷۶/۳/۲، صحیح نسائی حدیث (۱۲٤) ابن ماجه حدیث (۵۵۲).

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ایسا نہیں۔ جب تک زخم مندمل نہ ہوجائے اور ہڈی جڑ کر ٹھیک نہ ہوجائے اُسے اتارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲:...... ان دونوں چیزوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ موزوں پر مسح کے جواز میں یہ شرط ہے کہ طہارت وضوء کی حالت میں پہنے گئے ہوں۔ پلاسٹر یا پٹی میں یہ کوئی شرط نہیں۔ اور حنابلہ وشافعیہ نے جو یہ شرط عائد کی ہے تو اہلِ علم نے اُسے غیر معقول وناحق قرار دیا ہے۔

۳:...... ان میں تیسرا فرق یہ ہے کہ پلاسٹر یا پٹی حصولِ شفاء سے پہلے ہی کسی وجہ سے گر جائے تو بھی مسح کی مدّت ختم نہیں ہوگی۔ بلکہ دوبارہ پٹی کر لینے کے بعد پھر اس پر مسح جائز ہے۔ لیکن موزہ اگر پاؤں سے اتار لیا جائے یا دونوں اتار دیے جائیں، اور وضوء بھی نہ ہو تو اب ان پر مسح کی مدّت ختم ہوگئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وضوء کر کے وہ پہنیں ورنہ ان پر مسح جائز نہیں ہوگا۔

۴:...... ان دونوں کے مابین چوتھا فرق یہ ہے کہ پٹی پر مسح تو اس وقت جائز ہے کہ جب زخم پر مسح کرنا اور اُسے دھونا نقصان دِہ ہو۔ جب کہ موزوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگرچہ کوئی پاؤں دھونے سے عاجز نہ بھی ہو۔ تب بھی مسح جائز ہے۔ اور موسم سرما کی سردی سے بچاؤ تو کوئی بہت بڑا عذر نہیں۔ اس کے باوجود شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔

وِگ پر مسح کا حکم:

قرآن وسنت پر مبنی دلائل کی رو سے یہ تو ثابت ہے کہ مصنوعی جوڑے یا وِگیں ناجائز وحرام ہیں۔ اور ان کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے۔ یہ تو ہوگئی ان کی شرعی حیثیت۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر عورت ایسا جوڑا لگا ہی لے یا کوئی مرد وزن ایسی وِگ لگا لے تو غسل ووضوء میں ان کا کیا حکم ہے؟ تو اس سِلسلہ میں عرض ہے کہ چونکہ ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جوڑوں اور وِگوں کے بال جسم کا حصہ نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ کسی جائز صورت و مجبوری کی بناء پر لگائے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کا اتارنا چنداں دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی حیثیت ایک خارجی چیز کی ہوگی۔ لہٰذا اگر کوئی عورت یا مرد وِگ لگائے ہوئے ہو۔ اور وضوء کرتے ہوئے سر کا مسح اس طرح کرے کہ ان مصنوعی بالوں کے اُوپر ہی مسح ہو اور اصلی بالوں پر نہ ہو پائے تو وہ کافی نہ ہوگا۔ اور چونکہ سر کا مسح وضوء کے فرائض وواجبات میں سے ہے لہٰذا اس کا وضوء صحیح نہیں ہوگا۔ اُسے مصنوعی جوڑا یا وِگ اتار کر اپنے اصلی بالوں پر مسح کرنا ہوگا۔ [1]

وِگ کے ساتھ غُسل کی صورت:

غسل کے سلسلہ میں مردوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے بالوں والا ہو یا زلفوں والا اور چاہے اس نے مینڈھیاں رکھی ہوئی ہوں۔ بہر حال بالوں کو کھول کر پورے بالوں کو بھی دھوئے گا اور سر کو بھی۔ لہٰذا مردوزن کو بہر صورت وِگ اتار کر ہی غسل کرنا ہوگا، تاکہ سر کے اصل بال اور سر کی کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

موالات یا تسلسل:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں موالات یا تسلسل کی کچھ وضاحت کردی جائے۔ چنانچہ یہ بات تو ویسے ہی معروف ومروج ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت وضوء کرنے لگے تو ہاتھ دھونے سے لے کر پاؤں دھونے تک مسلسل ہی وضوء کیا جاتا ہے۔

اور ایسا نہیں ہوتا کہ ہاتھ منہ دھویا ، اور پھر کسی کام لگ گئے اور پھر آ کر بازو دھوئے ،سر کا مسح کیا اور قدم دھو لیے ۔ ایسا عموماً ہر گز نہیں ہوتا ۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ہو ہی جائے ۔ مثلاً ایک آدمی وضوء کر رہا تھا ۔ اور صرف پاؤں دھونے باقی تھے کہ کسی نے آواز دے کر متوجہ کر لیا ۔ اور اس کی باتیں یا گفتگو ایسی تھی کہ وضو کا سلسلہ

[1] جدید فقہی مسائل ص ۲۹ بتصرّف یسیر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترک کر کے ہمہ تن گوش ہو کر اسے سننا پڑا۔ اور جب تک اس کی بات مکمل ہوئی اس شخص کے وہ اعضائے وضوء جو اس نے دھو لیے تھے وہ سب خشک ہو چکے تھے۔ اب جب یہ دہ بارہ وضوء کرنے لگے تو اسے صرف پاؤں دھو لینے پر ہی اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ از سرِ نو وضوء کرنا چاہیے۔ کیونکہ اعضاء کو دھونے میں جس موالات یا تسلسل کی ضرورت تھی۔ وہ برابر قائم نہیں رہ سکا۔

............❀❀❀............

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوقات الصلوٰۃ

غسل وطہارت، وضوء و تیمّم اور موزوں پر مسح کا مسنون طریقہ تو آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ لہٰذا اب احکامِ نماز سے قبل اوقاتِ نماز کا مختصر مطالعہ کرتے ہیں:

اوقاتِ نمازِ پنجگانہ: قرآنِ کریم کی روشنی میں:

نماز کے احکام و مسائل میں سے سب سے پہلے اوقاتِ نماز کا موضوع آتا ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت کی رو سے ان اوقات کی تعیین کر لینا ضروری ہے۔ اس میں پنجگانہ نمازوں کا بالترتیب اور نام بنام تو ذکر نہیں، لیکن متعدد مقامات پر نمازوں اور ان کے اوقات کی طرف اشارے کیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورہ ہود، آیت: ۱۱۴ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ﴾

”اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور رات کی کچھ ساعتوں میں۔“

یہاں دن کے دونوں کناروں پر نماز قائم کرنے سے مراد نمازِ مغرب اور نمازِ فجر ادا کرنا ہے۔ اور رات کی کچھ ساعتوں میں (یا کچھ رات گزارنے پر) نماز قائم کرنے سے عشاء کی ادائیگی کی طرف اشارۂ الٰہی ہے۔[1]

سورہ ٔاسراء یا بنی اسرائیل جسے سورۂ سبحان بھی کہا جاتا ہے، اس کی آیت ۷۸ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ

[1] تفسیر ابن کثیر مترجم ۲/ ۵۵۵ طبع مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾

’’نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ۔اور فجر کے وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا بھی اہتمام کرو۔(کیونکہ) بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنے پر (اللہ کے فرشتے) گواہ بنتے ہیں‘‘۔

اس آیت میں ظہر سے لے کر عصر، مغرب، عشاء، اور فجر پانچوں نمازیں ہی آجاتی ہیں ۔ [1]

ان آیات کے علاوہ بھی قرآنِ کریم کے کئی مقامات پر نمازوں کے ناموں اور اقات کا اجمالی تذکرہ موجود ہے ۔

اوقاتِ نمازِ پنجگانہ: حدیثِ شریف کی روشنی میں :

قرآنِ کریم کے متعدد مقامات کے حوالہ سے نمازِ پنجگا نہ کے اوقات کا اجمالی سا تذکرہ ہو چکا ہے ۔ جب کہ اس اجمال کی تفصیل نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات میں فرمادی ہے ۔ ہر نماز کا نام، اس کا اوّل وآخروقت اور دیگر مسائل بھی تعلیم فرمائے ہیں، جو کہ آج کتبِ حدیث کے بیش بہا خزانوں کی شکل میں تقریباً ہر زبان میں ترجمہ کے ساتھ موجود ہیں ۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک حدیث میں بیان فرماتے ہیں :

نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا :

’’اُٹھیئے نماز پڑھیئے تو آپ ﷺ نے (ان کے ساتھ) ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج سر سے ڈھل گیا ۔ پھر وہ عصر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھیے نماز پڑھیئے ۔ تب آپ ﷺ نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا۔ پھر وہ مغرب کے وقت نازل ہوئے اور فرمایا: اُٹھیے نماز پڑھیے ۔آپ ﷺ نے نمازِ مغرب

[1] ابن كثير ٣/ ٢٤٩.

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

اس وقت ادا کی جب سورج غروب ہوگیا۔ پھر وہ عشاء کے وقت نازل ہوئے اور فرمایا: اٹھیے نماز پڑھیئے ۔ تب آپ ﷺ نے نمازِ عشاء اس وقت پڑھی جب کہ شفق (یعنی غروبِ آفتاب کے بعد والی سرخی) غائب ہوچکی تھی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام فجر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھیئے نماز پڑھیئے۔ آپ ﷺ نے فجر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ فجر طلوع ہوئی۔''

اس طرح ایک دن کی پانچ نمازیں نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ادا فرمائیں۔ جب کہ اسی حدیث کے اگلے حصہ میں دوسرے دن کی پانچ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ لیکن وہ سب نمازیں آخری وقت میں ادا کی گئیں اور فرمایا گیا کہ ان دونوں (اول و آخر وقت) کے درمیان آپ ﷺ کی نمازوں کا وقت ہے۔[1]

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ))[2]

''تم اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

دوسری نمازوں کی طرح ہی نماز مغرب کو بھی ایک خاص وقت تک مؤخر کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کوئی آدمی آیا۔ اور اس نے نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ دو دن پانچوں نمازیں اول و آخر اوقات میں پڑھائیں اور آخر میں فرمایا:

((اَلْوَقْتُ فِیْمَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ))

---

[1] سنن ترمذی للالبانی ۱/ ۵۰ ، ارواء الغلیل ۱/ ۲۷۰۔۲۷۱، المنتقی مع النیل ۱/۱/ ۳۵۱.

[2] صحیح بخاری، حدیث : ۶۳۱ طبع دار السلام.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

”ہر نماز کے ان دو وقتوں کے مابین ہی اس کا وقت ہے۔“

نماز فجر وعصر کا آخری وقت :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ)) [1]

”جو شخص طلوع آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پڑھ لے تو اس نے نمازِ فجر کو پالیا۔“

جب کہ بخاری شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی ہیں :

((وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ)) [2]

”جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک سجدہ بھی کرلیا پس اسے چاہیئے کہ اب اپنی نماز مکمل پڑھ لے۔“

لہٰذا اس کی اس وقت ادائیگی جائز ہے۔ اور بعینہٖ یہی معاملہ نماز عصر کا بھی ہے۔ جس کا اسی حدیث اور دیگر احادیث میں بھی تذکرہ آیا ہے۔ [3]

اور یہ آخری وقت محض مجبوری کی حالت میں ہے ورنہ امام نووی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جان بوجھ کر ان اوقات تک نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ [4]

---

[1] صحیح الترمذی حدیث (٣٤٧) صحیح النسائی حدیث (٥٠٢) بخاری مع الفتح حدیث (٥٧٩).

[2] بخاری مع الفتح حدیث ٢ / ٥٦ .

[3] مسلم النووی ٣ / ٥ / ١٠٥ ۔ صحیح سنن النسائی حدیث (٥٣٦) ، ابن ماجه حدیث (٧٠٠) لیکن اس میں رکعه کے الفاظ ہیں ۔

[4] بحواله نیل الاوطار ١ / ٢ / ٢٢ طبع بیروت.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اگر کبھی بعض ناگزیر حالات اور عذرو مجبوری میں اول وقت گزر جائے تو اس کے بعد آخر وقت تک نماز پڑھ لی جائے۔ محض لیٹ ہوجانے کی بناء پر چھوڑ نہ دی جائے۔

مغرب وعشاء کا آخری وقت:

حدیث میں ہے:

((ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰی كَانَ عِنْدَ سُقُوْطِ الشَّفَقِ))[1]

”پھر (دوسرے دن) آپ ﷺ نے مغرب کو اتنا مؤخر کردیا کہ شفق غائب ہونے کے قریب پڑھی۔“

اور دوسرے دن کی نماز عشاء کے بارے میں الفاظ ہیں:

((ثُمَّ جَآءَهُ الْعِشَآءَ حِيْنَ ذَهَبَ نِصْفُ اللَّيْلِ أَوْقَالَ: ثُلُثُ اللَّيْلِ فَصَلَّى الْعِشَاءَ)) ۔(قدمرّ مراراً)

”پھر (دوسرے دن) حضرت جبرائیل علیہ السلام نمازِ عشاء کے لیے اس وقت آئے جب کہ آدھی رات یا فرمایا: ایک تہائی رات گزر چکی تھی تب آپ ﷺ نے عشاء پڑھی۔“

نماز عشاء کا افضل وقت اور نبی اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ:

نبی اکرم ﷺ کی جو عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ نے نماز عشاء اول وقت میں ہی ادا فرمائی۔ لہٰذا یہی افضل ہے۔ اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات تب قابلِ قبول ہوتی جب نبی اکرم ﷺ کا صرف عملِ مبارک ہی ہوتا کہ آپ ﷺ نے اول وقت میں عشاء ادا فرمائی: اور اس سلسلہ میں کوئی ارشاد نہ ہوتا جب کہ ایسا

[1] مرتخریجه ، مسلم مع النووی ۲/ ۵/ ۱۱٦ ، صحیح ابی داؤد حدیث (۳۸۱) صحیح النسائی حدیث (۵۰۹) .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخری وقت میں نمازِ عشاء کی ادائیگی کو افضل قرار دیا اور اول وقت میں ادائیگی صرف اس بناء پر فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ امت کو مشقت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں واضح طور پر اس بات کا ذکر بھی آیا ہے۔ ①

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :

((أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلُ ، حَتّٰى نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلّٰى فَقَالَ: إِنَّهٗ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي)) ②

”ایک رات نبی اکرم ﷺ نے نمازِ عشاء کو اتنا مؤخر کیا کہ کافی رات گزر گئی، حتی کہ اہل مسجد سو گئے۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے، نماز عشاء پڑھی اور فرمایا: اگر میں افرادِ امت کے لیے اس امر کو باعثِ مشقت نہ سمجھتا تو اس نمازِ عشاء کا وقت تو یہی ہے۔“

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

”اور آپ ﷺ نمازِ عشاء کو کبھی تو مؤخر کر کے پڑھتے اور کبھی جلدی ادا فرماتے۔ جب آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں تو جلدی نماز پڑھا دیتے اور اگر آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ لیٹ ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ نماز ہی لیٹ کر لیتے تھے۔“ ③

① شرح نووی ٣/ ٥/ ١٣٨ ، دار تراث ، نیل الاوطار ١/ ٢/ ١٠ .

② المنتقى مع النيل ١/ ٢/ ١٢ صحيح النسائى ١/ ١١٨ ، مختصر صحيح مسلم حديث (٢٢٤).

③ بخارى مع الفتح ٢/ ٤١، مسلم مع النووى ٣/ ٥/ ١٤٤ صحيح ابى داؤد حديث (٣٨٤) صحيح النسائى حديث (٥١٣).

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

طویل الاوقات علاقوں میں نماز

ان مقامات پر جہاں بعض نمازوں کا وقت ہی نہ ملتا ہو، مثلاً آفتاب کے طلوع و غروب کے درمیان نصف گھنٹہ کا فاصلہ رہتا ہو۔ یا چھ ماہ مسلسل دن اور چھ ماہ مسلسل رات رہتی ہو۔ وہاں ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا ؟اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں عام طور پر نماز کے ساتھ جس طرح وقت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے وقت کی ان دونوں صورتوں میں کوئی ایک حیثیت غیر مُبہَم و دوٹوک طور پر سامنے نہیں آتی مگر دو باتیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو علامت ہی کی حیثیت دی جانی چاہیئے۔ ان میں سے ایک یہ کہ نماز کی پانچ وقتوں کی فرضیت بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ یہ عموم اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے، جب ایسے مقامات پر اندازے سے پانچوں نمازیں ادا کی جائیں اور دوسری بات یہ کہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظہور کے وقت ایسے دن کی پیشین گوئی کی ہے۔ جو ایک سال کے برابر ہوگا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہو جائیں گی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نہیں بلکہ اندازہ سے نمازیں ادا کرو گے۔“

حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

((قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہَ فَذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِيْ کَسَنَةٍ أَتَکْفِیْنَا فِیْهِ صَلٰوۃَ یَوْمٍ؟ قَالَ: لَا ، أَقْدِرُوْا لَه‘ قَدْرَہ‘))[1]

[1] مسلم مع النووی ۹/ ۱۸/ ٦٥،٦٦ صحیح سنن الترمذی للالبانی ۲/ ۲٤۹ ۔ طبع مکتب التربیة لدول الخلیج ۔ بالریاض.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''ہم نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ ! اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا ۔ کیا ایک دن کی نماز کافی ہو جائے گی ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ، بلکہ اس دن اندازہ سے کام لو''

''اس حدیث نے گویا اس مسئلہ کو دوٹوک کر دیا ہے ۔''

کہ ایسے مقامات پر نمازیں اندازہ سے ادا کی جائیں گی ۔ اور ہر (۲۴) چوبیس گھنٹے کو شب وروز تصور کر کے اوقاتِ نماز کے درمیان جو فصل ہے ، اس کا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں پڑھی جائیں گی ۔[1]

اور شرح مسلم نووی میں اندازے سے کام لینے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فجر پڑھیں اور جب طلوع فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا تو ظہر پڑھیں ۔ اور جب ظہر وعصر کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو عصر پڑھیں ۔ پھر جب عصر ومغرب کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا ۔ تو مغرب پڑھیں ۔ اور اسی طرح ہی عشاء پھر فجر ، پھر ظہر ، پھر عصر ، پھر مغرب اور نمازوں کا یہ سلسلہ اسی طرح اندازے سے چلتا رہے گا ۔ یہاں تک کہ وہ دن ختم نہ ہو جائے ۔[2]

نماز میں پابندیٔ وقت:

نمازوں کی ادائیگی میں پابندیٔ وقت بھی ضروری ہے ۔ یہ نہیں کہ جب چاہا نماز پڑھ لی بلکہ اصل یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اسے ادا کرنے میں تاخیر اور سُستی نہیں ہونی چاہیئے ۔ یہاں تک کہ دورانِ جنگ بھی نماز کا وقت ہو جائے تو اگرچہ اس کا طریقۂ ادا بدل جاتا ہے مگر بلا وجہ اس کے وقت میں تقدیم وتاخیر کی اس حالت میں بھی اجازت نہیں دی گئی یہاں تک کہ سورۃ بقرۃ ، آیت: ۲۳۹ میں ارشادِ

[1] جدید فقہی مسائل ص ۴۰ ، ۴۱ ۔

[2] شرح نووی ۹ / ۱۸ / ۱۶۶ / ۱۵۶ .

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾﴾ [سورہ البقرہ:۲۳۹]

''اگر (دشمن کا) خوف ہو تو پیدل چلتے چلتے یا سواری پر بیٹھے ہی نماز ادا کر لو۔ ہاں جب تم (دشمن کے خوف سے) امن پا لو تو پھر اللہ تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھلایا ہے جو کہ تم پہلے نہیں جانتے تھے۔''

سورۃ البقرۃ میں طلاق وغیرہ کے مسائل کے تذکرہ کے درمیان ہی آیت :۲۳۸ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾﴾

[سورۃ التوبہ :۲۳۸]

''سب نمازوں کی بر وقت ادائیگی و محافظت کرو، اور خاص طور پر درمیانی نماز کی اور دورانِ نماز اللہ کے سامنے ادب و عاجزی سے کھڑے ہوا کرو۔''

مسائلِ طلاق کے درمیان نماز کی پابندی و اہتمام کا ذکر نا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشی، معاشرتی یا عائلی ،کسی بھی قسم کی مصرفیات میں نمازوں کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھو اور اس میں تقدیم و تاخیر نہ کرو۔

اور قرآن کریم کی طرح ہی احادیث شریفہ میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔[1]

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عقائد و اعمال کی اور ظاہری و باطنی ہر قسم کی نجاستوں سے طہارت و پاکیزگی اختیار کرنے اور سنت کے مطابق بر وقت نمازیں

[1] نماز میں پابندیٔ وقت اور تارکِ نماز کا حکم'' اس موضوع پر ہماری ایک مفصل کتاب الگ سے شائع ہو چکی ہے۔ و للّٰہ الحمد و منه القبول

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے ، اور اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور ریاء کاری سے محفوظ رکھے۔ آمین[1]

فَجَزَاهَا اللّٰهَ خَيْراً فِيْ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاهَا لِكُلِّ خَيْرٍ

ابو عدنان قمر

............❀❀❀............

[1] مسائل واحکام طہارت اور اوقات نماز کا یہ سارا موضوع ہماری اہلیہ (ام عدنان بشریٰ قمر) نے ہی ''فقہ الصلوٰۃ جلد اوّل سے ترتیب دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کا مسنون طریقہ
اور
اس کے احکام ومسائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز کا مسنون طریقہ
اور
اس کے احکام و مسائل

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے اقرارِ توحید و رسالت کے بعد نماز سب سے اہم رکن اور دین کا ستون ہے۔

نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہماری نماز:

جس طرح دیگر تمام نیک اعمال کے لیے دوسری شرائط کے ساتھ ساتھ ایک شرط سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کام کی مطابقت و موافقت بھی ہے، اسی طرح نماز کی قبولیت کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں صرف وہی نماز شرفِ قبولیت سے نوازی جائے گی، جو بعینہٖ اُس طرح ادا کی گئی ہو، جس طرح ادا کر کے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھلائی۔ [1] اور اسی کا حکم بھی فرمایا، جیسا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) [2]

”تم بعینہٖ اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“

---

[1] تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”قبولیتِ عمل کی شرائط“ میں شرطِ سوم ملاحظہ فرمائیں۔

[2] صحيح بخاري مع الفتح (٢/ ١١١) مسلم مع النوي (٣/ ٥/ ١٧٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ ہماری نماز کی قولی و فعلی ہیئت و حالت ہُو بہو نبیِ اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے نمونے کے مطابق ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کے طریقے سے ہماری نمازیں جتنی زیادہ مطابقت و مماثلت رکھیں گی، انھیں دربارِ الٰہی میں اتنا ہی زیادہ شرفِ قبولیت بھی ملے گا۔

نبیِ اکرم ﷺ نے جہاں ہمیں تمام احکامِ قرآن کی تفسیر و تشریح اپنے قول و فعل یا عملِ مبارک اور ارشاداتِ گرامی کی شکل میں عطا فرمائی ہے، وہیں نماز کا حکمِ الٰہی بھی ہمیں قولی و عملی شکل میں بہم پہنچایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾ [الحشر: ۷]

’’اور جو کچھ رسول تمھیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو! بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

اس آیتِ شریفہ میں مذکور حکمِ الٰہی کے مطابق ہم پر اللہ کی فرض کردہ نماز بھی آپ ﷺ کے بتائے ہوئے مسنون طریقے کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ [النساء: ۸۰]

’’جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

اس ارشادِ گرامی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ’’حکمِ الٰہی کی تعمیل صرف اطاعتِ رسول ﷺ کی صورت ہی میں ممکن ہے۔‘‘ جس طرح سنتِ رسول ﷺ کے خلاف عمل میں لایا گیا کوئی نیک کام قابلِ قبول نہیں، اسی طرح نماز بھی آپ ﷺ کے بتائے ہوئے، سکھلائے ہوئے اور کر کے دکھلائے ہوئے طریقہ کے خلاف پڑھی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جائے تو قبول نہیں ہوتی۔ اور حق تو یہ ہے کہ صرف نماز پر ہی کیا بس ہے، خلافِ پیغمبر چلنے والا کوئی شخص کبھی بھی منزلِ مقصود اور گوہر مطلوب کو نہیں پا سکتا۔ اسی نکتہ کو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب انداز سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید
محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز درپئے مصطفیٰ (ﷺ)

مگر اس کے برعکس ہماری نمازوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ ہم نے کبھی یہ زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ ہمارے رسول ﷺ نے اس کا کیا طریقہ بتایا ہے، وہ پڑھیں اور سیکھیں اور نبیِ اکرم ﷺ کے نماز سے متعلقہ ارشادات کا بچشمِ خود مطالعہ کر کے اپنی نمازوں کا ان سے موازنہ کریں۔ بلکہ ہمارا سارے کا سارا انحصار اپنے ماں باپ اور پھوپھی دادی کی نمازوں کی نقل اتارنے پر ہوتا ہے۔ جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں یا پڑھتے تھے، ویسے ہی ہم بھی مشینی سے انداز کے ساتھ نشست و برخاست پر مبنی چند حرکات وسکنات اور کچھ قراءت و تلاوت اور ذکر و دعا کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اقامتِ صلاۃ یا ادائے نماز کا حق ادا کر دیا ہے۔

اب آپ خود ہی فرمائیں کہ اسے کیا نام دیا جائے، نمازِ نبوی ﷺ یا نمازِ آبائی، اور شاید دوسرا نام ہی ٹھیک بیٹھتا ہے، کیوں کہ ہم اپنے آبائی طریقۂ نماز کو اختیار کرتے ہیں۔ نماز کے بارے میں ارشاداتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ کر کے علیٰ وجہ البصیرت مسنونِ نماز نبوی (ﷺ) کا اہتمام خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ اور ہوتا کیا ہے کہ اپنی ہی مرضی سے سنتوں کا خیال رکھے بغیر جھٹ پٹ وضو کیا، بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ اعضائے وضو کو گیلا کیا، کچھ اپنی طرف سے اضافے کیے جو ضعیف و ناقابلِ استدلال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایات کی بنیاد پر وضو کا حصہ بنا لیے گئے ہیں، پھر اللہ اکبر کہا، فر فر ثنا و الحمد للہ اور کتر کتر ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ [الإخلاص: ۱] پڑھی اور رکوع میں چلے گئے۔ رکوع سے نجات پائی، پھر سر کو تھوڑا سا اوپر کی جانب جھٹکا دیا اور سجدے میں گر گئے۔

قومے کا پتا ہی نہیں کہ وہ بھی کوئی عمل ہے۔ پھر اس بے قرار سجدے سے سر کو تھوڑا سا اوپر کی جانب جھٹکا دیا اور کوشش کی کہ اوپر کو سر اٹھانے یا نیچے دوبارہ گرانے کے دوران ہی کسی نہ کسی طرح دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں کو چھو جائیں اور دوسرے سجدے کو جا لیا۔ دو سجدوں کے درمیان والے جلسے کا پتا ہی نہیں کہ وہ بھی کچھ ہے۔ اور اسی طرح دوسرے سجدے کے بارِ گراں سے بھی نجات حاصل کر لی۔ پھر دوسری رکعت کو بھی جا لیا اور جلسۂ استراحت سے ہم متعارف ہی نہیں۔

آپ ہی کہیے کہ کیا کثیر مسلمانوں کی نماز واقعی ایسی نہیں ہوتی کہ ساری نماز بے چین، رکوع و سجود غیر مطمئن اور قومہ و جلسہ مضطرب، بلکہ بے نشان؟

بے سرور نماز کا یہ انداز عوام الناس ہی پر بس نہیں، بلکہ ہمارے برصغیر کے کتنے ہی ائمہ مساجد ایسے ہیں کہ دورانِ امامت بھی ان کا قومہ و جلسہ مفقود اور رکوع و سجود بے حضور سے ہوتے ہیں۔ خصوصاً نمازِ تراویح کی دوڑ میں تو لوگ ان کا پیچھا کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ ہی نہیں، بلکہ ہم نے تو نبیِ اکرم ﷺ کی پوری نماز کا حسین سراپا ہی بگاڑ کر رکھا ہوا دیکھا ہے۔ ایسے ہی دلخراش مناظر کو دیکھ دیکھ کر علامہ اقبال بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے:

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر!

بعض مسائل میں تو فقہی اختلافات کی آڑ لی جا سکتی ہے، مگر جو مسائل تمام ائمہ مجتہدین اور فقہا و محدّثین کے مابین متفق علیہ ہیں، ان کا بھی حلیہ بگاڑ دیا جاتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ کسی وقت آپ مسنون نمازِ نبوی ﷺ کے قواعد وضوابط کو پیش نظر رکھ کر نمازیوں کا سروے کر کے دیکھ لیں، اکیلے نمازی بھی اس سروے میں شامل کر لیں اور باجماعت بھی، طہارت وتکبیرِ اولیٰ سے لے کر صفوں کی درستی اور سلام پھیرنے تک آپ کو نمازِ نبوی ﷺ اور نمازِ مسلم میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا اور پھر چار وناچار آپ کو بھی علامہ اقبال کے ان عبقری خیالات کی داد دینا پڑے گی، جنھیں وہ یوں کہہ گئے ہیں: ؎

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے!

اسلام کے نظامِ عبادات میں سے نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو ادا کرنے سے مسلمانوں کو اپنے خالق و مالک سے سرگوشی کا موقع اور بارگاہِ لم یزل میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ قیامِ نماز، رکوع وسجود، قومہ وجلسہ اور قعدہ وغیرہ اپنے ربّ کے ساتھ سرگوشیوں کے مختلف انداز اور مکالمے ہیں۔ کبھی بندہ دست بستہ ہو کر اظہارِ مدعا کرتا ہے تو کبھی عبودیت جھک کر اقرارِ عجز کرتی ہے۔

پھر انسان سروقد ہو کر ربوبیتِ الٰہی کی حمد وستایش کا کلمہ پڑھتا ہے اور پھر اس کی جبینِ نیاز خاک و دھول پر سجدہ ریز ہو کر ربّ اعلیٰ کا قرب چاہنے لگتی ہے۔ پھر غلام اپنے آقا و مالک کے سامنے دو زانو بیٹھ کر تحیاتِ سرمدی کی پاکیزہ التجاؤں سے اس کی رضا وخوشنودی کی تمنا کرتا ہے کہ شانِ کریمی اپنے در پر آئے سوالی کا دامن بھر دے اور اپنے فضل ورحمت کے عطایا و ہدایا کے ساتھ رخصت کر دے۔[1]

[1] حکیم مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے صلوٰۃ الرسول ﷺ کے ''پیش رس'' ص ۳۱۔۴۵، طبع ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذیل میں ہم نمازِ پنج گانہ کی دو (فجر)، تین (مغرب) اور چار (ظہر، عصر اور عشا کی) رکعتیں ادا کرنے کی مسنون کیفیت وطریقہ پیش کر رہے ہیں، جو صحیح اور کم از کم حسن درجے کی احادیثِ رسول ﷺ، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین و ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کی روشنی میں بیان ہوگا۔ إن شآء اللہ.

➔ قدیم بلا تحقیق، (ص: ۴۷ تا ۵۶ طبع جدید محقق) میں اس موضوع کو بڑے خوب صورت انداز سے بیان فرمایا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استقبالِ قبلہ

استقبالِ قبلہ کی فضیلت:

نماز کا آغاز کرنے سے قبل قبلہ رُو ہونا ضروری امر ہے۔ قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا جہاں صحتِ نماز کے لیے ایک ضروری امر ہے، وہیں اس کے بڑے فضائل بھی ہیں، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے ہم جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف رُخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ یعنی عہد ہے۔ لہٰذا اللہ سے اس کے ذمہ وعہد کے معاملے میں غداری مت کرو!''[1]

ایک دوسری روایت میں اِن افعال کے بعد مذکور ہے:

''وہ مسلمان ہے، جس کے وہی حقوق ہیں جو ایک مسلمان کے ہیں اور اس کے وہی فرائض ہیں جو ایک مسلمان کے ہیں۔''[2]

ان احادیث میں دیگر اُمور کے علاوہ قبلے کی عظمت وشان اور استقبالِ قبلہ کی فضیلت آئی ہے کہ استقبالِ قبلہ کی وجہ سے ایک شخص کو وہ تمام حقوق اور اسلامی مقام ومرتبہ حاصل ہو جاتا ہے جو ایک مسلمان کے لیے خاص ہے۔

[1] بخاري مع الفتح، رقم الحديث (٣٩١) صحيح نسائي، رقم الحديث (١٤٤٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٩٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

استقبالِ قبلہ:

نماز کا آغاز کرتے وقت نبیِ اکرم ﷺ قبلہ رُو ہو جایا کرتے تھے۔ یہ چیز قطعی و حتمی ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری اُمتِ اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز کے لیے نمازی کا قبلہ رُو ہونا ضروری ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم میں نبیِ اکرم ﷺ سے خطاب کی شکل میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ﴾ [البقرة: ١٤٤]

''(اے نبی!) آپ کا بار بار آسمان کی طرف رُخ اٹھانا ہم نے دیکھ لیا ہے۔ لو ہم آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ اور آپ مسجدِ حرام (یعنی کعبہ شریف) کی طرف اپنا رُخ پھیر لیں۔''

یہاں تک تو نبیِ اکرم ﷺ سے خطاب کی شکل میں ارشادِ الٰہی تھا، جبکہ اسی آیت میں آگے آپ ﷺ سے اور پوری اُمتِ قرآن سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ [البقرة: ١٤٤]

''اور جہاں کہیں بھی تم ہو اسی (مسجدِ حرام) کی طرف رُخ (کر کے نماز پڑھا) کرو!''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

'' جب تم نماز پڑھنے لگو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو اور پھر قبلہ رو ہو جاؤ اور تکبیرِ تحریمہ کہو۔''[1]

---

[1] صحیح البخاري (١/ ٥٠٢ تعليقاً) اور ''كتاب الإستئذان'' میں موصولاً. صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٠٦-١٠٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

استقبالِ قبلہ کا انداز:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ وہ نمازی جو مسجدِ حرام میں کعبہ شریف کے عین سامنے ہو اور اُسے دیکھ رہا ہو، اس کے لیے تو عین کعبہ شریف کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ علامہ ابن رشد نے "بداية المجتهد" میں اس بات پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق نقل کیا ہے۔[1]

اب رہا وہ شخص جو کعبہ شریف کے سامنے نہ ہو اور نہ اسے دیکھ رہا ہو، بلکہ وہ حدودِ حرم سے باہر کسی بھی دوسرے ملک میں ہو تو اس کے لیے عین کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ دُور دراز کے مسلمانوں کے لیے صرف سمتِ کعبہ یا کعبہ کی جہت کا ہونا ہی کافی ہے، جس پر امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں ایک تو اس ارشادِ باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے:

﴿ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴾ [البقرة: ١٤٤]

"اور جہاں کہیں بھی تم ہو، اُسی (مسجدِ حرام) کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کرو۔"

جبکہ اس پر بعض احادیثِ رسول ﷺ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جن میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ »[2]

"مشرق و مغرب کے مابین قبلہ ہے۔"

اس حدیث کو متعدد سندوں سے مروی ہونے کی بنا پر محدّثینِ کرام نے صحیح قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] بداية المجتهد (١/ ١٥٧)

[2] صحيح الترمذي، رقم الحديث (٢٨٣) ابن ماجه، رقم الحديث (١٠١١) صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٥٨٤) شرح السنة (٢/ ٣٢٧) و الإرواء (٢/ ٣٢٤۔ ٣٢٥)

[3] شرح السنة (٢/ ٣٢٧) إرواء الغليل (٢/ ٣٢٤۔ ٣٢٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگل یا بلادِ کفر و شرک یا اندھیرا ہونے کی صورت میں:

اگر کوئی شخص کسی ایسے مقام پر ہو، جہاں ہر سُو جنگل ہی جنگل، یا پھر اُسے بادل یا اندھیرے کی وجہ سے، یا بلادِ کفر و شرک میں ہونے کی وجہ سے قبلہ کا پتا نہ چل رہا ہو کہ کس جانب ہے؟ تو ایسے شخص کو چاہیے کہ امکانی حد تک قبلہ و جہتِ قبلہ کی جستجو و تلاش کرے اور بھرپور کوشش کے بعد اپنے گمانِ غالب کے مطابق کسی ایک طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد پتا بھی چل گیا کہ اس نے غلط سمت پر نماز پڑھی ہے، اس کے باوجود اس کی نماز صحیح ہوگی اور صحیح سمت معلوم ہو جانے کے باوجود اس کو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ہم ایک سفر میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور وہ ایک انتہائی تاریک رات تھی۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ قبلہ کس طرف ہے، لہٰذا ہر شخص نے جدھر چاہا، اُدھر ہی منہ کر کے نماز پڑھ لی۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے یہ سارا ماجرا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا، اس پر (سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۱۵) نازل ہوگئی (جس میں ارشادِ الٰہی ہے:) ''تم جدھر بھی منہ کرو، اللہ (کا قبلہ) اُدھر ہی ہے۔''

مسند طیالسی میں ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ماجرا سن کر فرمایا: «مَضَتْ صَلَاتُكُمْ» ''تمھاری نماز ہوگئی'' پھر یہ آیت ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۱۵] نازل ہوگئی۔[1]

اس حدیث کی سند پر کچھ کلام ہے، لیکن شواہد و روایات کی بنا پر اسے حسن درجہ

[1] إرواء الغلیل (۲/ ۳۲۳)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کی حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اُن شواہد میں سے ایک دارقطنی و بیہقی، معجم طبرانی اور مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

شدید خوف اور مجبوری و بیماری کی حالت میں:

آدمی کسی شدید خوف و خطرہ، انتہائی مجبوری و لاچاری یا پھر کسی بیماری میں مبتلا ہو، اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ قبلہ کس طرف ہے، حسبِ موقع جس طرف بھی ممکن ہو، اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی وہ نماز صحیح ہوگی۔ ایسی صورت کے لیے خود قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿239﴾﴾ [البقرة: ٢٣٩]

''اگر تم خوف زدہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو، اور جب تم حالتِ امن میں ہو تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح یاد کرنے (نماز پڑھنے) کا طریقہ اس نے تمھیں سکھلایا ہے، جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا''[2]

''تم قبلہ رو ہو یا نہ ہو۔''

صحیح بخاری میں حضرت نافع رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔ گویا اس حالتِ خوف میں استقبالِ قبلہ کے سلسلے

---

[1] الإرواء (٢/ ٣٢٣۔ ٣٢٤)

[2] صحيح البخاري (٨/ ١٩٩) صحيح ترمذي، رقم الحديث (٢١٥٨) صحيح نسائي، رقم الحديث (٢٤٥٦) ابن ماجه، رقم الحديث (٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں رعایت ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر پڑھی جانے والی نماز کو ''صلوٰۃ الخوف'' کہا جاتا ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے اور حدیثِ شریف میں بھی۔

سواری پر:

استقبالِ قبلہ کے وجوب کے ساقط ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اونٹ یا گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو اور سواری کے دوران ہی نفلی نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے اشارے سے ایسا کرنا جائز ہے، لیکن یہ نفلی نماز کے لیے ہے۔ کسی انتہائی مجبوری کے سوا یہ فرض نماز کے لیے روا نہیں ہے۔ نفلی نماز کے لیے وہ شروع میں تکبیرِ تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ قبلہ رُو ہو جائے، پھر سواری چاہے کسی بھی طرف جاتی رہے کوئی حرج نہیں، کیوں کہ تب اس سے استقبالِ قبلہ ساقط ہو جاتا ہے، جس کا پتا متعدد احادیث سے چلتا ہے، جن میں سے ایک میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی سواری پر نفلی نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے آغاز میں) قبلہ رو ہو جاتے اور تکبیرِ اولیٰ کہتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو چھوڑ دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے جاتے اور سواری چاہے جس طرف بھی مڑتی جاتی۔''[1]

ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، وہ چاہے جس طرف بھی مڑتی جاتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر کر قبلہ رُو ہو جاتے۔''[2]

---

[1] صحيح أبي داود، رقم الحديث (١٠٨٤) المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ١٧٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٠٩٩) مختصر بخاري للألباني (١/ ١١٤)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ریل گاڑی، بس، کشتی اور بحری و ہوائی جہاز میں استقبالِ قبلہ:

اونٹ یا گھوڑے کی سواری کے دوران تو سوائے کسی انتہائی مجبوری کی شکل کے صرف نفلی نماز ہوگی، جبکہ ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ٹرین یا ریل گاڑی کے مسافروں کو بھی اونٹ اور گھوڑے کے مسافروں پر قیاس کیا جائے گا۔ نفلی نماز کے آغاز میں قبلہ رُو ہو کر نماز شروع کر لیں اور پھر دورانِ نماز یہ سواریاں چاہے جدھر بھی جاتی رہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان سواریوں پر سفر کے دوران میں اگر مسافر بآسانی کسی جگہ اتر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ فرض نماز اتر کر قبلہ رُو ہو کر ہی پڑھے، یہی اولیٰ ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر اِن سواریوں پر فرض نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے اور یہ نماز قبلہ رُو ہی پڑھی جائے گی، کیوں کہ یہ سواریاں اپنی وضع کے لحاظ سے ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں قبلہ رُو ہوا جا سکتا ہے، لہٰذا قبلہ رُو ہو کر ہی نماز پڑھیں۔

اگر نماز قبلہ رُو ہو کر شروع کی لیکن دورانِ نماز ٹرین یا بس نے رُخ بدل لیا تو فقہائے احناف کی رائے تو یہ ہے کہ نمازی بھی اپنا رخ بدل لے، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری کی پہلی جلد کے شروع میں ہی کشتی پر نماز کے ضمن میں لکھا ہے:

”وَيَلْزَمُ اِسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ وَكُلَّمَا دَارَتْ“[1]

”قبلہ کی طرف منہ کرنا افتتاح کے وقت بھی ضروری ہوگا اور اُس وقت بھی جب وہ مڑے۔“

لیکن واضح بات یہ ہے کہ یہ رائے اُس وقت تو قابلِ عمل ہے جب چند رکعتیں پڑھ کر نمازی سلام پھیرے اور اسے پتا چلے کہ سواری کا رُخ بدل چکا ہے تو وہ نئی رکعتوں کے آغاز میں ممکن ہو تو پھر استقبالِ قبلہ کر لے، البتہ سلام پھیرنے سے پہلے دورانِ نماز نمازی کو پتا ہی نہیں چل سکا کہ سواری کا رُخ کس طرف ہو گیا ہے

[1] فتاویٰ عالمگیری (۱/ ۲۲۹، ۲۳۰) جدید فقہی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ص: ۴۳)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور وہ کس طرف مڑے تو استقبالِ قبلہ لازم نہیں ہوگا، نہ دورانِ نماز اتنی سوچ بچار کا موقع ہوتا ہے اور نہ عموماً ان سواریوں میں جگہ کی اتنی وافر گنجایش ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں بھی قرآن کے اُن الفاظ میں وارد حکم سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جن میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔''

علاوہ ازیں اژدہام کی شکل میں تو علمائے احناف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بلااستقبال اور بلا قیام نماز پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً اژدہام اتنا ہو کہ مڑنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ عموماً ان سواریوں میں ہوتا ہے اور نہ باہر نکل کر نماز کی ادائیگی کا موقع ہو تو بلا استقبال بھی جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

''اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکتِ رکوع و سجود ممکن نیست و نیز بر صلوٰۃ خارج از ریل قادر نیست، بلا استقبال و بلا قیام ادا کنند۔''[1]

''اگر واقعی ہجوم اتنا ہو کہ رکوع و سجود کی حرکت ممکن ہو نہ ریل سے باہر نکل کر نماز ادا کرنا ممکن ہو تو بلا استقبالِ قبلہ اور بلا قیام نماز ادا کریں۔''

ایسی صورت میں یوں نماز ادا کرنے کے جواز کا مولانا عثمانی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کر کے ''جدید فقہی مسائل'' کے مؤلف نے اپنی طرف سے جو لکھا ہے کہ احتیاطاً اعادہ کر لینا چاہیے، بظاہر اس احتیاط کی کوئی دلیل نہیں اور نہ اعادے کی ضرورت ہے۔ یہ تفصیل تو ریل گاڑی اور بس کے بارے میں ہے، جبکہ کشتی، اسٹیمر، بحری جہاز اور ہوائی جہاز وغیرہ میں استقبالِ قبلہ کا حکم بھی یہی ہوگا، جو بس اور گاڑی میں ہے۔[2]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم (۲/ ۱۴۶) بحوالہ جدید فقہی مسائل (ص: ۴۳)

[2] اس کی تفصیل ''نیل الأوطار'' (١/ ٢/ ١٤٢، ١٤٣) ''جدید فقہی مسائل'' (ص ۴۳۔ ۴۵) ''صفة صلاة النبي ﷺ للألباني'' (ص: ٣٥۔ ٣٧) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قیام

جب نمازی کسی نماز کے لیے قبلہ رُو ہو جائے تو حالتِ قیام میں تکبیرِ تحریمہ یا تکبیرِ اولیٰ، دعائے استفتاح یا ثناء، تعوّذ وتسمیہ یعنی "اَعُوذُ بِاللّٰهِ" اور "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھی جاتی ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کی تفصیل میں جانے سے قبل نماز کے لیے قیام کی حیثیت و اہمیت واضح کر دی جائے۔

چنانچہ "الفقه على المذاهب الأربعة" کے مطابق اس بات پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ جو شخص کھڑا ہو سکتا ہو، اس کے لیے فرض نمازوں میں قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے اور فقہائے احناف کے نزدیک تو نذر مانی ہوئی نماز، نمازِ وتر اور فجر کی سنتوں میں بھی کھڑے ہونا فرض ہے۔[1]

قیام یا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی تاکید تو خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [238]

[البقرة: ٢٣٨]

"تمام نمازوں کی خوب حفاظت کرو، خصوصاً درمیانی نماز (عصر) کی، اور اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کہ جس طرح فرماں بردار (غلام) کھڑے ہوتے ہیں۔"

نبیِ اکرم ﷺ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل میں نہ صرف فرض نمازوں میں بلکہ عموماً نفلی نمازوں میں بھی کھڑے ہوا کرتے تھے۔

[1] الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٢٢٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرض و عذر میں بیٹھنے کا جواز:

قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے اور یہ تندرست و توانا آدمی کے لیے ہے، لیکن نفلی نمازوں میں یہ فرض نہیں، اگرچہ افضل ہے۔ بیٹھ کر نفلی نماز کا ذکر بعد میں آئے گا۔ البتہ آیئے پہلے اس بات کی تفصیل دیکھیں کہ قیام اگرچہ فرض نمازوں میں ضروری ہے، لیکن مرض و عذر کی حالت میں یہ ساقط ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجایش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔"[1]

کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھنے میں فرق:

مرض وغیرہ عذر کی حالت میں نمازی سے قیام کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے، بیٹھ کر ممکن ہو تو فبہا، ورنہ لیٹ کر پڑھنے کے جواز کا بھی احادیث سے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اُسی کا عمل افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا اجر ملے گا۔ جس نے لیٹ کر نماز پڑھی، اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے سے بھی آدھا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔"[2]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ١٧٢، ١٧٣) صحيح ترمذي (١/ ١١٤)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٥٨٤) صحيح أبي داوٗد (١/ ١٧٩) صحيح ترمذي، رقم الحديث (٣٠٥) ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیماری اور سفر میں پورا اجر:

البتہ وہ مریض جس میں واقعتاً کھڑے ہونے کی ہمت ہی نہ ہو، اس کے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے سے اس کے اجر و ثواب میں فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ بعض احادیث سے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و ابو داود، ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب اللہ کا کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر پر نکلتا ہے تو اس کے لیے ویسا ہی اجر لکھا جاتا ہے، جیسا کہ اس کے مقیم و تندرست ہونے کے ایام میں (اس کے عمل پر) لکھا جاتا تھا۔''[1]

سواری پر نماز اور قیام:

قیام یا فرض نماز کے لیے کھڑے ہونا فرض ہے، لیکن بعض صورتوں میں اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، جیسے مرض یا عذر کی بنا پر بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کا ذکر گزرا ہے۔ ایسے ہی کشتی، اسٹیمر اور سفینہ یا بحری جہاز کا معاملہ بھی ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو کھڑے ہو کر ہی پڑھیں اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لیں، نماز ہو جائے گی، کیوں کہ سنن دار قطنی، مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے، جسے امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ''تلخيص المستدرك'' میں اور شیخ البانی نے ''صفة صلاة النبی ﷺ'' میں ان کی موافقت کی ہے۔ اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ سے بحری جہاز میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

← صحيح نسائي، رقم الحديث (١٥٦٦) صحيح ابن ماجه (١/ ٢٠٤)

[1] صحيح البخاري (٢/ ٥٨٥) و كتاب الجهاد، رقم الحديث (٢٩٩٦) صحيح الجامع، رقم الحديث (٧٩٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«صَلِّ فِيهَا قَائِمًا إِلَّا أَنْ تَخَافَ الْغَرَقَ»[1]

''بحری جہاز میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو، سوائے اس کے کہ تمھیں غرق ہو جانے کا خطرہ ہو (تو بیٹھ کر پڑھ لو)۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی میں گر کر غرق ہو جانے کے اندیشے یا ایسے ہی کسی دوسرے عذر کے بغیر بحری جہاز میں بھی بیٹھ کر نماز کی اجازت نہیں۔ ہاں، اگر ایسا کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔ اس سے جہاں قیام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اسلام کے اپنے ماننے والوں کے لیے دی گئی آسانیوں کا بھی پتا چلتا ہے۔

غرق ہونے کے خطرے کے علاوہ اگر بالفرض نمازی کو اتنی جگہ نہیں مل رہی کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے، بلکہ وہ صرف بیٹھ کر ہی نماز پڑھ سکتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے ایک عذر ہے، جس سے اس کی استطاعت یا طاقتِ قیام کی نفی ہو جاتی ہے۔ صرف طاقت کی حدود کے اندر اندر ہی انسان مامور ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم کے ان الفاظ سے پتا چلتا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦]

''جہاں تک تمھارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرو۔''

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٧٧٧) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ١٤٢) صفة صلاة النبي ﷺ (ص: ٣٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سُترہ

نمازی کو نماز کے لیے تکبیرِ تحریمہ کہنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑا ہے؟ اگر سامنے صرف سجدے ہی کی جگہ ہے اور آگے دیوار ہے تو فبہا، ورنہ اسے اپنی جائے سجدہ سے تھوڑا آگے سُترہ رکھ لینا چاہیے، جس کا لغوی معنیٰ تو پردہ یا اوٹ ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، تاکہ کوئی شخص اس کے آگے سے گزرے تو اس کی نماز میں خلل انداز نہ ہو۔ یہ تو نمازی کے لیے ایک احتیاطی تدبیر ہے، ورنہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

سُترے کے حکم کے بارے میں اہلِ علم کے دو مشہور قول ہیں۔ ایک یہ کہ مستحب ہے اور دوسرا یہ کہ واجب ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نيل الأوطار" میں اور شیخ البانی نے "صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم" اور "حجة النبي صلی اللہ علیہ وسلم" میں اسے ہی ترجیح دی ہے، جس کی تفصیل ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ إن شاء الله.[1]

نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت:

امام کے سلام پھیرنے کے بعد، بالخصوص مساجد میں اس معاملے میں بڑی کوتاہی برتی جاتی ہے کہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مسجد سے نکلتے یا جگہ بدلتے وقت لوگ اس بات کی پروا ہی نہیں کرتے کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، وہ ان کے آگے ہی

[1] نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢) صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم (ص ٣٩) حجة النبي صلی اللہ علیہ وسلم (٢١/ ٢٣، ١٣٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے گزر جاتے ہیں، حالانکہ یہ فعل ناجائز اور گناہ ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی نے تو سُترہ کی موجودگی میں کسی کے آگے سے گزرنے کو گناہِ کبیرہ لکھا ہے اور سترہ نہ ہونے کی شکل میں نمازی کے آگے سے گزرنا اُن کے نزدیک مکروہ ہے، جس کی تفصیل "الزواجر عن اقتراف الکبائر" (١/ ١٤٢) میں مذکور چوراسی نمبر گناہِ کبیرہ کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت پر جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا گناہ ہے، تو اس کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت چالیس تک کھڑے رہنا گوارا ہوتا۔''

اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کے ایک راوی ابوالنصر کہتے ہیں:

''مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن کہا، یا چالیس ماہ، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال فرمایا۔''[1]

آگے سے گزرنے والے کو روکنا:

نمازی کے لیے جائز بلکہ ضروری ہے کہ اگر کوئی اس کے آگے سے گزرنے لگے تو وہ نماز ہی کی حالت میں اسے اچھے طریقے سے روک دے۔ اگر وہ اچھے طریقے سے رکنے والا نہ ہو اور نہ رکے تو پھر اسے سختی کے ساتھ منع کرے، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥١٠) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٢٤، ٢٢٥) صحيح أبي داود (٦٤٩) صحيح ترمذی، رقم الحديث (٢٧٦) صحيح نسائي، رقم الحديث (٧٢٩) ابن ماجه، رقم الحديث (٦٤٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اگر کوئی شخص اپنے سامنے سُترہ رکھ کر نماز پڑھ رہا ہو، جو اسے لوگوں سے بچائے اور کوئی شخص اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے روک دے۔''

﴿فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَیْطَانٌ﴾ [1]

''اگر وہ رکنے سے انکار کرے تو اس سے لڑائی کرے، بے شک (زبردستی آگے سے گزرنے والا) وہ شخص شیطان ہے۔''

نمازی اور سترے کے مابین فاصلہ:

نمازی خود سے کتنی دور سترہ رکھے؟ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جا نماز اور دیوار کے مابین اتنا فاصلہ تھا جس سے بکری گزر سکتی تھی۔'' [2]

کوئی کہاں سے گزرے؟

اب رہا معاملہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی گنجایش کا تو بہتر تو یہی ہے کہ ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے نمازی کے آگے سے گزرا ہی نہ جائے۔ اگر کبھی مجبوری و ضروری ہی ہو جائے تو پھر اتنا دُور سے گزرے کہ نمازی کے خشوع و خضوع میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔ اس غیر خلل انداز طریقے سے گزرنے کا فاصلہ بقیۃ السلف حضرت حافظ محمد یحییٰ صاحب عزیز میر محمدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تبلیغ و تربیت دین کے پانچ اصول'' (ص: ۴۲، ۴۳) میں یہ لکھا ہے کہ نمازی کے آگے سُترہ نہ ہو اور کوئی ضرورت مند پانچ، چھے صفوں کی دُوری سے گزر جائے تو اُمید ہے کہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

---

[1] صحیح البخاري (١/ ٥٨١، ٥٨٢) رقم الحدیث (٥٠٩) مسلم (٢/ ٤/ ٢٢٤) صحیح أبي داود (٦٤٥-٦٤٨) صحیح نسائي، رقم الحدیث (٧٣٠٠) ابن ماجه، رقم الحدیث (٩٥٤)

[2] صحیح البخاري (١/ ٥٧٤) مسلم (٢/ ٤/ ٢٢٥، ٢٢٦) صحیح أبی داوٗد، رقم الحدیث (٦٤٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سُترہ کس چیز کا ہو؟

سُترہ کس چیز کا ہو؟ اس سلسلے میں متعدد احادیث ملتی ہیں، جن میں نبیِ اکرم ﷺ کے عملِ مبارک سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے متعدد اشیاء کو سترہ بنا کر نماز پڑھی ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی ایسی ہی چیز اس کام میں لائی جا سکتی ہے۔ وہ چیزیں درج ذیل ہیں:

1 برچھی یا نیزہ گاڑنا:

اس سلسلے میں پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم ﷺ کے لیے برچھی (بطورِ سترہ) گاڑ دی جاتی اور آپ ﷺ اس کی اُوٹ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔''[1]

2، 3 سواری یا اس کی کاٹھی:

سترے کے طور پر سواری یا اس کی کاٹھی کا رکھنا بھی نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی سواری کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔''[1]

4 درخت:

درخت کو سترہ بنا کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے، کیوں کہ یہ بھی نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

1 صحيح البخاري (١/ ٥٧٥)

2 صحيح مسلم (٣/ ٤/ ٢١٨) صحيح أبي داود، رقم الحديث (٦٤١) صحيح ترمذي، رقم الحديث (٢٨٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میں نے دیکھا کہ غزوۂ بدر کے دن ہم میں سے کوئی بھی نہیں جاگ رہا تھا، سب سوئے ہوئے تھے سوائے نبیِ اکرم ﷺ کے، آپ ﷺ ایک درخت کو سُترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے اور صبح ہونے تک آپ ﷺ دعائیں کرتے رہے۔''[1]

5 ستون:

یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں آتا تو وہ مصحف کے ساتھ والے ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کوشش کر کے اس ستون کے پاس نماز پڑھتے ہیں، (اس کی وجہ کیا ہے؟) تو انھوں نے جواب دیا:

''میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ بھی کوشش کر کے اس ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔''[2]

6 ٹوپی:

سُترے کے طور پر ٹوپی یا پگڑی رکھ لینا بھی صحیح ہے، کیوں کہ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے:

''میں نے شریک رحمہ اللہ کو دیکھا کہ ایک جنازے کے موقع پر انھوں نے عصر کی نماز پڑھاتے وقت اپنے سامنے اپنی ٹوپی رکھ لی۔''[3]

درخت، ستون یا عصا کہاں ہو؟

ستون یا عصا وغیرہ کا سُترہ ہو تو وہ عین سامنے نہ ہو، بلکہ تھوڑا سا دائیں یا بائیں جانب ہو یا بالفاظِ دیگر عصا ناک کے سامنے نہ آئے، بلکہ دائیں یا بائیں کندھے کے سامنے ہو، کیوں کہ بعض اہلِ علم نے اسی انداز کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

1. سنن النسائي بحواله فتح الباري (١/ ٥٨٠)
2. صحيح البخاري (١/ ٥٧٧) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٢٥، ٢٢٦)
3. صحيح أبي داوٗد (١/ ١٣٤) شرح السنة (٢/ ٢٥١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نماز میں صف بندی اور پاؤں کی کیفیت

جب امام کے پیچھے کھڑے ہوں تو اُس وقت مقتدیوں کو حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پاؤں ملا کر رکھیں، جیسا کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنی صفوں کو درست (سیدھا) رکھو! کیوں کہ میں تمھیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

اس سے آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم میں سے ہر کوئی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنے پاؤں کو اس کے پاؤں کے ساتھ ملاتا تھا۔''[1]

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ، وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ، وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ»[2]

---

1. صحيح البخاري (٢/ ٢١١) مسند أحمد (٣/ ١٨٢)
2. صحيح أبي داود، رقم الحديث (٦٢٠) مستدرك حاكم (١/ ٢١٣) صحيح الترغيب (٤٩٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''صفیں درست کرلو اور کندھوں کو ایک دوسرے کے برابر کرلو، خالی جگہیں پُر کرلو اور شیطان کے لیے (اپنے قدموں کے درمیان) خالی جگہ مت چھوڑو۔ جو صف کو ملائے، اسے اللہ ملائے اور جو صف کو توڑے، اسے اللہ توڑے۔''

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور تین بار یہ فرمایا: ''تم اپنی صفوں کو سیدھا کرلو، اللہ کی قسم! تم اپنی صفوں کو درست کرلو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کے درمیان مخالفت پیدا کردے گا۔''

صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر نمازی اپنے برابر والے نمازی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ چمٹائے رکھتا تھا۔''[1]

نمازی کی نظر کہاں ہو؟

بعض لوگ جو نماز کے دوران میں دائیں بائیں اور آگے دُور تک جھانک لیتے ہیں، اُن کا یہ فعل درست نہیں، بلکہ خشوع و خضوع کے منافی ہے۔ نظریں پاؤں سے لے کر جائے سجدہ کے اندر اندر ہی رہنی چاہییں، اس سے آگے نہیں۔

اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے، جسے شیخ البانی نے ''صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم'' میں بیہقی و مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے سرِ اقدس کو جھکائے ہوئے اپنی نظر (آسمان کی طرف نہیں بلکہ) زمین کی طرف رکھتے تھے۔''[2]

---

1. صحيح البخاري (٢/ ٢١١) صحيح أبي داود (٦١٦) مسند أحمد (٤/ ٢٧٦) ابن حبان، رقم الحديث (٣٩٦، الموارد)
2. صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم (ص: ٤٤)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے ان کی موافقت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو تاریخِ دمشق ابن عساکر میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (1)

اِدھر اُدھر جھانکنے پر وعید:

نماز میں بلا وجہ اِدھر اُدھر جھانکنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگ نماز کے دوران میں اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں، ورنہ ان کی نظریں اُچک لی جائیں گی (وہ اندھے کر دیے جائیں گے)۔'' (2)

آنکھیں بند یا کھلی رکھنا:

نماز کے دوران میں آنکھوں کو کھلا رکھنا یا بند کرنا بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور بعض دیگر اہلِ علم نے کہا ہے کہ نماز کے دوران میں آنکھوں کو بند رکھنا مکروہ ہے۔ ان کا استدلال اس روایت سے ہے، جسے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں کئی قرائن کے ساتھ غیر صحیح ثابت کر دیا ہے اور ''فقه السنة'' میں سید سابق نے بھی لکھا ہے کہ نماز میں آنکھیں بند رکھنے کی کراہت کے بارے میں وارد حدیث صحیح نہیں ہے۔ (3)

البتہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ نہیں

(1) صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم (ص: ٤٤)

(2) صحيح مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه (٢/ ٤/ ١٥٢) صحيح نسائي، رقم الحديث (١١٤١) وابن ماجه، رقم الحديث (١٠٤٤) عن أنس رضي الله عنه.

(3) فقه السنة (١/ ٢٦٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ آپ ﷺ نماز میں آنکھیں بند رکھیں، بلکہ آپ ﷺ تو تشہد میں اپنی انگشتِ شہادت کی طرف دیکھتے تھے۔ پھر آگے چار احادیث بیان کی ہیں اوران سے نبیِ اکرم ﷺ کے آنکھیں کھلی رکھنے پر استدلال کرتے ہوئے خود ہی بتایا ہے کہ ان احادیث سے استدلال کرنا محلِ نظر ہے، لہٰذا ان کے ذکر سے ہم صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ البتہ آگے انھوں نے لکھا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے نماز میں آنکھیں کھلی رکھنے پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں، جن میں سے ایک صلاۃ الکسوف سے متعلق ہے، جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے جنت کا منظر دیکھا تو انگور کا گچھا توڑنے کے لیے دستِ مبارک آگے بڑھایا اور آگ دیکھی اور جہنم میں وہ عورت دیکھی، جس نے بلی کو بھوکے پیاسے مار دیا تھا۔

ایسے ہی اس حدیث سے بھی نماز میں آپ ﷺ کے آنکھیں کھلی رکھنے کا پتا چلتا ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے بکری کو اپنے آگے سے نہیں گزرنے دیا۔ نیز نماز کے دوران ہی میں آپ ﷺ کا سلام کہنے والوں کو اشارے سے جواب دینا بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ آنکھیں بند نہیں رکھتے تھے، بلکہ آپ ﷺ جدھر سلام کہنے والا ہوتا اُدھر ہی جوابی اشارہ فرماتے تھے۔ ایسے ہی نماز میں شیطان کے سامنے آجانے والی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا اور آپ ﷺ نے اس کو گلے سے پکڑ کر اتنا دبایا کہ اس کے منہ سے جھاگ بہہ نکلی، جس کی ٹھنڈک آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک پر محسوس فرمائی تو یہ رؤیتِ عین تھی۔

ایسی ہی کئی دیگر احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نماز میں آنکھیں بند کر کے نہیں رکھا کرتے تھے۔ پھر لکھا ہے کہ فقہا کا نماز میں آنکھیں بند رکھنے کے مکروہ یا غیر مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور بعض دیگر اہلِ علم نے مکروہ کہا ہے اور بتایا ہے کہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا یہود کا فعل ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اہلِ علم کی ایک جماعت نے آنکھیں بند رکھنے کو مباح وغیر مکروہ کہا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا زیادہ باعثِ خشوع ہے، جبکہ خشوع ہی نماز کی روح، بھید اور مقصود ہے۔

آگے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ ان دونوں نظریات پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اگر آنکھوں کو کھلا رکھنے سے خشوع میں خلل واقع نہ ہوتا ہو تو نماز میں آنکھیں کھلی رکھنا ہی افضل ہے، لیکن اگر جانبِ قبلہ بیل بوٹے یا دوسری کوئی ایسی چیز ہو جو نمازی کی توجہ کھینچ لے اور دل کی توجہ نماز سے ہٹا دے تو ایسے میں آنکھوں کو بند رکھنا قطعاً مکروہ نہیں، بلکہ ایسی حالت میں آنکھوں کے بند رکھنے کو بہ نسبت مکروہ کہنے کے مستحب کہنا اصولِ شریعت اور اس کے مقاصد سے زیادہ قریب ہے۔[1]

[1] زاد المعاد، علامہ ابن قیم (١/ ٢٩٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیت اور اس کا حکم

یہ بات تو معروف ہے کہ تمام نیک اعمال میں ''نیت'' کو گہرا عمل دخل حاصل ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»[1] ''عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''

نیت واجب، بلکہ شرط ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

نماز شروع کرنے سے قبل ہی اور نماز کے لیے آتے وقت دل میں یہ قصد و ارادہ یا نیت کر لینی چاہیے کہ میں فلاں نماز، فلاں وقت اور اتنی رکعتیں پڑھنے لگا ہوں اور اس سے میرا مقصود ارشادِ الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ نیت چونکہ دل سے تعلق رکھنے والا فعل ہے، اس لیے اس کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ جن سے نماز اور دیگر احکامِ دین کی کلیات ہی نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے جزوی مسائل بھی ثابت ہیں، مگر آپ ﷺ سے نماز کی نیت کے الفاظ ثابت نہیں ہیں۔

اگر آپ ﷺ بھی نماز کی نیت زبان سے کرتے ہوتے یا اپنی امت کے لیے آپ ﷺ اسے ضروری خیال فرماتے تو اس کی ضرور ہی تعلیم فرما دیتے، مگر آپ ﷺ سے ایسی کوئی صحیح و حسن تو کیا ضعیف حدیث بھی ثابت نہیں ہے، جس میں نیت کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١) صحيح مسلم (٧/ ١٣/ ٥٣) صحيح أبي داود، رقم الحديث (١٩٢٧) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٤٤) صحيح النسائي، رقم الحديث (٧٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٢٢٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الفاظ وارد ہوئے ہوں۔ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے تعلیماتِ رسول اللہ ﷺ کو پوری امانت و دیانت اور ذمے داری کے ساتھ آگے پہنچایا ہے اور نبیِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تمام پہلوؤں کو اُمت کے سامنے پیش کر دیا ہے، انھوں نے بھی زبان کے ساتھ نیت کے الفاظ ادا کرنے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔ خود خلفائے راشدین، عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک سے بھی ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔

آپ حدیث و فقہ کی چاہے کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو کہیں سے بھی اس زبانی نیت کا ثبوت ہرگز نہیں ملے گا کہ یہ طریقہ نبیِ اکرم ﷺ، خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم یا ائمہ کرام رحمہم اللہ کا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ بعض فقہی کتب اور نماز کے بارے میں لکھی ہوئی کتابوں، کتابچوں اور رسالوں میں زبان سے نیت کرنے کا ذکر اور اس کے الفاظ مولفین یا ان سے پہلے والے علما وفقہا کے محض ذاتی خیالات ہیں، جو ایسے امور میں شرعی حجت نہیں ہیں، جن کا داعیہ خود نبیِ اکرم ﷺ کے زمانۂ مسعود میں موجود تھا اور کوئی امرِ مانع بھی نہیں تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے انھیں نہ کیا، نہ کرنے کا حکم دیا۔

علما وفقہائے احناف کے اقوال:

زبانی نیت کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مشائخ الاسلام امام نووی، ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ پر ہی بس نہیں،[1] فقہا و علمائے احناف بھی دل کے ارادے کا نام ہی نیت بتاتے ہیں۔

[1] روضة الطالبين للنووي (١/ ٢٢٤) مجموع الفتاویٰ لابن تيمية (٢٢/ ٢١٧۔ ٢٥٥) زاد المعاد (١/ ٢٠١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صاحبِ ہدایہ:

فقہ حنفی کی معروف و متداول کتاب ''ہدایہ'' کے ''باب شروط الصلاۃ'' میں علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نیت ارادے کا نام ہے اور شرط یہ ہے کہ دل سے معلوم ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھنے لگا ہے۔ اب رہا زبان سے نیت کرنا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''[1]

اس سے تھوڑا آگے موصوف نے لکھا ہے کہ ''عزم کی پختگی کے لیے زبان سے نیت کرنا مستحسن ہے۔'' جبکہ یہ محض ان کی ذاتی رائے ہے، جو نیت کے لغوی و شرعی معنیٰ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، لہٰذا اُن کے وہی الفاظ قابلِ عمل ہیں جو لغت و شرع ہر دو اعتبار سے نیت کے مفہوم و معنیٰ کے مطابق ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ:

صاحبِ ہدایہ کی طرح علمائے احناف ہی میں سے ایک معروف عالم علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''زبان سے نیت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ زبان سے تو کلام صادر ہوتا ہے نہ کہ نیت۔''[2]

مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ:

علمائے احناف ہی میں سے ایک فاضل، جناب مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ گزرے ہیں، انھوں نے ''أشعّة اللمعات'' میں لکھا ہے:

''علما درنیتِ نماز اختلاف کردہ اند، بعداز اتفاقِ ہمہ برآں باجہر گفتنِ آں

---

[1] هداية (١/ ٩٦)

[2] شرح تحفۃ بحوالہ ''راہِ سنت'' (ص: ۱۲۰۔۱۲۳) از مولانا محمد صدیق صاحب سرگودہا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نامشروع است، تلفظ شرطِ صحتِ نماز است یا نہ؟ صحیح آنست کہ شرط نیست ومشروط دانستنِ آں خطا است۔“ [1]

”علما کا نماز کی نیت کے بارے میں اختلاف ہے، جبکہ اس امر پر سبھی متفق ہیں کہ جہراً نیت کرنا تو ناجائز ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ لفظوں سے (زبان سے) نیت کرنا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے یا نہیں؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ شرط نہیں اور اسے شرط ماننا غلط ہے۔“

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ:

ایسے ہی کبار علمائے احناف میں سے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ”عمدة الرعاية حاشيه شرح وقايه“ میں لکھا ہے:

”بالاتفاق دل سے نیت کر لینا ہی کافی ہو جاتا ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی طریقہ منقول اور مسنون و ماثور ہے۔ یہ کہنا کہ میں نے فلاں نماز اور فلاں وقت کی نیت کی یا کرتا ہوں تو یہ کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے۔“ [2]

اپنے فتاویٰ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ موصوف لکھتے ہیں:

”بکثرت مجھ سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل اور دلیل موجود ہے؟ تو مَیں نے جواب دیا: صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ زبان سے

[1] أشعة اللمعات (ص: ۱۹۵) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۸۷) ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور، (جلد ۴۳، شمارہ ۱۳، بابت ۱۲/ رمضان ۱۴۱۱ھ)

[2] عمدة الرعاية (ص: ۲۹۱) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۸۹) و بحوالہ ہفت روزہ ”الاعتصام“ أیضاً.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نیت کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے۔“[1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ:

فقہ حنفی ہی کی کتاب ”السعاية في كشف ما في شرح الوقاية“ (۲/ ۱۰۰) میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق بھی نقل کی ہے، جس کی بنیاد دراصل علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ”زاد المعاد“ ہی ہے، جس کا اقتباس ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا اسے دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ اس سے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کا مروّجہ نیت کے بارے میں نظریہ سامنے آجاتا ہے۔

”السعاية“ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے امام ابو داود سے بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ سے پہلے (نیت کے الفاظ وغیرہ) کچھ کہتے تھے؟ تو انھوں نے جواباً فرمایا: نہیں! پھر آگے علامہ ابن قیم کی ”إغاثة اللهفان“ سے بھی ان کی تحقیق مولانا لکھنوی نے نقل کی ہے۔[2]

مجددِ الف ثانی رحمہ اللہ:

حضرت مجددِ الف ثانی رحمہ اللہ نے ”مکتوبات“ کے دفتر (یا جلد) اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۸۶ (طبع امرتسر) میں بعض علما کی طرف سے زبانی نیت کے استحسان کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کا ردّ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”حالانکہ از آں سرورِ عالم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نہ شدہ، نہ بروایتِ صحیح نہ بروایتِ ضعیف و نہ از اصحابِ کرام و تابعینِ عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند۔ بلکہ چوں اقامت مے گفتند تکبیرِ تحریمہ می فرمودند۔ پس

[1] آکام النفائس فتاویٰ مولانا عبدالحی، جلد دوم، مفید الأحناف (ص ۳) مولانا عبدالغفور رمضان پوری، بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۸۹، ۹۰)

[2] السعاية (۲/ ۱۰۰۔ ۱۰۱) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نیت بزبان بدعت باشد۔"[1]

"حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ (زبان سے نیت کرنا) کسی صحیح یا ضعیف روایت میں ثابت نہیں ہے، ایسے ہی یہ بھی ثابت نہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعینِ عظام رحمہم اللہ زبان سے نیت کرتے ہوں، بلکہ وہ جب اقامت کہتے تو ساتھ ہی تکبیرِ تحریمہ کہہ دیتے تھے، لہٰذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔"

علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ:

صاحب القاموس علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے بھی نیت کو دل ہی کا فعل قرار دیا ہے۔[2]

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ:

فیض الباری میں علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے بھی اس بات کو واشگاف الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ نیت زبان کا نہیں بلکہ دل کا فعل ہے۔ چنانچہ وہ "فیض الباري" (۱/ ۸) میں لکھتے ہیں:

"فَالنِّيَّةُ اَمْرٌ قَلْبِيٌّ" "پس نیت دل کا فعل ہے۔"

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ:

ماضی قریب کے معروف عالم مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور کے دوسرے حصے میں نماز کی شرطیں بیان کرتے ہوئے مسئلہ نمبر ⑪ یہ لکھا ہے کہ زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، بلکہ دل میں اتنا سوچ لے کہ میں آج ظہر کی فرض نماز پڑھتی (یا پڑھتا) ہوں۔ اگر سنتیں ہوں تو ظہر کی سنت کا خیال کر کے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ یہ جو لمبی چوڑی نیت لوگوں میں مشہور ہے، اس کا

---

① بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۸۶، ۸۷، ۸۹) ہفت روزہ "الاعتصام" ایضاً۔

② سفرِ سعادت ترجمہ اردو (ص: ۲۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہنا ضروری نہیں ہے۔

پھر آگے مسئلہ نمبر ⑫ میں نیت کا مختصر لیکن بلاسند انداز بتایا ہے اور اسے بھی اختیار پر چھوڑ دیا ہے کہ یہ سب کہنا بھی ضروری نہیں ہے، چاہے کہے، چاہے نہ کہے، جبکہ اس اختیار کی کوئی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

بہشتی زیور کے حاشیے میں مروّجہ نیت کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے:

''لوگ نماز میں لمبی چوڑی نیت کرتے ہیں، یہاں تک کہ امام قراءت پڑھنے لگتا ہے اور ان کی نیت ختم نہیں ہوتی، ایسا کرنا برا ہے۔''[1]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ:

تمام مکاتبِ فکر کے مشترکہ ومعروف بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''غنیة الطالبین'' میں مروّجہ نیت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، جس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی صرف دل کے ارادے ہی کو نیت سمجھتے تھے۔ اس کے لیے ان کی کتاب ''غنیة الطالبین'' کا اردو ترجمہ حصہ اول طبع نفیس اکیڈمی کراچی کا صفحہ (۲۱) دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ بعض متاخرین فقہا نے جب دیکھا کہ زبان سے نیت کرنے کی تائید میں نہ قرآن وسنت سے کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل ہے، بلکہ ائمہ دین میں سے کسی کا فتویٰ بھی ان کے پاس نہیں تھا تو انھوں نے اسے ''بدعتِ حسنہ'' کہہ کر اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ جبکہ محققین علمائے کرام کے نزدیک بدعت کی یہ تقسیم ہی صحیح نہیں کہ کسی کو حسنہ اور کسی سیئہ

[1] بہشتی زیور (۲/۱۳، ۱۴)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہا جائے، کیوں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَخَیْرَ الْهُدٰی هُدٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»[1]

”حمد و ثنا کے بعد: واضح ہو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب اور بہترین ہدایت و طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ بدترین اُمور بدعات و محدثات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

یہی روایت سنن نسائی میں بھی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں:

«وَکُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»[2] ”اور ہر گمراہی کا انجام نارِ جہنم ہے۔“

ایسے ہی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، جس کی بلاغت اور اثر انگیزی کا یہ عالم تھا:

«ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ»

”جس سے لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور ان کے دل دہل گئے۔“

ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایسے لگتا ہے جیسے یہ کسی کا الوداعی خطبہ یا وعظ ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا، فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا، فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ، تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ»

”میں تمھیں خشیتِ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی کہ (اپنے

---

[1] صحیح مسلم (۳/ ۶/ ۱۵۳) صحیح سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (۴۳)

[2] صحیح سنن النسائي (۱/ ۳۴۶) رقم الحدیث (۱۴۸۷)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امیر کی) سمع و طاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ لازم ہے، اس پر خوب مضبوطی سے جمے رہو۔‘‘

اس بلیغ و مؤثر ترین خطبے کے آخر میں یہ بھی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ﴾[1]

’’محدثات و بدعات سے بچ کر رہو، کیوں کہ ہر محدث امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

یہ حدیث اور خصوصاً اس کے آخری الفاظ، ایسے ہی اس سے پہلے ذکر کی گئی حدیث کے آخری الفاظ ہیں: ﴿ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ﴾ ’’ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘ لہٰذا کسی بدعت کو بدعتِ حسنہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا، بلکہ یہ اِن احادیث کے سراسر خلاف ہے۔ بعض سلف صالحین کے کلام میں جو بدعات کا استحسان وارد ہوا ہے، وہ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ کے بقول لغوی بدعات (یا دُنیوی بدعات) کے بارے میں ہے نہ کہ شرعی (یا دینی) بدعات کے بارے میں۔ جیسا کہ انھوں نے ’’جامع العلوم و الحکم‘‘ میں وضاحت کی ہے۔[2]

حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

’’گفتہ اند کہ بدعت ہر دو نوع است، حسنہ و سیئہ، حسنہ آں عمل نیک را

---

[1] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٣٨٥١) صحيح ترمذي (٢/ ٣٤١، ٣٤٢) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٤٢)

[2] جامع العلوم والحكم (ص: ٢٥٢، ٢٥٣)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

گویند کہ بعد از زمانِ آنحضور و خلفاء راشدین ۔عَلَیۡهِ وَعَلَیۡهِمۡ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکۡمَلُهَا۔ پیدا شدہ باشد و رفعِ سنت نمید، وسیئہ آں کہ رافع سنت باشد۔''

''کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اُس نیک کام کو کہتے ہیں جو نبیِ اکرم ﷺ کے عہدِ مسعود اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ میمون کے بعد ہوا ہو، لیکن اس کی وجہ سے کسی سنت پر زد نہ آتی ہو اور سیئہ وہ ہے جس کی وجہ سے کوئی سنت ترک ہوتی ہو۔''

اس سے آگے حضرت مجدد رحمہ اللہ اپنا تحقیقی فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایں فقیر را ہیچ بدعتے از بدعت ہا حسنہ ونورانیہ مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس مے نماید۔''[1]

''اس فقیر کو تو بدعاتِ حسنہ ونورانیہ کہلائی جانے والی بدعات میں سے کوئی ایک بھی بدعت ایسی نظر نہیں آئی جسے حسنہ کہا جا سکتا ہو۔''

اس سے آگے چل کر موصوف رحمہ اللہ نے رافعِ سنت بدعات کی مثالیں بھی دی ہیں، جنھیں بعض مشائخ نے بدعاتِ حسنہ قرار دیا ہے، جبکہ دراصل وہ ایسی نہیں ہیں اور انھی میں سے ایک یہ زبان سے نیت کرنا بھی ہے، جس کے بارے میں انھوں نے کھلے کھلے الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی کسی صحیح یا ضعیف حدیث اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی ان کا ثبوت نہیں ملتا، جیسا کہ ان کے اپنے اصل فارسی الفاظ ہیں اور اُن کا ترجمہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

غرض بدعت کے ساتھ حسنہ کا لفظ نصِ حدیث کے بھی خلاف ہے اور اہلِ علم و تحقیق بھی بدعت کے ساتھ حسنہ کا لفظ لگانے کو ایک حسین دھوکا یا جھانسا قرار دیتے ہیں۔

[1] مکتوباتِ مجدد الف ثانی دفتر اول (۳/۲۷۲،۷۳) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/۸۶)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں:

نبیِ اکرم ﷺ کا اپنا اسوۂ حسنہ بھی یہی بتاتا ہے اور آپ ﷺ کے ارشادات بھی اسی کا پتا دیتے ہیں کہ زبان سے نیت کی گردان پڑھنے کا کوئی جواز نہیں، کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ٹھیک طرح نماز نہ پڑھنے والے صحابی کے واقعہ پر مشتمل حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو اچھی طرح وضو کر لو اور پھر قبلہ رو ہو کر تکبیرِ تحریمہ کہو۔''[1]

اس حدیث شریف کے معنیٰ و مفہوم پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو سب سے پہلے تکبیرِ تحریمہ ہی زبان سے نکالنی چاہیے اور دل کا فعل دل ہی بجا لائے گا۔ ایسے ہی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم ﷺ اپنی نماز کا آغاز تکبیرِ تحریمہ سے کیا کرتے تھے۔''[2]

ایک تیسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ﴾[3]

''نماز کی چابی طہارت و وضو ہے۔ تکبیر کہنے سے نماز کا آغاز اور سلام پھیرنے سے نماز کا اختتام ہو جاتا ہے۔''

اس حدیث میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ طہارت کے بعد نمازی کی نماز کا آغاز

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥١) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٠٧) صحيح أبي داوٗد، رقم الحديث (٧٦٢) صحيح الترمذي، رقم الحديث (٢٤٨) صحيح نسائي، رقم الحديث (٨٥١) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٨٦٩)

[2] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢١٣) صحيح أبي داود (١/ ١٤٨)

[3] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٥٥) صحيح الترمذی، رقم الحديث (٣) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٢٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تکبیرِ تحریمہ ہے نہ کہ کوئی دوسرے الفاظ۔ مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، میں اپنا ایک فتویٰ شائع کروایا تھا، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''عقلاً بھی یہ (زبان سے نیت کرنا) بے معنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ ایک شخص گھر سے نماز کے ارادے سے چلا ہے، مسجد میں آ کر اس نے وضو کیا، اب قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے لگا ہے۔ اب اس کا تلفظ سے نیت کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے کوئی کہے: میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کھانا کھاؤں، تا کہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی رہے، یا کپڑا پہنتے ہوئے یوں کہے: میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کپڑا پہنوں، تا کہ میں اس سے بدن ڈھانکوں یا اس سے سردی سے بچاؤ حاصل کروں یا دھوپ کی تمازت سے بچ جاؤں۔ کیا کوئی عقل مند اس قسم کی نیتوں کو جو دل میں موجود ہیں، ان کے تلفظ کو صحیح اور قرینِ دانش سمجھے گا؟ ہرگز نہیں!''[1]

سیدھا سادا اور آسان دین:

دینِ اسلام کی تعلیمات انتہائی سیدھی، سادی، آسان اور فطرتی ہیں۔ جیسا کہ خود قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ٧٨]

''اور اس (اللہ) نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ»[2] ''بے شک دین آسان ہے۔''

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (جلد ۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٩)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یہ تو قرآن وسنت کی تصریحات ہیں، لیکن تکلّفات کے عمل دخل نے دین کو خاصا مشکل بنا کر رکھ دیا ہے اور خاص طور پر معاشرے کے اکثریتی طبقے یعنی اَن پڑھ حضرات کے لیے تو کئی مسائل پیدا کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر نیت کا مسئلہ ہی لے لیں کہ شریعت میں اسے کھلا چھوڑا گیا ہے کہ کوئی عربی ہو یا عجمی، اپنے دل میں نیت کرے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دے۔ اسے عربی و فارسی، اردو اور پنجابی یا دنیا کی کسی بھی زبان میں کچھ مخصوص الفاظ پر مشتمل نیت کی مہارنی یا گردان پڑھنے کا پابند نہیں کیا گیا۔

اب جن حضرات نے اس گردان کو لازمی قرار دیا ہے، انھوں نے اس کے الفاظ بھی وضع کیے ہیں، جو یقیناً ہر نماز کے ساتھ یعنی پہلے نمازِ پنج گانہ میں سے ہر نماز کے ساتھ اور پھر ہر نماز کی فرض، سنت، وتر اور نفلی رکعتوں کے ساتھ اور پھر مقتدی یا امام کی حیثیتوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ نماز بھی کوئی صرف پنج گانہ ہی نہیں، بلکہ کتنی ہی دوسری نفلی نمازیں بھی ہیں، جن کے لیے الگ الگ الفاظ ہوں گے۔ اس طرح یہ ایک طویل سلسلہ بن جاتا ہے اور کئی مرتبہ نمازِ جنازہ، صلاۃ الکسوف یا کسی دوسری فرض کفایہ، نفلی یا مسنون نماز کا ذکر ہو تو بعض لوگ پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ اس کی نیت کیسے کرنی ہے؟ اس معصوم سے سوال کی نوعیت ہی بتا رہی ہے کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہوں گے جنھیں کسی نفلی نماز کے بارے میں تو علم ہوگا یا کچھ نہ کچھ معلومات ہوں گی، مگر نیت کا مروّجہ طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس نماز کی فضیلت کے حصول سے محروم رہ جاتے ہوں گے یا اس سے سستی برتتے ہوں گے۔

یہ تو نفلی عبادات ہیں، کوئی کر پائے تو فبہا اور نہ کر پائے تو کوئی مؤاخذہ وگناہ نہیں، ہم نے تو یہاں تک سنا ہے کہ بعض عمر رسیدہ، بوڑھے حضرات سے پوچھا گیا کہ بابا جی آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو ان کا جواب اہلِ علم کے لیے فکر انگیز بلکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبرت ناک تھا کہ جی! نماز تو ہمیں آتی ہے، مگر نیت نہیں آتی، اس لیے کیا کریں؟

اندازہ فرمائیں کہ تعوّذ وتسمیہ اور ثنا والحمد سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز تو انھیں یاد ہوگئی، کیوں کہ یہ ہر مسلمان کے لیے ایک فطری بات ہے۔ ویسے بھی کلامِ الٰہی قرآنِ مجید یا احادیثِ رسول ﷺ کا یاد ہو جانا آسان ہے، مگر جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت نہیں اور ہر دو، تین اور چار رکعتوں اور ہر نماز کے ساتھ بدلتی رہنے والی چیز ہے، اس کے الفاظ کو یاد کرنے سے عاجز ہیں۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ رسولِ رحمت ﷺ نے اپنے پیروکاروں اور اپنے ماننے والے افرادِ امت کی آسانی کے پیشِ نظر اس نیت کے الفاظ کی تعلیم ہی نہیں دی۔

قارئینِ کرام! مروّجہ نیت کے بارے میں ہم نے یہ طویل تفصیلات اس لیے ذکر کر دی ہیں، تاکہ آپ سب کو زبان سے نیت کی شرعی حیثیت معلوم ہو جائے اور وہ لوگ جو نماز کی کسی رکعت کے آخری لمحات میں پہنچتے ہیں اور جماعت سے ملتے ہیں اور وقت کی قلت کے باوجود یہ مروجہ نیت دہرانا شروع کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اس بے ثبوت فعل پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں نماز کی ایک رکعت کا اہم رکن ''قیام'' ان سے فوت ہو جاتا ہے، سورۃ الفاتحہ چھوٹ جاتی ہے اور ان کے اللہ اکبر کہنے سے پہلے ہی امام رکوع میں چلا جاتا ہے۔ انھوں نے ثنا و فاتحہ پڑھی نہیں، قراءت سنی نہیں، قیام کیا نہیں اور یوں ایک رکعت فوت کر لی۔ اس طرح ثواب وفضیلت میں جو کمی واقع ہو جاتی ہے، وہ یقیناً ایک بہت ہی بڑا خسارہ ہے، لہٰذا اس خود ساختہ عمل سے بچیے، تاکہ خسارے کی نوبت ہی نہ آئے۔

دوسرا پہلو:

یہاں یہ بات آپ کو ذہن نشین کراتے جائیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے، بلکہ یہ کہہ کر سادہ دل لوگوں کو اس کا پابند کر لیا جاتا ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان کا اقرار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ضروری ہے، یہ بات علی الاطلاق یوں صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جہاں جہاں دل کی نیت کے ساتھ ساتھ زبان کا اقرار وارد ہوا ہے، وہاں وہاں اقرار کیجیے، لیکن جہاں وارد نہیں ہوا، وہاں کے لیے کوئی اقرار خود ہی کیوں ایجاد کرتے ہیں، مثلاً روزہ افطار کرنے کی دعا «اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ» وارد ہے اور «ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ» ثابت ہے۔لہٰذا اُس وقت یہ اقرار کیجیے، لیکن روزہ رکھنے اور سحری کھانے کے وقت ایسا کوئی اقرار وارد نہیں، لہٰذا ’’وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ‘‘ جیسا اقرار ایجاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کی تفصیل ہم ’’احکام و مسائلِ رمضان و روزہ‘‘ میں بیان کر چکے ہیں کہ روزہ رکھتے وقت صرف سحری کھا لینا ہی روزے کی نیت کے لیے کافی ہے، زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ’’نماز و روزہ کی نیت‘‘ کے نام سے یہ رسالہ مستقل شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ وللہ الحمد۔

افطاری ہی کی طرح بعض دیگر احکام میں بھی زبان سے ایسے اقرار وارد ہوئے ہیں اور وہاں جائز بھی ہیں۔ مثلاً حجِ بدل کے لیے احرام باندھتے وقت ’’لَبَّيْكَ عَنْ فُلَانٍ‘‘ یعنی اس شخص کا نام لے سکتے ہیں، جس کی طرف سے حج کریں، کیوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ’’لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ‘‘ کہتے سنا تو اس سے منع نہیں فرمایا اور نہ نکیر ہی کی، بلکہ پوچھا کہ ’’تم خود حج کر چکے ہو یا نہیں؟‘‘ نفی میں جواب ملنے پر فرمایا: پہلے خود اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے کر لینا۔[1]

[1] صحيح أبي داود، رقم الحديث (١٥٩٦) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٢٩٤٧) تلخيص الحبير (١/ ٢/ ٢٢٣) الموارد، رقم الحديث (٩٦٢) ابن خزيمة (٤/ ٣٤٥) ’’سوئے حرم‘‘ از مؤلف (ص: ٥٢، تخریج نمبر ٣٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یہی صورت صرف عمرہ کرنے والوں کے لیے بوقتِ احرام "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِالْعُمْرَةِ" کہنے اور بوقتِ حجِ مفرد "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِالْحَجِّ" کہنے اور حجِ قِران کے وقت "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ" کہنے کی بھی ہے۔ اور حج کی طرح قربانی کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ" کے بعد "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ" کہہ سکتا ہے۔ یا "عَنْ فُلَان" کہے، یا پھر جس کی طرف سے قربانی کر رہا ہو "عَنْ" کہہ کر اُس کا نام لے۔ جیسا کہ صحیح مسلم، ابو داود، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، بیہقی، دارمی اور مسند احمد میں حضرت جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے پتا چلتا ہے۔[1]

اس افطاری، روزہ، عمرہ، حج اور قربانی کے سوا کسی دوسرے عمل کی نیت کے الفاظ نہیں ملتے، لہٰذا حدود و دائرۂ شریعت کے اندر ہی رہنا چاہیے اور جہاں کچھ ثابت نہیں، وہاں اپنی طرف سے کچھ داخل کرنے پر مُصرّ نہیں رہنا چاہیے اور جہاں کچھ ثابت ہے، اس سے کوئی روکتا نہیں۔[2]

---

[1] ''سوئے حرم'' (ص: ۳۸۸ و ۴۰۰) تخریج نمبر (۴۱۸ و ۴۳۸)

[2] فتاویٰ اہل حدیث حضرت العلامہ حافظ عبد اللہ محدّث روپڑی (۲/ ۵۵۳) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۹۴، ۹۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کی مسنون کیفیت
اور
اس کی ترکیب وترتیب

تکبیرِ تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کو مسنون انداز سے ادا کرنے کے تفصیلی مسائل سے قبل آیئے نماز کی ترکیب وترتیب اور مسنون طریقہ کے بارے میں ایک دو ایسی احادیث کا مطالعہ کریں جن پر کافی حد تک طریقۂ نماز کا دارومدار ہے۔

نماز کو اچھے طریقے سے نہیں بلکہ جلدی جلدی ادا کرنے والے اعرابی کو نماز کا صحیح طریقہ سکھلاتے ہوئے نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

”جب تم نماز پڑھنے لگو تو خوب اچھی طرح وضو کر لو، پھر قبلہ رو ہو کر تکبیرِ تحریمہ کہو، پھر قرآنِ کریم سے جو میسر ہو وہ پڑھو، پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ تم اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ تم اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تم اطمینان سے سجدہ کر لو، پھر سجدے سے سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پھر دوسرا سجدہ کرو، یہاں تک کہ تم اطمینان سے سجدہ کر لو، پھر دوسرے سجدے سے سر اٹھاؤ، حتیٰ کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پھر پوری نماز یوں ہی پڑھو۔“

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥١) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٠٦، ١٠٧) صحيح أبي داود، رقم الحديث (٧٦٢) صحيح ترمذي، رقم الحديث (٢٤٨) صحيح نسائي، رقم الحديث (٨٥١) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٨٦٩)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں دوسرے سجدے کے بعد اطمینان سے بیٹھ جانے کا ذکر ہے۔ یہ بیٹھنا ''جلسۂ استراحت'' کہلاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا جائے گا۔ البتہ اس حدیث کی ایک روایت میں ہے:

((ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا)) [1]

''پھر سیدھے اٹھ جاؤ، حتیٰ کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس معروف حدیث میں تو مطلق قرآن پڑھنے کا ذکر آیا ہے، جبکہ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قرآن کی تعیین بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ اُس حدیث کے الفاظ سنن ابی داود میں یوں ہیں:

((ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ)) [2]

''پھر تم سورۃ الفاتحہ پڑھو اور پھر جو اللہ کو منظور ہو، اس کی قراءت کرو۔''

جبکہ صحیح ابن حبان اور مسند احمد کے الفاظ ہیں:

''پھر تم سورۃ الفاتحہ پڑھو اور پھر جہاں سے چاہو قرآن پڑھو۔'' [3]

یہ تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یا قولی حدیث ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو پہلی رکعت پڑھنے کی ترکیب و طریقہ بتا کر فرمایا کہ باقی پوری نماز بھی تم ایسے ہی پڑھو۔ وہ صحابی نماز کے تفصیلی مسائل سے واقف تھے، لہٰذا ان کے حسبِ حال مختصر انداز اختیار فرمایا اور چونکہ انھوں نے جلدی جلدی نماز پڑھی تھی، لہٰذا اُنھیں تمام ارکانِ نماز کو بالخصوص سکون کے ساتھ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اسی حدیث کی رو سے جمہور اہلِ علم نے تمام ارکانِ نماز کی ادائیگی میں اطمینان و سکون کو واجب قرار دیا ہے،

[1] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٧٦٣)

[2] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٧٦٥)

[3] الإحسان (٥/ ٨٨، ٨٩) الفتح الرباني (٣/ ١٥٦) فتح الباري (٢/ ٢٧٨)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حتیٰ کہ احناف میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اطمینان واجب ہے۔[1]

غرض یہ حدیث ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں۔ قیام و قومہ، رکوع و سجود اور جلسہ و قعدہ سے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح سے نماز پڑھنے والے صحابی کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ''تم نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں۔'' تو گویا بے اطمینان و بے سرور نماز مقبول ہی نہیں ہوتی۔

مسنون طریقہ و ترکیبِ نماز کے سلسلے میں ایک حدیث حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے دو معروف صیغے ہیں، جن میں سے ایک میں حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی فرماتے ہیں:

''میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بیٹھا تھا کہ ہم نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مسنون طریقے کی بات چھیڑی تو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر خوب مضبوطی سے رکھ لیتے تھے اور کمر کو (کھینچ کر) جھکا لیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کے تمام جوڑ اپنی اپنی جگہ پر واپس آ جاتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس طرح زمین پر رکھتے کہ کلائیاں زمین پر نہ لگی ہوتیں

[1] فتح الباري (٢/ ٢٧٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مٹھیاں بند نہ ہوتیں اور (بوقتِ سجدہ) آپ ﷺ اپنے پیروں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رُو رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد قعدۂ اولیٰ کے لیے بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔ جب آخری رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کرتے تو بایاں پاؤں (دائیں پنڈلی کے نیچے سے) آگے نکال دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور سُرین پر بیٹھتے تھے۔'' [1]

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث قدرے مختصر ہے۔ جبکہ انھی سے ایک حدیث اس سے قدرے مفصل صیغے سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نبیِ اکرم ﷺ کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بیٹھے ہوئے تھے، جن میں سے ایک حضرت ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان سب کے مابین بیٹھے ہوئے حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تم سب سے زیادہ نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کو جاننے والا ہوں۔''

دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ تم نہ تو ہم سے پہلے نبیِ اکرم ﷺ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے اور نہ ہم سے زیادہ حاضر ہوا کرتے تھے (پھر یہ زیادہ جاننا کیسے ہوا؟) انھوں نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اس پر ان سب نے مطالبہ کیا کہ (اگر ایسا ہے تو پھر) تم نمازِ نبوی ﷺ کا طریقہ پیش کرو۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

''نبیِ اکرم ﷺ جب نماز پڑھنے لگتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے۔ پھر جب آپ ﷺ رکوع کرنے لگتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے (رفع یدین کرتے تھے)، پھر آپ ﷺ ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہہ کر رکوع کرتے اور

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٠٥) سنن أبي داود (٢/ ٤٢٧) إرواء الغليل (٢/ ١٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اعتدال فرماتے۔ آپ ﷺ (بحالتِ رکوع) نہ سر کو (پشت سے) نیچے رکھتے اور نہ ہی اونچا۔ آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے اور پھر آپ ﷺ ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہتے اور رفع یدین کرتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی اصلی جگہ پر لوٹ آتی۔ پھر ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہتے ہوئے سجدہ کرنے کے لیے زمین کی طرف جاتے۔ آپ ﷺ اپنے دونوں بازوؤں کو بغلوں سے ہٹا کر رکھتے اور پاؤں کی انگلیاں کھلی رکھتے تھے۔ پھر آپ ﷺ اپنا بایاں پاؤں دہرا کر کے اس پر بیٹھ جاتے اور اس طرح بیٹھتے کہ ہر ہڈی اپنی اصلی جگہ پر لوٹ جاتی، پھر دوسرا سجدہ کرتے اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہتے، پھر بایاں پاؤں الٹا کر کے اس پر خوب اچھی طرح بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی اصلی جگہ پر لوٹ جاتی، پھر آپ ﷺ اٹھتے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح ہی پڑھتے، پھر جب دو رکعتوں کے بعد (تیسری کے لیے) کھڑے ہوتے تو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہتے ہوئے دونوں کندھوں تک رفع یدین کرتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر آپ ﷺ ایسے ہی نماز پڑھتے جاتے اور جب نماز کی آخری رکعت مکمل کر کے بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں (دائیں پنڈلی کے نیچے سے) آگے گزار کر ایک سرین پر بیٹھتے (جو تورّک کہلاتا ہے) اور پھر سلام پھیرتے۔''

یہ تفصیلی کیفیّت سننے کے بعد اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیک زبان فرمایا:

((صَدَقْتَ، هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ))

''آپ نے صحیح فرمایا، کیوں کہ نبیِ اکرم (ﷺ) واقعی اسی طرح ہی نماز

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ادا فرمایا کرتے تھے۔‘‘[1]

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو کبار محدّثینِ کرام نے صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ امام طحاوی نے اس کی سند پر کلام کیا ہے، جب کہ اس کا جواب علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ’’تهذيب السنن‘‘ میں بڑی تفصیل سے دیا ہے، جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی اس کلام میں وارد بعض اُمور کی تردید حافظ ابن حجر عسقلانی نے ’’فتح الباري‘‘ میں، امام شوکانی نے ’’نيل الأوطار‘‘ میں اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی نے ’’المرعاة شرح المشكاة‘‘ میں بھی کی ہے۔[2]

اِن احادیث میں نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون انداز پوری طرح جلوہ گر اور نمایاں ہے۔ بعض دوسری احادیث میں اس مسنون انداز کی مزید تفصیلات اور جزئیات بھی مذکور ہیں۔ نماز کی تمام جزئیات میں سے بعض امور رکن و فرض ہیں اور بعض سنت۔

اجمال کی تفصیل:

اب آیئے مسنون نماز کے اس اجمالی تذکرے کی تفصیل کا آغاز کریں اور تکبیرِ تحریمہ، رفع یدین، ہاتھ باندھنے، ثنا یا دعائے استفتاح پڑھنے، تعوّذ و تسمیہ، فاتحہ و سورۃ، تکبیراتِ انتقال، رکوع و قومہ، سجود و جلسہ، تشہّد و درود، دعا کرنے اور سلام پھیرنے کا الگ الگ مسنون طریقہ، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اور فقہا و محدّثین رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں معلوم کریں۔

[1] سنن أبي داود (٢/ ٤١٦۔ ٢/ ٢١١، ٢١٢) صحيح الترمذي (١/ ٩٦) صحيح ابن ماجه (١/ ١٧٤)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: تهذيب السنن مع العون (٢/ ٤١٦، ٤٢٦) فتح الباري (٢/ ٣٠٧) نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٨٥، ١٨٦) المرعاة (٢/ ٣٠٨۔ ٣١٠) التحقيق الراسخ محدّث گوندلوی (ص: ٧٠)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

تکبیرِ تحریمہ ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ“

جب آپ کسی نماز کے لیے قبلہ رو کھڑے ہو جائیں تو رفع یدین کرتے ہوئے یعنی دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھاتے ہوئے تکبیرِ تحریمہ یعنی ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ“ کہیں، کیوں کہ نماز کے آغاز میں رفع یدین اور تکبیرِ تحریمہ نبیِ اکرم ﷺ کی قولی و فعلی احادیث سے ثابت ہے۔

تکبیرِ تحریمہ تو جمہور اہلِ علم کے نزدیک نماز کا رکن ہے اور احناف کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر یہ قبولیتِ نماز کی شرط ہے۔[1] اور شرط نہیں تو کم از کم اس کے رکن ہونے کا پتا متعدد احادیث سے چلتا ہے، جن میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»[2]

”نماز کی چابی طہارت و وضو ہے اور اس کا آغاز اللہ اکبر سے اور انتہا سلام پھیرنے سے ہے۔“

ایسے ہی اچھی طرح نماز نہ پڑھنے والے اعرابی والی معروف حدیث میں بھی یہ بات مذکور ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اسے نماز کا صحیح طریقہ بتلاتے ہوئے فرمایا تھا:

”جب تم نماز پڑھنے لگو تو خوب اچھی طرح طہارت و وضو کرو، پھر قبلہ رو

[1] فتح الباري (٢/ ٢١٧)

[2] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٥٥٦) صحيح الترمذي، رقم الحديث (٣) صحيح ابن ماجه، رقم الحديث (٢٢٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہو کر تکبیر کہو۔‘‘

یہاں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کر لیں کہ ان احادیث میں جو لفظ تکبیر یا اس کا کوئی دوسرا مشتق لفظ آیا ہے، اس سے مراد خاص ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہنا ہے نہ کہ کوئی بھی تعظیمی لفظ۔ جمہور اہلِ علم کا یہی مسلک ہے اور احناف میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک بھی جمہور والا ہی ہے۔ ان سب کا استدلال ایک تو سابق الذکر احادیث سے ہے، جبکہ تکبیر سے ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہنے کی تعیین بعض احادیث کی مختلف روایات میں بڑی صراحت سے وارد ہوئی ہے۔ مثلاً جزء القراءۃ امام بخاری، سنن ابی داود، ترمذی اور نسائی میں اچھے طریقے سے نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کا واقعہ حضرت رفاعہ بن رافع بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’لوگوں میں سے کسی کی نماز اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ صحیح وضو نہ کرے اور پھر تکبیر نہ کہے۔‘‘ [1]

معجم طبرانی میں ﴿ ثُمَّ يُكَبِّرُ ﴾ کے بجائے ﴿ ثُمَّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کے الفاظ ہیں کہ پھر ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہے۔ [2]

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

’’نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھنے لگتے تو قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور رفع یدین کرتے ہوئے ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہتے تھے۔‘‘ [3]

مسند بزار میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] الإحسان (٥/ ٨٨۔ ٨٩) و بحواله الإرواء (١/ ٣٢١۔ ٣٢٢) فتح الباري (٢/ ٢١٧)

[2] بحواله : فتح الباري (٢/ ٢١٧) صفة الصلاة النبي ﷺ (ص: ٤٢) اس میں شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨٠٣) ابن حبان الموارد (ص: ١٢٣) رقم الحديث (٤٤٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”نبیِ اکرم ﷺ جب نماز پڑھنے لگتے تو سیدھے قبلہ رُو کھڑے ہو جاتے اور رفع یدین کرتے ہوئے «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہتے تھے۔“[1]

اس تفصیل سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ اگر بجائے ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کے ”اَللّٰهُ اَجَلُّ، اَللّٰهُ اَعْظَمُ“ یا ”الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ“ یا ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کہا جائے تو یہ مسئلہ صحیح نہیں، بلکہ صحیح احادیث میں تکبیرِ تحریمہ کی تعیین ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ سے کر دی گئی ہے۔ ویسے بھی تکبیر سے مراد ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ ہی ہوتا ہے، ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ یا دوسرے کلمات نہیں۔

تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین:

تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کو کانوں تک یا کم از کم کندھوں تک اٹھانا چاہیے، جسے رفع الیدین کرنا کہا جاتا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ والا رفع الیدین متفق علیہ ہے اور تمام معروف مذاہب میں سے کسی کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس رفع الیدین کا ذکر بھی بکثرت احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً ایک تو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی معروف حدیث ہے جس میں وہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بیٹھ کر نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت وطریقہ بیان کرتے ہیں۔ ان کی حدیث کے الفاظ میں ہے:

”میں نے دیکھا کہ نبیِ اکرم ﷺ نے جب تکبیر (تحریمہ) کہی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھایا۔“

انہی سے مروی دوسرے صیغے میں وہ بیان کرتے ہیں:

”نبیِ اکرم ﷺ جب نماز پڑھنے لگتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور

[1] التلخیص (۱/ ۱/ ۲۱۷) و نصب الرایة (۱/ ۳۱۳)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دونوں ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ انھیں اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک لے جاتے۔''

ایک حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیرِ تحریمہ سے نماز کا آغاز کیا اور تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر تک اٹھایا۔''[1]

ان سب اور ایسی ہی دیگر احادیث سے تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کا پتا چلتا ہے۔ انھی سب احادیث کے پیشِ نظر یہ رفع یدین ایک متفق علیہ امر ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کے استحباب پر پوری امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن حزم، امام ابن منذر اور علامہ سبکی نے بھی امام نووی کی طرح اس رفع یدین پر اجماع نقل کیا ہے۔[2]

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ افتتاحِ نماز کے وقت رفع الیدین کے جواز پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ بعض فقہائے احناف نے کہا ہے کہ اس رفع یدین کا تارک گناہ گار ہے، جبکہ حافظ ابن حجر نے سب سے بہتر تعبیر امام ابن المنذر کے الفاظ کو قرار دیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

''اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے آغاز میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔''[3]

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٣٨) صحيح مسلم (٤/ ٩٣) صحيح أبي داوٗد، رقم الحديث (٦٦٣) صحيح ترمذي، رقم الحديث (٢١٠) صحيح نسائي، رقم الحديث (٨٤٤)
2. بحواله نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٧٧)
3. فتح الباري (٢/ ٢١٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ امام حاکم سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے، جسے بیان کرنے پر چاروں خلفاء، عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے ہونے کے باوجود متفق ہوں، سوائے تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کے۔ پھر خود امام بیہقی نے اپنے استاد کی تائید کی ہے۔[1]

ہم یہاں یہ بات بھی نوٹ کروا دینا چاہتے ہیں کہ صاحب فقہ السنہ سے تسامح ہوا ہے اور انھوں نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھ دیا ہے کہ اس رفع یدین کی روایت عشرہ مبشرہ سمیت پچاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کی ہے، جبکہ فتح الباری میں اپنے استاذ ابوالفضل الحافظ کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے بارے میں کہی ہے، جس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے (جزء رفع الیدین میں) ذکر کیا ہے کہ اس رفع یدین کو سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، نیز امام حاکم اور ابن مندہ ابوالقاسم نے ذکر کیا ہے کہ اسے روایت کرنے والوں میں سے عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور آگے جملہ پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

اس تسامح پر شیخ البانی نے بھی کوئی مؤاخذہ نہیں کیا، ورنہ تمام المنّۃ میں وہ ایسا کوئی شاذ ہی موقع ہاتھ سے جانے دیتے ہیں۔ ہاں اگر یہ بات حافظ ابن حجر کی کسی تیسری کتاب کے حوالے سے ہو تو ممکن ہے۔

کندھوں یا کانوں تک:

یہ احادیث جو سابق میں ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے بعض میں تو مطلق رفع یدین کا ذکر آیا ہے اور اس بات کی تعیین نہیں آئی کہ ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا

[1] فقه السنة (١/ ١٤٢)

[2] فتح الباري (٢/ ٢٢٠)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جبکہ ان میں سے بعض احادیث میں ہاتھوں کو اٹھانے کی حد یعنی کندھوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ جبکہ بعض دوسری احادیث ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین کے لیے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھانا چاہیے، جیسا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وہ بتاتے ہیں:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، حتیٰ کہ دونوں کانوں کے برابر تک لے جاتے تھے۔''[1]

جبکہ ایک حدیث میں ہے:

''یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو کانوں کی چوٹیوں تک اٹھاتے تھے۔''[2]

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ حدیث میں «فُرُوعَ أُذُنَيهِ» کے الفاظ آئے ہیں اور اس ''فروع'' کا معنیٰ کانوں کی چوٹیاں ہیں، جو کانوں کی اوپر والی بالائی جانب ہے، نہ کہ نیچے والی لوئیں، کیوں کہ کانوں کی لوؤں کے لیے ''شحمة'' کا لفظ آتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو اٹھانے کی حدود تین مقامات ہیں:

① کندھوں تک۔ ② کانوں تک۔ ③ کانوں کی چوٹیوں تک۔

بلاتفریق مَرد و زَن کندھوں یا کانوں تک ہاتھوں کو اٹھایا جائے۔ کوئی مرد کندھوں تک ہاتھ اٹھائے یا کانوں تک اور کوئی عورت کانوں تک ہاتھ اٹھائے یا کندھوں تک، ہر طرح جائز اور درست ہے۔

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٩٤) صحيح نسائي، رقم الحديث (٨٤٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨٥٩) الفتح الرباني (٢/ ٢٢١)

[2] صحيح مسلم (٤/ ٩٥) صحيح نسائي (١/ ١٩٢) رقم الحديث (٨٤٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَردوزن کے رفع یدین میں عدمِ فرق:

احادیثِ شریفہ میں واردان حدود میں یہ کہیں بھی ذکر نہیں آیا کہ ان میں سے کسی مقام کو مردوں کے لیے خاص کر دیا جائے اور کسی کو عورتوں کے ساتھ مخصوص مان لیں، بلکہ مَرد و زن اس معاملے میں بھی برابر ہیں کہ مَرد اُن میں سے جس حد تک چاہیں رفع یدین کریں اور عورتیں بھی جس حد کو چاہیں اختیار کر لیں۔ کسی کے لیے کسی حد کی کوئی تخصیص حدیث شریف میں ہرگز وارد نہیں ہوئی۔

اس سلسلے میں "فتح الباري شرح صحيح البخاري" میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور "عون المعبود شرح أبي داود" میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

"کسی حدیث میں ایسا کوئی اشارہ بھی وارد نہیں ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ رفع یدین کے معاملے میں مَرد وزن کے مابین فرق ہے۔"[1]

اس سلسلے میں کہ مَرد وزن کے مابین فرق کا کوئی ثبوت نہیں ہے، معروف محقّق و مجتہد امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تحقیقی کتاب "نيل الأوطار" میں لکھا ہے:

"یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یہ رفع الیدین ایسی سنت ہے جس میں مَرد وزن دونوں مشترک ہیں اور ایسی کوئی حدیث وارد و ثابت نہیں ہے جو ان کے مابین اس معاملے میں فرق کرنے پر دلالت کرتی ہو، اور نہ ایسی کوئی حدیث ملتی ہے جو مَرد وزن کے مابین ہاتھ اٹھانے کی مقدار پر دلالت کرتی ہو۔"[2]

کانوں کو ہاتھ لگانا:

یہاں ایک بات واضح کرتے چلیں کہ ہمارے بہت سارے احباب تکبیرِ تحریمہ

---

[1] فتح الباري (٤/ ٢٢٢) عون المعبود.

[2] نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٨٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے اپنے کانوں کو نہ صرف یہ کہ ہاتھ لگاتے ہیں، بلکہ کئی لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ کانوں کی لوؤں کو باقاعدہ پکڑ بھی لیتے ہیں، حالانکہ احادیثِ رسول ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ احادیثِ صحیحہ کی رو سے سنت صرف دونوں ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں کے برابر تک اٹھانا ہے نہ کہ کانوں کو انگوٹھے لگانا اور انھیں پکڑنا۔

جو لوگ تکبیرِ تحریمہ کے وقت اپنے کانوں کو انگشت ہائے شہادت اور انگوٹھوں سے پکڑ لیتے ہیں، ان کی ہتھیلیاں ظاہر ہے کہ ان کے اپنے منہ یا گالوں کی طرف ہو جاتی ہیں اور اگر مزید وسعت سے کام لیں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (پاک و ہند میں) اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جنوب کی طرف اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی شمال کو ہوتی ہے، جبکہ یہ اندازِ رفع یدین نہ نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور نہ ائمہ و مجتہدین رحمہم اللہ ہی نے ایسے رفع یدین کا کہا ہے۔ بلکہ رفع یدین کے وقت ہتھیلیوں کے قبلہ رو ہونے کا پتا بعض آثار سے بھی چلتا ہے جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

مالکیوں کے سوا تینوں ائمہ رحمہم اللہ، ہتھیلیوں کو قبلہ رو رکھنے ہی کے قائل ہیں، جبکہ مالکیہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنے کا کہتے ہیں۔ لہٰذا رفع یدین کرتے اور تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ان لوگوں کا انداز جو کانوں کو پکڑ لیتے ہیں، سنتِ رسول ﷺ اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ جمہور ائمہ رحمہم اللہ اور علمائے امت کے بھی خلاف ہے، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ یہ فعل وہم یا وسواس کا نتیجہ ہے۔[1]

رفع یدین کے وقت ہاتھوں اور ہتھیلیوں کی کیفیت:

اب آیئے یہ بھی دیکھ لیں کہ رفع یدین کے وقت ہاتھوں اور ہتھیلیوں کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ بالفاظِ دیگر رفع یدین کرتے وقت ہاتھوں کو کیسے رکھنا چاہیے؟

[1] تحقیق المشکاۃ (۱/ ۲۵۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رفع یدین کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر رکھنا چاہیے کہ انگلیاں کھلی ہوں اور مٹھی کی طرح بند نہ رکھی جائیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''تین کام ایسے ہیں جنھیں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور لوگ انھیں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کھول کر رفع یدین کرتے تھے۔''

یہ مسند احمد میں وارد اس حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں، جبکہ صحیح ابنِ خزیمہ کا سیاق کافی مفصل ہے، لیکن آغاز اسی طرح ہے۔ سنن میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول (پھیلا) کر رفع یدین کرتے تھے۔''[1]

علامہ ابن عبدالبر نے ''مَدُّ الْیَدَیْنِ'' یعنی ہاتھوں کو کھولنے یا پھیلانے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد دونوں ہاتھوں کو کھول کر کانوں اور سر کی طرف لمبا کرنا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ہاتھوں کی انگلیوں کو عام حالت میں رکھتے ہوئے سیدھا کرنا ہے، جو انگلیوں کو دائیں بائیں پھیلانے اکڑانے کے برعکس ہے۔[2]

اس معنیٰ و مفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کی بعض روایات یا سیاق میں انگلیوں کی حالت کے بارے میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

«لَا یُفَرِّجُ بَیْنَهَا وَلَا یَضُمُّهَا»[3]

---

[1] صحيح أبي داود، رقم الحديث (٢٨٥) صحيح الترمذي، رقم الحديث (١٩٩) صحيح نسائي (١/ ١٩٢) رقم الحديث (٨٥٠) ابن خزيمة (١/ ٢٣٤) الفتح الرباني (٣/ ١٦٦)

[2] نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٧٧)

[3] صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث (٤٥٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''نبیِ اکرم ﷺ رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ تو چوڑائی میں کھول کر رکھتے تھے اور نہ باہم جوڑ بھینچ کر ہی (بلکہ عام حالت میں)۔''

ان الفاظ سے رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کی کیفیت تو بالکل واضح ہوگئی کہ انھیں معمول کے مطابق طبعی حالت ہی میں رہنے دینا چاہیے اور انھیں اکڑا کر سیدھا کرنے یا دائیں بائیں پھیلانے کا تکلّف نہیں کرنا چاہیے نہ مٹھیاں بھینچ کر رکھی جائیں، بلکہ ہاتھوں کی انگلیوں کو بلا تکلّف کھلا رکھنا ہی کافی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ رفع یدین کے وقت ہتھیلیوں کو کس طرح رکھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں نبیِ اکرم ﷺ کی کوئی مرفوع و صریح حدیث تو ہماری نظر سے نہیں گزری، البتہ شیخ احمد عبدالرحمٰن البنّا نے ''بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني'' (ترتیب وشرح مسند احمد الشیبانی) میں ابو داود کے حوالے سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانے کا پتا دینے والی دونوں طرح کی احادیث پر بیک وقت عمل کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کی پشتیں تو دونوں کندھوں کے برابر اور انگلیوں کے پَورے کانوں کے برابر ہو جائیں۔''[1]

صحابیِ رسول ﷺ کی اس تفسیر سے پتا چلتا ہے کہ رفع یدین کے وقت دونوں ہتھیلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا چاہیے، تبھی جا کر ہاتھوں کی پشتیں کندھوں کے برابر آ سکتی ہیں۔ نیز ''الفقه على المذاهب الأربعة'' میں لکھا ہے کہ مالکی فقہا کے نزدیک تو ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرنا چاہیے، جبکہ حنفی و شافعی اور حنبلی فقہا (جمہور علمائے امت) کے نزدیک ہتھیلیوں کو قبلے کی طرف کرنا چاہیے اور حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر اسی کیفیت کی دلیل ہے۔

---

[1] بلوغ الأماني (٣/ ١٦٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اب پھر یہاں ذرا اس شخص کے فعل پر نظرِ ثانی کر لیں جو تکبیرِ تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے وقت اپنے کانوں کو انگشت ہائے شہادت اور انگوٹھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ اس کی ہتھیلیاں نہ تو مالکی مسلک کے مطابق آسمان کی طرف رہتی ہیں اور نہ دیگر تینوں مسالک کے فقہا اور جمہور علمائے امت کے مسلک کے مطابق قبلے کی طرف رہ سکتی ہیں، بلکہ اس انداز سے تکبیرِ تحریمہ کہنے اور رفع یدین کرنے سے اس کی ہتھیلیاں صرف اس کے اپنے ہی کانوں یا چہرے کی طرف ہوتی ہیں، یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جنوب کی طرف اور بائیں کی شمال کی طرف ہوتی ہے، جبکہ یہ اندازِ رفع یدین کسی سے بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جو نبیِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا جمہور کا اختیار کردہ ہے۔

رفع یدین کی حکمتیں:

تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کی کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

- علامہ ابنِ عبدالبر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

  «رَفْعُ الْيَدَيْنِ مِنْ زِينَةِ الصَّلَاةِ» ”رفع یدین نماز کی زینت ہے۔“

- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

  «بِكُلِّ رَفْعٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، بِكُلِّ اَصْبَعٍ حَسَنَةٌ»

  ”ایک مرتبہ رفع یدین کرنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ہر انگلی کے عوض ایک نیکی۔“ (دونوں ہاتھوں کی دس انگلیاں ہوتی ہیں)

بظاہر تو یہ ایک صحابی کا اثر ہے، لیکن درحقیقت یہ نبیِ اکرم ﷺ کی مرفوع حدیث ہے، کیوں کہ یہ بات ایسی ہے جس میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

- ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا: ”مَا مَعْنٰى رَفْعِ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْیَدَیْنِ؟" "رفع یدین کا کیا مطلب ہے؟" تو انھوں نے فرمایا:

"تَعْظِیْمُ اللّٰہِ وَإِتِّبَاعُ سُنَّةِ نَبِیِّہٖ" [1]

"اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع و اطاعت!"

[1] نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۱۷۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ باندھنا

جب رفع یدین کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" سے فارغ ہو جائیں تو اب ہاتھوں کو کہاں رکھنا چاہیے؟ انھیں کہیں باندھنا ہے یا نیچے لٹکا دینا ہے، جیسا کہ رکوع کے بعد لٹکائے جاتے ہیں؟

اس سلسلے میں دو معروف قول ہیں: ایک یہ کہ تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین سے فارغ ہو کر ہاتھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے۔ یہ مالکیوں (اباضیوں اور شیعوں) کا مسلک ہے، اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ سے دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، ہاتھ باندھنے کی بھی اور چھوڑنے یا لٹکانے کی بھی۔

ہاتھ لٹکانے کی روایت صرف ابن القاسم نے بیان کی ہے، لیکن امام مالک کے اصحاب کی اکثریت نے اسے ہی اختیار کر لیا ہے۔ البتہ نفلی نماز میں طولِ قیام کی وجہ سے ہاتھ چھوڑنے کو مباح قرار دینے کی روایت بھی امام مالک رحمہ اللہ سے ملتی ہے۔ ابن الحاجب کی نقل کے مطابق راحت کے حصول کی غرض سے ہاتھ باندھیں تو مکروہ ہے اور مؤطا امام مالک کی معروف شرح زرقانی میں لکھا ہے کہ فرض نماز میں ہاتھوں کو لٹکانا امام صاحب کے نزدیک مکروہ تھا۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا قول اور جمہور اہلِ علم کا مسلک:

امام مالک رحمہ اللہ سے دوسرے قول کی روایت بھی ملتی ہے کہ ہاتھوں کو کھلے نہیں

[1] شرح زرقانی (۱/ ۳۲۱) نوٹ: ہاتھ نہ باندھنے پر جو دلائل دیے جاتے ہیں وہ اور ان کا ردّ "نیل الأوطار" (۱/ ۲/ ۱۸۶، ۱۸۷) اور "الفتح الرباني" (۳/ ۱۷۳، ۱۷۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھوڑنا چاہیے، بلکہ ایک دوسرے پر باندھنا چاہیے، جیسا کہ دوسرے تین ائمہ سمیت جمہور اہلِ سنت کا مسلک ہے۔ چنانچہ مالکیہ میں سے اشہب نے امام مالک سے روایت بیان کی ہے کہ نفل اور فرض ہر دو طرح کی نماز میں دونوں ہاتھوں کو باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام مالک کے مدنی اصحاب نے بھی ان سے یہی قول روایت کیا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھ کر ہی کھڑے ہونا چاہیے، جبکہ مطرّف اور ابن الماجشون نے امام مالک سے نہ صرف ہاتھ باندھنے کا قول روایت کیا ہے، بلکہ کہا ہے کہ امام مالک ہاتھ باندھنے کو مستحسن قرار دیتے یا اچھا سمجھتے تھے۔

امام ابن المنذر نے امام مالک سے صرف یہی قول روایت کیا ہے، دوسرا ہاتھ لٹکانے (ارسال) والا قول بیان ہی نہیں کیا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ سے اس بارے میں مخالف حدیث نہیں ملتی۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول و عمل ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مؤطا میں صرف یہی ذکر کیا ہے۔ ”التقصي“ میں علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ نماز میں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر باندھنے والی بات مجمع علیہ امر ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے مروی بیس احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے ہاتھوں کو باندھنے کا پتا چلتا ہے۔[2]

یہ ایک مالکی بلکہ مالکیہ کے بہت بڑے اور معروف علامہ ابن عبدالبر کے الفاظ ہیں، جنھیں ایک دوسرے فاضل زرقانی نے مؤطا امام مالک کی شرح میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسے ”فتح الباري“ میں ذکر کیا ہے۔ امام مالک کے بارے میں اسی روایت یعنی ہاتھ باندھنے کی تائید نہ صرف عام کتبِ حدیث میں وارد

[1] دیکھیں: شرح الزرقاني (١/ ٣٢٠، ٣٢١) فتح الباري (٢/ ٢٢٤)

[2] نیل الأوطار (١/ ٢/ ١٨٦، ١٨٧) الفتح الرباني (٣/ ١٧٣، ١٧٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

احادیثِ رسول ﷺ سے ہوتی ہے، بلکہ خاص امام مالک رحمہ اللہ کی اپنی شہرۂ آفاق کتاب موطأ میں وارد بعض احادیث بھی اسی بات کا پتا دیتی ہیں۔ چنانچہ مؤطا امام مالک "باب وَضعِ الْيَدَيْنِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فِي الصَّلَاةِ" میں اس موضوع کی دو حدیثیں امام صاحب نے روایت کی ہیں، جن میں سے پہلی حدیث میں امام مالک، عبدالکریم بن ابی المخارق بصری سے بیان کرتے ہیں:

"یہ بات کلامِ نبوت میں سے ہے (یعنی تمام شرائع انبیا علیہم السلام میں موجود رہی ہے) کہ جب کسی کو پاسِ حیا نہ رہے تو پھر وہ چاہے کچھ بھی کرے۔ (اس کے لیے سب برابر ہے) اور یہ بات بھی کلامِ نبوت میں سے ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر باندھا جائے، دائیں کو بائیں پر رکھا جائے، اور (غروبِ آفتاب کے بعد) افطاری میں جلدی کی جائے اور سحری کھانے میں تاخیر کی جائے۔ (آدھی رات کو کھانے سے نہ رک جائیں۔)"[1]

امام مالک کی بیان کردہ حدیث کی تائید حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"ہم جماعتِ انبیا علیہم السلام ہیں۔ ہمیں افطاری میں جلدی کرنے اور سحری میں تاخیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم تمام انبیا کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں کو بائیں ہاتھوں پر رکھا کریں، یعنی باندھیں۔"[2]

---

[1] موطا الإمام مالك مع الزرقاني (١/ ٣٢٠، ٣٢١)

[2] ابن حبان، رقم الحديث (٨٨٥) الموارد، أحكام الجنائز (ص: ١١٧) صحيح الجامع (١/ ٢/ ٢٦٧، ٢٦٨) رقم الحديث (٢٢٨٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

"افطاری میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا، یہ تینوں چیزیں اخلاقِ نبوت میں سے ہیں۔"[1]

ایسے ہی امام مالک نے اپنے موطا میں ایک دوسری حدیث بھی روایت کی ہے، اس سے بھی ان کے تشریحی الفاظ کی تائید ہوتی ہے اور مؤطا امام مالک والی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ»[2]

"لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو کی کلائی پر رکھے۔"

راویِ حدیث ابوحازم فرماتے ہیں:

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔"

دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے:

بعض احادیث میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ ہاتھ باندھتے وقت یہ نہیں ہے کہ جو ہاتھ چاہیں اوپر رکھ لیں اور جو چاہیں نیچے، بلکہ ہاتھ باندھنے کی مسنون کیفیت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حالت میں (نماز پڑھتے) دیکھا کہ میرا

1. صحيح الجامع (٢/ ٣/ ٦٥) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٠٨)
2. موطأ مع زرقاني (١/ ٣٢١) صحيح البخاري (٢/ ٢٢٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر رکھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھوں کو کھینچ کر (چھڑا کر) دائیں کو بائیں کے اوپر رکھ دیا۔''[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے نمازی کے پاس سے ہوا جس نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر رکھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھوں کو (نماز ہی میں) چھڑا کر دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھ دیا۔''[2]

ان احادیث سے ان لوگوں کو بھی اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو بے دھیانی اور لاعلمی میں آج تک نماز کے لیے قیام کے وقت جب ہاتھ باندھتے ہیں تو دایاں ہاتھ نیچے اور بایاں اوپر رکھتے ہیں۔ یہ بات مَردوں میں تو شاذ ہی ہوگی، کیوں کہ مسجد میں دوسرے لوگوں کو دیکھ کر بھی اصلاح ہو جاتی ہے، البتہ گھروں میں خواتین کی اصلاح کے مواقع نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ بعض خواتین کے بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر باندھنے کی اطلاع ہمیں ملی ہے۔ غرض مَرد و زن میں سے کوئی بھی ہو، سب کے لیے ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ دایاں ہاتھ اوپر ہو اور بایاں نیچے۔

ہاتھ باندھنے کی حکمتیں:

ہاتھوں کو نیچے نہ لٹکانے بلکہ باندھ کر نماز میں کھڑے ہونے کی اہلِ علم نے بعض حکمتیں بھی بیان کی ہیں۔ جن کی تفصیل ہم نے اپنی مفصل کتاب (نمازِ نبوی ﷺ ''فقه الصلاة'' میں بیان کر دی ہے۔

---

1. صحيح أبي داوٗد (١/ ١٤٤) صحيح نسائي (١/ ١٩٣) رقم الحديث (٨٥٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨١١)
2. سنن أبي داود، دارقطني، مسند أحمد، بحواله النيل (٢/ ٣/ ٢١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ باندھنے کی جگہ:

نماز میں قیام کے دوران میں ہاتھ باندھنے کی جگہ یا مقام کے بارے میں اہلِ علم کے تین اقوال ہیں:

1. پہلا یہ کہ ناف سے اوپر سینے کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔
2. دوسرا یہ کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں۔
3. تیسرا یہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

لہٰذا آیئے ان تینوں اقوال کے قائلین کے دلائل دیکھیں اور ان کا جائزہ لیں، تاکہ ان اقوال میں سے صحیح تر کا تعیّن کیا جا سکے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل:

ناف سے اوپر اور سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین شافعیہ اور بقول امام نووی رحمہ اللہ جمہور اہلِ علم ہیں۔ ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، جبکہ دوسری اور مشہور روایت کے مطابق امام مالک کا مسلک ''اِرسال'' (ہاتھوں کو لٹکتے چھوڑ دینا) ہے۔[1]

سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل یہ ہیں:

1 پہلی دلیل:

ناف سے اوپر لیکن سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ وَضَعَ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ ثُمَّ وَضَعَهُمَا عَلٰی صَدْرِهٖ»[2]

---

1. تحفة الأحوذي (٢/ ٨٣، ٨٤)
2. ابن خزيمة، رقم الحديث (٤٧٩) سنن البيهقي (٢/ ٣٠) طبراني (٢٢/ ٥٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے (پہلے) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھا۔‘‘

صحیح ابنِ خزیمہ میں ہے:

’’میں نے نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر اپنے سینے پر باندھا۔ (اور مسند بزار میں ہے کہ) آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو سینے کے پاس باندھا۔‘‘[1]

امیر صنعانی نے ’’سبل السلام‘‘ میں اور امام شوکانی نے ’’نیل الأوطار‘‘ میں لکھا ہے کہ جن کا مسلک سینے سے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے، وہ اس حدیث سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں تو سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بالصراحت موجود ہے؟ لہٰذا یہ حدیث ناف سے اوپر اور سینے سے نیچے ہاتھ باندھنے کی نہیں بلکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے۔

اکثر شافعی و حنبلی علما و محقّقین کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ اسے آپ زیرِ بحث موضوع میں دوسرا قول بھی کہہ سکتے ہیں۔ پہلے قول والوں کے دلائل وہی ہیں جو دوسرے قول والوں کے ہیں اور علمائے تحقیق کا عمل بھی اسی پر ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں صرف دو ہی معروف مسلک رہ جاتے ہیں، پہلا سینے پر ہاتھ باندھنا اور دوسرا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

2 دوسری دلیل:

سینے پر ہاتھ باندھنے کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت ہلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں جانب سے اور کبھی

[1] ابن خزيمة (١/ ٢٤٣) سنن البيهقي (٢/ ٣٠) فتح الباري (٢/ ٢٢٤) النيل (١/ ٢/ ١٨٩)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بائیں سے پیچھے کی جانب مڑتے تھے اور میں نے دیکھا کہ...... آپ ﷺ انھیں (دونوں ہاتھوں کو) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔“

آگے ایک راویِ حدیث بیان کرتے ہیں:

”یحییٰ نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے گٹے پر رکھا (پھر انھیں سینے پر باندھ لیا)۔“[1]

3 تیسری دلیل:

سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائلین کی تیسری دلیل میں امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نبیِ اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے تھے اور ان کو سینے پر باندھ لیتے تھے، درآں حالیکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے۔“[2]

4 ایک اور دلیل:

یہ تین دلائل تو بڑے واضح اور صریح ہیں، اور معمولی فہم و عقل رکھنے والا فوری طور پر ان سے بات سمجھ سکتا ہے، جبکہ اگر تھوڑے سے غور و خوض سے کام لیا جائے تو سینے پر یا کم از کم ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی دلیل تو صحیح بخاری اور موطأ مالک کی وہ حدیث بھی بن سکتی ہے، جس میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آدمی نماز کے دوران میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں بازو کی کلائی پر باندھے۔“

اب کوئی صاحب دائیں ہاتھ کو بائیں بازو کی کلائی کے کسی حصے پر باندھ کر

---

1 مسند أحمد (٥/ ٢٢٦) بحواله أحكام الجنائز للألباني (ص: ١١٨) الفتح الرباني (٣/ ١٧٢) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٨) المرعاة (٢/ ٢٩٩، ٣٠٠)

2 ملاحظہ ہو: المرعاة (٢/ ٢٩٩) فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور علامہ محمد حيات سندهي (ص: ١٥، ١٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دکھائیں تو بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ اس کیفیت سے ہاتھ باندھنے والا سینے سے نیچے یا کم از کم ناف سے نیچے باندھ ہی نہیں سکتا۔ تو گویا فکر و تامل کرنے پر صحیح بخاری شریف میں بھی "فَوقَ السُّرَّة" اور "عَلَى الصَّدرِ" یا "عِندَ الصَّدرِ" ہاتھ باندھنے کی طرف اشارہ موجود ہے۔[1] فَلْيُتَأَمَّلْ

بعض دیگر دلائل:

5 اسلامیانِ برصغیر کے مابین معروف ترین بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (جو گیارھویں والے پیر کے نام سے مشہور ہیں) انھوں نے اپنی کتاب "غنية الطالبین" کے آغاز ہی میں مسنوناتِ نماز کے ضمن میں لکھا ہے:

"دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف سے اوپر باندھنا سنت ہے۔"[2]

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل:

اب آیئے اس سلسلے میں دوسرا مسلک رکھنے والوں کے دلائل کا بھی مطالعہ کریں۔ یہ دوسرا مسلک احناف کا ہے جو زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے قائل و فاعل ہیں اور ان کا استدلال بعض ضعیف احادیث سے ہے:

پہلی حدیث اور اس کی استنادی حیثیت:

ان کی پہلی اور اہم دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔"[3]

اگر اس حدیث کی سند صحیح یا حسن درجے کی ہوتی اور متن بھی غیر متنازع فیہ

---

1. تحقيق المشكاة للألباني (١/ ٢٤٩) وصفة الصلاة (ص: ٤٤)
2. غنية الطالبين مترجم أُردو (ص: ٢٢۔ ٢٣)
3. ضعيف أبي داود (ص: ٧٤) الفتح الرباني (٣/ ١٧١) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٢٨٦) المنتقى (٢/ ٣/ ٢١) الإرواء (٢/ ٦٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی، کسی بھی حدیث کا کسی ایک بھی کتاب میں صحیح سند و متن سے آجانا کافی ہوتا ہے، جبکہ اس روایت کی سند ایسی نہیں، بلکہ محدّثینِ کرام نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم اور امام بیہقی جیسے مقتدر علمائے رجال نے اس کی سند کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی الکوفی کو ضعیف و متروک، منکر الحدیث، لیس بشيءٍ اور متفق علی ضعفہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ "نيل الأوطار" (۲/ ۳/ ۲۱) "بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني ترتيب و شرح مسند أحمد الشيباني" (۳/ ۱۷۱ ۱)، "ضعيف سنن أبي داود"، "المرعاة" (۲/ ۳۰۱) اور دیگر کتبِ شروح و حدیث میں مذکور ہے۔ شارح مسلم امام نووی نے بھی اس راوی کو بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ ان کی شرح "صحیح مسلم" (۲/۴/۱۱۵) اور "الخلاصة" میں مذکور ہے۔[1]

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کی طرف مختصراً اشارہ کیا اور اسے ضعیف کہا ہے۔

یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس راوی کے بارے میں کہا ہے: "فِيهِ نَظَرٌ" کہ یہ راوی محلِ نظر ہے اور "نصب الراية" (۱/ ۳۱٤) میں امام زیلعی نے بھی یہ لکھا ہے۔ امام ابن ہمام نے التحریر میں کہا ہے:

> "جس آدمی کے بارے میں امام بخاری "فِيهِ نَظَرٌ" فرما دیں تو اس آدمی (یا راوی) کی حدیث قابلِ حجت نہیں ہوتی، نہ اس کی حدیث سے شہادت لی جا سکتی ہے اور نہ وہ حدیث قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔"[3]

---

1. نیز دیکھیں: عون المعبود (۲/ ٤٥٦) التعليق المغني (۱/ ۱/ ۱۸٦) الإرواء (۲/ ٦۹)
2. فتح الباري (۲/ ۲۲٤)
3. المرعاة (۲/ ۳۰۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علمائے احناف کی کتب میں امام بخاری کے الفاظ کی اس تشریح سے معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت نہ تو قابلِ حجت و استدلال ہے، نہ یہ کسی دوسری حدیث کی شاہد بننے کے قابل ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر زیرِ ناف رکھنا۔''[1]

اس روایت کی سند میں بھی وہ راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی موجود ہے جو ''تحتَ السُّرة'' یا زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کا پتا دینے والی پہلی حدیث میں ہے جس کے بارے میں محدّثین کرام کے تنقیدی اقوال اور فیصلے ہم پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس جرح و تنقید کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسری دلیل ... بلا سند:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی تیسری دلیل وہ روایت ہے جسے علامہ ابن حزم نے ''المحلّٰی'' میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے جس میں ہے:

> ''افطار کرنے میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر زیرِ ناف باندھنا، یہ تینوں اخلاق و عاداتِ نبوت میں سے ہیں۔''[2]

ہاتھ باندھنے کے بارے میں اس مفہوم کی بعض صحیح احادیث گزری ہیں، لیکن ان میں سے کسی میں بھی زیرِ ناف کا لفظ نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی یہ روایت جس میں زیرِ ناف کا لفظ ہے، اسے علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب ''المحلّٰی'' میں

---

[1] ضعيف سنن أبي داوٗد (ص: ٧٤)

[2] المحلّٰی (٢/ ٤/ ١١٣، مسئلة ٤٤٨) الجوهر النقي (٢/ ٣٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انہی کے حوالے سے ابن الترکمانی نے "الجوهر النقي" میں، اور ایسے ہی بعض دیگر مولفین نے اپنی کتب میں بلا سند نقل کیا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری "تحفة الأحوذي" میں اور علامہ عبیداللہ رحمانی "المرعاة شرح المشكاة" میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند ہی نامعلوم ہے۔ سند ہوتی تو دیکھتے کہ اس کے راوی مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ علامہ ابن حزم یا دیگر مولفین کا اسے بلا سند نقل کر دینا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ یہ روایت قابلِ استدلال اور حجّت ہے۔[1]

چوتھی دلیل:

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی ہے جسے شیخ ہاشم سندھی نے "دراهم الصرة" میں، زاہدی نے "شرح القدوري" میں، ایسے ہی ابن امیر الحاج اور پھر ابن نجیم نے "البحر الرائق" میں نقل کیا ہے۔ زاہدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ہے:

> "(یہ) تین چیزیں سنتِ مرسلین علیہم السلام میں ہیں: ① افطاری کرنے میں جلدی کرنا۔ ② سحری کھانے میں تاخیر کرنا ③ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر زیرِ ناف باندھنا۔"[2]

اس حدیث کی سند بھی نامعلوم ہے اور اس کے بارے میں خود علمائے احناف ہی میں سے ابن امیر الحاج اور ابن نجیم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو مرفوعاً اور موقوفاً روایت کرنے والے محدّثین نے اس حدیث میں "تَحتَ السُّرَّةِ" یا زیرِ ناف کا لفظ روایت نہیں کیا ہے۔ یہ شیخ ہاشم سندھی کا اپنی کتاب "دراهم الصرة" میں اس روایت پر تبصرہ ہے۔ (بحوالہ سابقہ)

جس سے اس روایت کا ناقابلِ استدلال و اعتماد ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

---

[1] المرعاة (۲/ ۳۰۲)

[2] بحواله التحفة (۲/ ۸۸، ۸۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچویں دلیل اور اس کی حقیقت:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی دلیل کے طور پر وہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ اس کی اہمیت بڑھانے کے لیے بعض معاصرین نے نص اور حوالے سے پہلے لکھا ہے کہ محدث ابن ابی شیبہ جو امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں۔[1] وہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر ناف کے نیچے رکھتے۔“[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ محدّث ابن ابی شیبہ امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں، لیکن یہاں یہ بات ہے کہ اس حدیث میں ”تَحتَ السُّرَّةِ“ کے الفاظ اضافی ہیں، اصل نہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ابن ابی شیبہ والی سند کے ساتھ اس حدیث کو بعینہٖ امام احمد نے اپنی مسند میں (۴/ ۳۱۶)، امام نسائی نے اپنی سنن میں (۱/ ۱/ ۱۰۵) امام دارقطنی نے اپنی سنن میں (۱/ ۱/ ۱۸۶) اور امام بیہقی نے اپنی سنن کبریٰ (بحوالہ التعلیقات السّلفیہ علیٰ النسائی) میں روایت کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی کے یہاں بھی ”تَحتَ السُّرَّةِ“ یا زیرِ ناف کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس اضافے کے غیر صحیح ہونے پر عام محدّثین کے علاوہ کئی علمائے احناف نے بھی تحقیق کی ہے۔ مثلاً:

شیخ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ:

انھوں نے اپنے رسالے ”فتح الغفور في وضع الأيدي على الصُّدور“

---

[1] نمازِ مسنون، صوفی عبدالحمید سواتی (ص: ۳۱۹)

[2] بحوالہ عون المعبود (۲/ ٤٦٢) تحفة الأحوذي (۲/ ۸٤) المرعاة (۲/ ۳۰۱)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ”تحتَ السُّرَّۃ“ یا زیرِ ناف کے الفاظ کا اضافہ محلِ نظر ہے، بلکہ یہ غلط ہیں اور سہواً حدیث میں درج ہو گئے ہیں، کیوں کہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کی مراجعت و مطالعہ کیا ہے اور اسی سند کے ساتھ اور انھی الفاظ پر مشتمل حدیث میں نے دیکھی ہے، لیکن اس میں ”تحتَ السُّرَّۃ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ وہاں اس مرفوع حدیث کے بعد امام نخعی کا ایک اثر بھی مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی اس مرفوع حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔ اس اثر کے آخر میں ”فِی الصَّلَاۃِ تَحتَ السُّرَّۃِ“ کے الفاظ ہیں اور ممکن ہے کہ کاتب کی نظر ایک جگہ سے اکھڑی اور دوسری جگہ جا پڑی ہو اور اس نے اِس موقوف اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں لکھ دیے ہوں۔

میری اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس اضافے پر تمام نسخے متفق نہیں ہیں اور کئی محدّثینِ کرام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی زیرِ ناف کے الفاظ روایت نہیں کیے، بلکہ میں نے نہ سنا ہے اور نہ دیکھا ہے کہ کسی بھی محدّث نے سوائے قاسم بن قطلوبغا کے اس حدیث کو اس اضافے کے ساتھ بیان کیا ہو۔[1]

امام زیلعی جنھوں نے اپنے مسلک کے لیے احادیث سے دلائل جمع کرنے کے لیے کمر ہمت باندھی اور اس کام کا بیڑا اٹھایا، انھیں بھی اس اضافے پر مشتمل یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں نہ ملی اور اگر یہ مصنف میں ہوتی تو وہ بھی ضرور نقل کرتے، جبکہ وہ سب سے زیادہ وسیع المطالعہ ہیں۔[2]

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بخاری شریف کی شرح ”عمدۃ القاري“ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ والی حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر آیا ہے، جبکہ ہمارے علمائے

---

1. بحواله عون المعبود (٢/ ٤٦٢) تحفة الأحوذي (٢/ ٨٤)
2. العون (٢/ ٤٦٣) التحفة (٢/ ٨٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

احناف غیر موثوقہ دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔[1]

اگر مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث اس اضافے سمیت موجود ہوتی تو وہ بھی ضرور نقل کرتے، جبکہ ان کی تصانیف بھی ان کی نقول سے بھری پڑی ہیں۔[2]

ابن امیر الحاج جو وسعتِ مطالعہ وعلم کے اعتبار سے اپنے استاذ ابن الھمام کے ہم پلہ ہیں، وہ ”شرح المنیة“ میں لکھتے ہیں کہ سنت سے ثابت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر باندھا جائے اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کا پتا دینے والی حدیث کے سوا کوئی حدیث ثابت نہیں ہے جو ہاتھ باندھنے کی جگہ کا پتا دے۔[3]

ایسے ہی ”البحر الرائق“ میں ابن نجیم نے بھی کہا ہے اور اگر منصف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ موجود ہوتی تو ابنِ امیر الحاج اسے ضرور نقل کرتے، جبکہ ان کی ”شرح المنیة“ ابن ابی شیبہ کی احادیث و آثار سے بھری پڑی ہے۔[4]

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ سب معلومات شیخ محمد حیات سندھی نے بھی اپنے رسالے ”فتح الغفور“ میں جمع کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ یہ تمام امور زیرِ ناف والے اضافے کے غیر صحیح ہونے کا پتا دیتے ہیں۔[5] ابراہیم اور ملا علی قاری نے بھی یہ اضافہ کہیں نقل نہیں کیا۔[6]

نتیجۂ بحث:

علمِ حدیث کے بحرِ بے کراں علامہ البانی کے بقول: ”نماز میں سینے پر ہاتھ

1. عمدة القاري (٥/ ٢٧٩)
2. العون (٢/ ٤٦٣) و التحفة (٢/ ٨٦)
3. العون و التحفة أيضاً.
4. حوالہ جاتِ سابقہ۔
5. بحواله التحفة (٢/ ٨٧)
6. العون (٢/ ٤٦٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

باندھنا ہی سنت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو بھی روایات ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا پھر لا اصل ہیں۔“[1]

اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص محض سنی سنائی یا کسی اور وجہ سے سنت پر عمل نہیں کرنا چاہتا تو وہ اس کی مرضی ہے، لیکن بقول علامہ سندھی حنفی کے اس سنت سے انکار ونفرت تو نہ کریں اور جو لوگ ان مرفوع وصحیح احادیث کی بنا پر اس سنت پر عمل پیرا ہیں، انھیں ہدفِ طعن وتنقید تو نہ بنائیں۔ ناف سے اوپر، سینے کے پاس یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائلین و فاعلین کو بھی چاہیے کہ دلیل سے قائل کریں اور حکمتِ عملی و موعظہ حسنہ سے کام لیں۔ انتہا پسندی یا تشدّد پر اتر آنے کی ضرورت نہیں۔ نماز میں ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے، فرض اور واجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معروف مفتی علامہ ابنِ باز رحمہ اللہ کے بقول نماز تو ہاتھ چھوڑ کر پڑھنے والوں کی بھی ہو جاتی ہے۔[2]

اگرچہ امام شوکانی نے ”نیل الأوطار“ میں ہاتھ باندھنے کو واجب کہا ہے، ورنہ ترکِ افضل تو بہرحال ہے ہی، پھر اسے ذریعۂ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔

راہِ اعتدال:

اب رہی بات اختیار کرنے کی تو اگر کوئی اَرجح کو اختیار کرے تو وہ بھی اعتدال سے کام لے اور اگر کسی کو ضرور مرجوح ہی کو اختیار کرنا ہے تو وہ بھی اعتدال کی حدود ہی میں رہے۔ انتہا پسندی اور تشدّد کسی کے لیے بھی مناسب نہیں، جبکہ یہ چیز جانبین کے بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ایک انتہائی معتدل مزاج عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ آف گوجرانوالہ نے اپنی کتاب ”تحریکِ آزادیِ فکر“ میں لکھا ہے:

---

[1] صفة الصلاة (ص: ٤٤، حاشية)

[2] ثلاث رسائل في الصلاة لابن باز (ص: ١٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”بعض حضرات بے حد غلو کرتے ہیں اور یہ غلو دونوں طرف سے ہو رہا ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔ ”تَحتَ السُّرَّةِ“ (زیرِ ناف) کے قائلین بعض حضرات ہاتھوں کو اِس قدر لٹکا دیتے ہیں کہ ”تَحتَ السُّرَّةِ“ (زیرِ ناف) کی بجائے ”فَوقَ الْعَانَةِ“ (زائد بالوں کی مخصوص جگہ پر ہاتھ باندھنے) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی ”زیرِ ناف“ تک پہنچ جاتے ہیں اور ”فَوقَ السُّرَّةِ“ (ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے) کے قائلین ”تَحتَ الْعُنُقِ“ یعنی گلے کے قریب ہاتھ باندھتے ہیں۔ یہ صورتیں نہایت بدنما اور مکروہ محسوس ہوتی ہیں۔ رہا ادب اور تعظیم، وہ تو سینے پر ہاتھ باندھنے سے ہوتی ہے۔ ہاتھ نیچے لٹکا دینا تو ادب کے خلاف ہی نہیں بلکہ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ تلاوت کے وقت، سلام کے بعد ادب کے لیے عموماً ہاتھ سینے پر ہی رکھے جاتے ہیں، زیرِ ناف رکھتے آج تک ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔“[1]

مَرد و زَن کے ہاتھ باندھنے میں فرق؟:

نماز میں ہاتھ باندھنے کے اس موضوع کو ختم کرنے اور ثنا وغیرہ کا ذکر کرنے سے پہلے ہم یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ”الفقه علی المذاهب الأربعة“ (۱/ ۲۴۹) ایسے ہی ”شرح نقایہ“ اور ”کبیری“ (بحوالہ نمازِ مسنون، ص: ۳۲۰) نیز ”السعاية حاشية شرح وقاية“ (بحوالہ ماہنامہ آثار) وغیرہ کی رُو سے احناف نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں بھی مَردوں اور عورتوں کے مابین فرق کیا ہے۔ مَردوں کے زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے برعکس عورت کے لیے اسی بات کو سنت مانا ہے کہ وہ سینے ہی پر ہاتھ باندھیں۔

[1] تحریکِ آزادیِ فکر (ص: ۲۵۰) مرتبہ مولانا محمد حنیف یزدانی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"السعایة" میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے عورت کے حق میں اسی بات کے سنت ہونے پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے، کیوں کہ سنت سے صرف سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہے، کسی دوسری جگہ نہیں اور یہی عورت کے لیے زیادہ پردے کا باعث ہے، جسے علمائے احناف نے اصل سبب قرار دیا ہے، حالانکہ اس کی حیثیت ثانوی ہے اور اصل سبب اس کا سنت سے ثابت ہونا ہے۔

جب ایک چیز حدیث شریف میں ثابت ہے اور حدیث میں اس کے لیے مَرد و زن کے مابین فرق بھی نہیں کیا گیا تو پھر ہمیں مَردوں اور عورتوں کے مابین ہاتھ باندھنے کی جگہ میں فرق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ اس فرق پر دلالت کرنے والی کوئی ایک بھی صریح و صحیح دلیل نہیں ہے، نہ مرفوع حدیث اور نہ کسی صحابی کا اثر وقول۔[1]

اس موضوع پر ہماری ایڈٹ کردہ ایک کتاب "مرد و زن کی نماز میں فرق؟" پاک و ہند سے شائع ہوچکی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، اور ہماری ویب سائیٹ سے فری ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔[2]

---

[1] المرعاة (٢/ ٣٠٢)

[2] www.kitab-o-sunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دُعائے استفتاح یا ثنا کا حکم

جب نمازی قیام کی حالت میں رفع یدین اور تکبیرِ تحریمہ سے فارغ ہو جائے تو دعائے استفتاح یا ثنا پڑھی جاتی ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے درست طریقے سے نماز نہ پڑھنے والے صحابی کو اس کی بھی تعلیم فرمائی تھی۔

چنانچہ سنن ابی داود اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”لوگوں میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ تکبیر ”اَللّٰهُ اَکْبَرُ“ کہے اور اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان کرے اور قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھے۔“[1]

دعائے استفتاح یا ثنا کے مندوب و مسنون ہونے کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ”فتح الباري“ میں اور سید سابق نے ”فقه السنة“ میں صراحت کی ہے، جبکہ ”المغنی“ میں امام ابنِ قدامہ نے لکھا ہے:

”اکثر اہلِ علم کے بقول دعائے استفتاح یا ثنا نماز کی سنتوں میں سے ہے۔“[2]

یہی امام ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے۔[3] امام مالک تو اس کے قائل ہی نہیں تھے، بلکہ تکبیر کے بعد قراءت ہی شروع کر دیتے تھے۔[4]

---

1. صحيح أبي داوٗد (١/ ١٦٢) فتح الباري (٢/ ٢٧٨) صفة الصلاة (ص: ٤٦، وصححه)
2. المغني (٢/ ١٤١ ـ بتحقيق التركى)
3. فتاویٰ کبریٰ (٢/ ١٦٥، بیروت)
4. المغني (٢/ ١٤١، ١٤٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پھر کچھ آگے جا کر امام ابن قدامہ نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے:

"امام دعائے استفتاح یا ثنا کو جہراً (بلند آواز سے) نہیں پڑھے گا، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اسے جہراً نہیں پڑھا۔ اکثر اہلِ علم اسی کے قائل ہیں۔"[1]

مسبوق اور استفتاح:

اگر کوئی نمازی جماعت کے آغاز میں تکبیرِ تحریمہ کے قریب جماعت میں شامل نہیں ہو سکا تو پھر وہ استفتاح "سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ......الخ" کے بجائے "اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ... بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھ کر سورۃ الفاتحہ پڑھ لے، کیوں کہ اس کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی، جبکہ استفتاح کے بغیر نماز ہو جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ثنا کے مختلف صیغے یا الفاظ:

1 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ تکبیرِ تحریمہ کے بعد ان الفاظ سے ثنا کیا کرتے تھے:

«سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ وَتَبَارَكَ اسۡمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰـهَ غَيۡرُكَ»[2]

"اے اللہ! تو اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے، تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری عظمت بھی بہت بلند ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے۔"

یہی ثنا اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ ان الفاظ سے ثنا کیا کرتے تھے۔[3] نیز یہی ثنا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی

---

1 المغني (٢/ ١٤٥)

2 صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١١١) الإرواء (٢/ ٤٨، ٤٩) فقه السنة (١/ ١٤٧) تخريج صلاة الرسول (ص: ٢٣٣، ٢٣٥)

3 صحيح أبي داوٗد (١/ ١٤٨) صحيح ترمذي (١/ ٧٨) صحيح ابن ماجه (١/ ١٣٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔[1] اس موضوع کی متعدد احادیث کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔[2]

ایک اضافہ:

یہاں یہ بات بطورِ خاص نوٹ کر لیں کہ ہم نے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی تین روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی ”وَجَلَّ ثَنَاؤُ كَ“ کے الفاظ وارد نہیں ہوئے اور اس بات کا اعتراف تو فقہائے احناف میں سے صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”اور ”جَلَّ ثَنَاءُ كَ“ کے الفاظ مشہور روایات میں نہیں ہیں، لہٰذا فرائض میں یہ الفاظ نہ پڑھے جائیں۔“[3]

2 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہتے اور پھر قراءت شروع فرماتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، تکبیر اور قراءت کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے ہیں۔ بتایئے تو سہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت کیا پڑھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ پڑھتا ہوں:

«اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ»

”اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دُوری فرما دے، جس

---

1 صحيح أبي داوٗد (١/ ١٤٨) صحيح نسائي (١/ ١/ ١٠٧) صحيح ابن ماجه (١/ ١٣٥)

2 دیکھیں: التلخيص (١/ ١/ ٢٢٩) الإرواء (٢/ ٥٠_ ٥٣) نصب الراية (١/ ٣١٨_ ٣٢٣)

3 الهداية (١/ ٦٦) بحوالہ نمازِ مسنون، سواتی (ص: ٣٢٥، ٣٢٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

طرح تُو نے مشرق و مغرب کے درمیان کی ہے۔ اے اللہ! مجھے میرے
گناہوں سے سفید کپڑے کی طرح پاک و صاف کر دے۔ اے اللہ!
میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔‘‘[1]

ایسے ہی بہت سی دعائیں اور بھی ثابت ہیں، لیکن ہم انھی پر اکتفا کر رہے ہیں۔

کچھ لوگ جماعت کھڑی ہو اور دوسری رکعت یا بعد والی کسی رکعت میں یا پہلی رکعت میں بھی قراءت کے دوران میں آ کر ملیں تو آتے ہی نیت کے الفاظ کی گردان سے فارغ ہو کر تکبیر کہتے ہیں اور ’’سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ‘‘ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ امام کے قراءت شروع کر چکنے کے بعد ثنا کا پڑھنا ضروری نہیں ہوتا۔ یہ بات فقہ حنفی کی معروف کتاب کبیری میں بھی لکھی ہے کہ جب امام قراءت بالجہر شروع کر دے تو پھر ثنا نہ پڑھیں۔[2]

کبیری کے اس مسئلے کی تائید کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام کے قراءت بالجہر شروع کر چکنے کی طرح ہی اگر قراءت بالسِّر والی نماز ہو اور پتا ہو کہ امام کب کا تکبیرِ تحریمہ کہہ چکا ہے اور اب وہ سورۃ فاتحہ کے آخر یا کسی دوسری سورت کے شروع میں ہو گا، تب بھی ثنا نہ پڑھیں، بلکہ تکبیرِ تحریمہ اور تعوّذ و تسمیہ کے بعد صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں، کیوں کہ اس کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہوتی، جس کی تفصیل اور دلائل اس کے موقع پر آئیں گے۔ ان شاء اللہ!

یہیں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد والی دعا و ثنا سے پہلے ’’بِسمِ اللّٰهِ...‘‘ پڑھنا ثابت نہیں ہے، لہٰذا جب تکبیر کہیں تو سیدھے ثنا ہی شروع کر دیں۔

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٢٢٧) رقم الحديث (٧٤٤) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٩٦) صحيح أبي داود، رقم الحديث (٧٠٣) سنن النسائي (١/ ١/ ١٠٦) صحيح ابن ماجه (١/ ١٣٥) مسند أحمد (٢/ ٢٣١، ٢٩٤) المنتقىٰ (١/ ٢/ ١٩١)

[2] کبیری (ص: ٣٠٤) بحوالہ: نمازِ مسنون، سواتی (ص: ٣٢٦)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

تعوّذ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ..." پڑھنا

"سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ..." یا کسی بھی دوسری ثنا و دُعا کے بعد اور سورۃ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے "اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِیۡعِ الۡعَلِیۡمِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ" پڑھنا چاہیے، کیوں کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿98﴾﴾

[النحل: ۹۸]

"جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (یعنی "اَعُوذُ بِاللّٰهِ.." پڑھ لیا کرو)۔"

"السَّمِیۡعِ الۡعَلِیۡمِ" والے اس صیغے کا ذکر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے ترمذی، دارمی اور مسند احمد میں (ترمذی، دارمی، مسند احمد بحوالہ الإرواء: ۲/ ۵۸، ابو داود، ابن ماجہ، مستدرک حاکم، بیہقی) اسی طرح ابو داود، ترمذی، دارمی، مسند احمد و دار قطنی، مصنف ابن ابی شیبہ اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی حدیث میں بھی آیا ہے۔[1]

تعوّذ کا دوسرا صیغہ:

تعوّذ کا دوسرا صیغہ یہ ہے کہ «اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ مِنۡ هَمۡزِهٖ وَنَفۡخِهٖ وَنَفۡثِهٖ» کہا جائے۔ یعنی آخر میں ان تین کلمات کا اضافہ کیا جائے۔

[1] صحيح أبي داوٗد (١/ ١٤٨) ترمذي، دارمي، مسند أحمد بحواله الإرواء (٢/ ٥١) بيهقي.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 اس بات کی دلیل بھی ایک تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، جس کی طرف ابھی اشارہ گزرا ہے۔

2 اس کی دوسری دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔[1]

تیسرا صیغہ:

تعوّذ کا تیسرا صیغہ یہ ہے کہ معروف تعوّذ میں ان دونوں اضافوں یعنی درمیان میں دو لفظ اور آخر میں تین الفاظ کو شامل کر کے یوں کہا جائے:

«اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ»

ان دونوں اضافوں کو بیک وقت جمع کرنے کی صریح دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی وہی حدیث ہے جو ہم پہلے صیغے کی دلیل کے طور پر ذکر کر آئے ہیں۔

تعوذ سِرّاً پڑھنا:

تعوّذ کو خاموشی سے پڑھنا ہی مسنون ہے۔ کوئی امام ہو یا مقتدی، کوئی اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ، نماز سرّی قراءت والی یعنی ظہر و عصر ہو یا جہری قراءت والی یعنی فجر و مغرب و عشا اور جمعہ، وعیدین وغیرہ تعوّذ بہرصورت بلا آواز ہی پڑھنا ہے۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں لکھا ہے:

”تعوّذ بلا آواز کرنا ہے، جہراً نہیں۔ اس سلسلے میں کسی کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔“[2]

تعوّذ کس کس رکعت میں؟

اب رہی یہ بات کہ تعوّذ یا استعاذہ صرف پہلی رکعت کے شروع میں تکبیر و ثنا

---

1. ابن أبي شيبة و طبراني كبير بحواله الإرواء (٢/ ٥٤)
2. المغني (٢/ ١٤٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے بعد ہے یا دوسری ہر رکعت کے شروع میں بھی ہے؟ اس سلسلے میں حضرت حسن بصری، امام ابراہیم نخعی اور امام عطا (رحمہم اللہ) تو ہر رکعت کے شروع میں قراءت سے پہلے "اَعُوذُ بِاللّٰهِ...... الخ" پڑھنے کے قائل ہیں اور اسے مستحب سمجھتے ہیں۔

جمہور اہلِ علم کا کہنا ہے کہ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ . . ." صرف پہلی رکعت میں تکبیر و ثنا کے بعد اور قراءت سے پہلے ہے، بعد والی رکعتوں میں نہیں۔ چنانچہ امام رافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ کے عملِ مبارک سے مشہور تو یہی ہے کہ آپ ﷺ صرف پہلی ہی رکعت کے شروع میں "اَعُوذُ بِاللّٰهِ . . ." پڑھتے تھے اور بقیہ رکعتوں کے سلسلے میں ایسی کوئی مشہور بات نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور امام شوکانی رحمہ اللہ جیسے کبار محققین نے لکھا ہے کہ صرف پہلی رکعت میں "اَعُوذُ بِاللّٰهِ . . ." پڑھ لینا ہی کافی ہے، ہر رکعت کے شروع میں یہ ضروری نہیں، کیوں کہ بقول علامہ ابن قیم تکبیرِ تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز صرف ایک مسلسل قراءت ہی شمار ہوگی اور تسبیح و تحمید اور تہلیل وغیرہ اذکار سے قراءت کا انقطاع ثابت نہیں ہوتا۔[1]

تسمیہ "بِسۡمِ اللّٰهِ . . ." پڑھنا:

تکبیرِ تحریمہ، ثنا یا دعائے استفتاح اور تعوّذ کے بعد تسمیہ ہے۔ یعنی "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" پڑھی جاتی ہے، جو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ (اور بعد والی کسی سورت) سے پہلے پڑھی جائے گی، چاہے فرض ہوں یا سنتیں اور چاہے وتر ہو یا نوافل۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے اور پھر دوسری کوئی سورت پڑھنے سے پہلے "بِسۡمِ اللّٰهِ . . ." کا پڑھنا مشروع و مسنون ہے۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مسلک ہے۔[2]

[1] مختصراً از فقه السنة (١/ ١٤٩)

[2] المغني بتحقيق د. التركي (٢/ ١٤٢، ١٤٧ـ ١٤٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا:

جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھے گا تو وہ بہرحال بلا آواز ہی ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' پڑھے گا، نماز چاہے ظہر وعصر وغیرہ سرّی قراءت والی ہو یا فجر و مغرب اور عشا و جمعہ وغیرہ جہری قراءت والی۔ لیکن اگر وہ امام ہے تو جہری نماز میں بسم اللہ کیسے پڑھے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا اور دوسرا آہستہ آواز سے پڑھنا۔

جہراً بسم اللہ پڑھنے کے دلائل:

① بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے قائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام، تبع تابعین اور ائمہ و فقہا رحمہم اللہ کا استدلال متعدد احادیث سے ہے، جن میں سے پہلی حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے، جس میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا کیا انداز ہوتا تھا؟ (تو انھوں نے فرمایا:) آپ صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' پڑھی اور ''بِسۡمِ اللّٰهِ، الرَّحۡمٰنِ'' اور ''الرَّحِيۡمِ'' کو کھینچا یعنی لمبا کیا۔''[1]

② بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے پر دلالت کرنے والی دوسری حدیث میں حضرت نعیم بن مُجمر فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے پہلے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' پڑھی اور پھر سورت فاتحہ پڑھی۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٤٦) المنتقىٰ (١/ ٢/ ٢٠٦)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان بھی ہے:

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک مَیں نماز میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں۔''[1]

''بِسْمِ اللّٰہِ ...'' سِرّاً پڑھنا:

''بِسْمِ اللّٰہِ...'' کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ جہری قراءت والی نمازوں میں بھی امام اسے سراً یعنی بلا آواز پڑھے۔ یہ بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔

امام ترمذی و حازمی نے کہا ہے کہ اکثر اہلِ علم کا مسلک یہی ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰہِ...'' جہری نماز میں بھی آہستگی سے بلا آواز ہی پڑھی جائے۔ امام ترمذی نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور تابعین اور امام ابو حنیفہ ونخعی کے علاوہ سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔[2]

سِرّاً ''بِسْمِ اللّٰہِ ...'' پڑھنے کے دلائل:

ان سب کا استدلال بھی متعدد احادیث سے ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① پہلی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے نماز شروع کرتے تھے۔''[3]

---

[1] ضعيف النسائي (ص: ٢٩) وقال ضعيف الإسناد، ولم يقل: ضعيف. صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥١) ابن حبان و سنن البيهقي بحواله نصب الراية (١/ ٣٢٤، ٣٢٥، ٣٣٥) فتح الباري (٢/ ٢٦٧) المغني (٢/ ١٤٧)

[2] ترمذي مع التحفة (٢/ ٥٤، ٥٥) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٠٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٤٣) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١١١) سنن أبي داوٗد (٢/ ٤٨٧ـ ٤٨٩) صحيح نسائي (١/ ١٩٦، ١٩٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

② حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

''میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نماز پڑھی۔ان میں سے کسی کو بھی میں نے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' (جہراً) پڑھتے نہیں سنا۔''[1]

③ انھی سے مروی ایک تیسری حدیث میں ہے:

''میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ پس یہ (چاروں) ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کو جہراً (بلند آواز سے) نہیں پڑھتے تھے۔''[2]

④ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ اور قراءتِ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ سے نماز شروع کرتے تھے۔''[3]

غرض ان سب احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ...'' کو بلند آواز سے نہ پڑھا جائے۔

مطابقت و موافقت:

جہراً ''بِسۡمِ اللّٰہِ...'' پڑھنے اور سِراً ''بِسۡمِ اللّٰہِ...'' پڑھنے والی ہر دو طرح کی احادیث کے مابین مطابقت و موافقت ممکن ہے اور کبار محدّثینِ کرام نے ان احادیث کے مابین کئی طرح سے جمع و تطبیق پیدا کی ہے۔

---

1. صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١١٠) مسند أحمد (٢/ ٢٦٤) بحواله نصب الراية (١/ ٣٣٦) المنتقى مع نيل (٢/ ٣/ ٣٣)
2. صحيح نسائي (١/ ١٩٧) مسند أحمد (٣/ ٢٦٤) ابن حبان بحواله نصب الراية (١/ ٣٢٦)
3. صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢١٣) سنن أبي داوٗد (٣/ ٤٨٩، ٤٩٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٨١٢) نصب الراية (١/ ٣٣٤)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

علامہ عبدالعزیز بن باز جو عالمِ اسلام کے معروف اور ہر دل عزیز عالم گزرے ہیں، انھوں نے اپنی نگرانی اور تحقیق سے جو فتح الباری شائع کروائی ہے، اس کے حاشیے میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث کو مقدّم رکھا جائے، جس میں بلا آواز "بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھنے کا ذکر ہے۔ کیوں کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے اور اس مسئلے میں صریح بھی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بلند آواز سے "بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھنے کا پتا دینے والی حدیث کو اس انداز پر محمول کیا جائے گا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار بلند آواز سے بھی "بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھ لیا کرتے تھے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقتدی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تعلیم دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھتے ہیں۔ اس طرح دونوں قسم کی احادیث کے مابین مطابقت و موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ آہستگی سے "بِسۡمِ اللّٰهِ..." پڑھنے کے مشروع ہونے کا پتا دینے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث کی تائیدکئی دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔[1]

۷۸۶...حقیقت یا افسانہ؟

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" کی جگہ "۷۸۶" کے اعداد لکھنے کا رواج برصغیر میں ایک عرصے سے چلا آ رہا ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بعض دینی و علمی مضامین اور کتابوں میں بھی "بِسۡمِ اللّٰهِ..." کے بجائے "۷۸۶" لکھنا شروع کر دیا گیا ہے۔ "بِسۡمِ اللّٰهِ..." کے اعداد کو اس کا بدل یا قائم مقام سمجھ کر لکھنا، قرآن وسنت کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔

اس کی بنیاد عبرانی صحائف کے ۲۲ حروفِ تہجی اور ان کے مترادف اعداد پر ہے۔ ان کے ذریعے یہود کے صحائف کے رموز و معانی دریافت ہوتے ہیں جس کی

[1] تعليق فتح الباري (۲/ ۲۲۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عملی صورت یہ ہے کہ الفاظ کو اعداد میں تحویل کیا جائے۔ یہ بڑی سہل ترکیب ہے، کیوں کہ الفاظ جن حروف پر مشتمل ہیں، ان کی عددی قیمتوں کو جمع کر لیا جائے، اس طرح ہمیں ان مقدّس عبارتوں کا عددی بدل حاصل ہو جاتا ہے جو اس علم کے حامیوں کے نزدیک ویسے ہی تقدّس کا حامل ہے۔

یہ علم مسلمان ندرت پسندوں نے حاصل کیا، جسے عرف عام میں علمِ ابجد کہتے ہیں۔ ایک مغربی محقّق تھامسن پیٹرک ہیولز اپنی تالیف ''ڈکشنری آف اسلام'' میں ابجد کی توضیح ان الفاظ میں کرتا ہے:

''یہ حروف تہجی کی ریاضیاتی طور پر ترتیب کا نام ہے، جس میں حروف کی عددی قیمت متعین ہوتی ہے جو ایک سے لے کر ۱۰۰۰ تک مقرر ہے۔

حروف ابجد کا خاکہ:

حروف	ا ب ج د	ھ و ز	ح ط ی	ک ل م ن
عددی قیمت	۱ ۲ ۳ ۴	۵ ٦ ۷	۸ ۹ ۱۰	۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰
عربی الفاظ	ابجد	ھوّز	حُطّی	کلمن
حروف	س ع ف ص	ق ر ش ت	ث خ ذ	ض ظ غ
عددی قیمت	٦۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰	۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰	۵۰۰ ٦۰۰ ۷۰۰	۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰
عربی الفاظ	سعفص	قرشت	ثخذ	ضظغ

جب مسلمانوں نے یہود کے علمِ کبالا سے استفادہ کر کے جی میٹریا (جیومیٹری) کا علم حاصل کیا تو پھر اس کا قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ بلکہ سورتوں پر اطلاق بھی ایک ایسا عمل تھا جو ہمارے جسارت کوش ندرت پسندوں کے لیے مشکل نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کا مصحف پاک پر بے دھڑک استعمال کیا۔ اس میں سب سے عام جس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہرکس و ناکس واقف ہے، ''بِسْمِ اللّٰہِ...'' شریف کے لیے ۷۸۶ کا استعمال ہے، جو خطوط اور ہر قسم کی تحریروں مثلاً کتابوں، مجلّوں اور مقالوں میں بہ شدّتِ تمام نظر آتا ہے اور یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ۷۸۶ واقعی ''بِسْمِ اللّٰہِ...'' شریف کا بدل ہے۔ درحقیقت یہ ہرگز ''بِسْمِ اللّٰہِ...'' شریف کا بدل یا مترادف نہیں۔ یہ کسی طرح بھی ''بِسْمِ اللّٰہِ...'' کا ہم مضمون و ہم معنیٰ نہیں، بلکہ محض عدد ہے، کیوں کہ ۷۸۶ کا اطلاق تو کسی چیز پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ۷۸۶ ظرفِ شراب، جڑی بوٹیاں وغیرہ وغیرہ، وہ اچھی ہوں یا بری، حرام ہوں یا حلال، یہ کسی صورت میں بھی بسم اللہ کا بدل ہرگز نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کو سمجھ سکیں اور ہدایت یاب ہوں۔ اگر اعداد ہی سے مقصد حاصل ہو سکتا تو یہ آسان طریقہ کیوں اختیار نہیں کیا گیا؟ کیا نعوذ باللہ ذاتِ باری تعالیٰ سے غلطی سرزد ہوئی ہے، جسے ہمارے یہ بعض علما درست کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں؟ اگر اعداد کی شکل میں وحی نازل کی جاتی تو اس سے بنی نوعِ انسان کو کیا حاصل ہوتا؟ ہمیں اوّل تا آخر اعداد ہی کا لا متناہی سلسلہ دکھائی دیتا۔ ہمیں تو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم قرآنِ مجید کی تلاوت کریں:

> ''اور یہ قرآنِ مجید ہے جس کو ہم نے (پاروں اور رکوعوں) میں تقسیم کیا ہے، تاکہ تم وقفوں وقفوں سے اس کی تلاوت کرو۔ اور ہم نے اسے (یکے بعد دیگرے) تنزیلات میں نازل کیا ہے۔'' (۱۷: ۲۰)

> اگر قرآنِ مجید کو اعداد میں منتقل کر دیا جائے تو سورۃ فاتحہ کو قارئین کی سہولت کے لیے اعداد میں رقم کیا جاتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الفاتحہ کا عددی کالم:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	٧٨٧	اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ	٨٣٦
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ	٦٣٢	اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ	١٠٧٣
الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	٦١٨	صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ	١٨٠٧
مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ	٢٤٢	غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ	٤١٩٤
		کل اعداد: ۱۰۱۸۹	

کیا اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ فقط ۱۰۱۸۹ ہی کو زبان پر لانے سے سورۃ فاتحہ کا مقصد پورا ہو جائے گا اور ہم ساری کی ساری سورت پڑھ لیں گے؟ اس مبارک سورت کو دس بار پڑھنے کے لیے ۱۰۱۸۹x۱۰= ۱۰۱۸۹۰ کہہ لیں، اس طرح تمام قرآنِ مجید کو اعداد میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ اعداد واقعی بامعنیٰ ہوں گے اور ان سے وہی نتیجہ حاصل ہوگا جو بالذات آیاتِ قرآنی سے حاصل ہوتا ہے؟ کیا ان میں ہدایت یا پیغامِ ربانی کا اقل قلیل بھی ہے؟ سچ پوچھا جائے تو یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جن اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، انھوں نے ہرگز دین کی خدمت نہیں کی، بلکہ وہ ایک بدعت کو رواج دینے کے مجرم ہیں۔ لہٰذا میں قارئین کرام اور پیروانِ اسلام سے پُر زور التماس کروں گا کہ وہ اس روش کو ترک کر دیں۔ یہ کوئی مستحسن کام نہیں بلکہ غلط الزام ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ قرآن مجید کے خلاف سازش ہے۔[1]

جناب رانا شفیق خان پسروری لکھتے ہیں:

”حقیقی بات تو یہ ہے کہ اسے ”باطنیہ“ نے رواج دیا تھا اور ان کا مقصد

[1] مضمون نگار: ارفاق ملک لنڈن، مطبوعہ ماہنامہ ”صراط مستقیم“، برمنگھم، برطانیہ (جلد ۱۱، شمارہ ۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ) ماہنامہ ”نوائے اسلام“ دہلی (جلد ۵، شمارہ ۸)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اس علم سے ''راز، راز'' میں اپنا کام لیا جائے۔ شعبۂ جاسوسی میں ہر خفیہ تنظیم کے اپنے اپنے کوڈ وَرڈز (Code Words) یعنی خفیہ اشارات یا خفیہ زبان ہوتی ہے، تاکہ کوئی دوسرا اس سے آگاہ نہ ہو اور معاملات کو ادا کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ شیعہ کے فرقہ باطنیہ نے علم الاعداد کو رواج دیا اور اسے اپنے تمام تر مکتوبات اور پیغامات کا ذریعہ بنایا۔

''باطنیہ فرقہ وہی ہے جس کا ایک رہنما حسن بن صباح تھا، جس نے ''قلعۃ الموت'' بنایا تھا اور عالمِ اسلام میں جس کے ارکان، جنھیں ''فدائی'' کہا جاتا تھا، تخریب کاری میں سرگرم تھے۔ آج بھی ملنگ اور خود ساختہ پیر اپنے تعویذات علم الاعداد میں لکھتے ہیں اور گفتگو میں رمزیہ کلمات کہتے ہیں۔ ملنگوں اور پیروں کا سلسلہ ایک ہی ہے اور برائے نام تصوّف کی جڑیں بھی اسی باطنیہ سے جا ملتی ہیں۔

شیعہ علما علم الاعداد کے خصوصی ماہر ہوتے ہیں اور وہ اس علم کی نسبت حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ نہ صرف علم الاعداد کی نسبت بلکہ شیعہ کا تمام جدید مذہب حضرت جعفر صادق کی نسبت ہی سے ''جعفریہ'' کہلاتا ہے۔ تاریخ سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت جعفر رحمہ اللہ کی اس علم میں شہرت معروف ہے۔ چنانچہ اس علم الاعداد کو علم الجفر بھی کہتے ہیں اور علم الجمل بھی۔ جمل کا معنی اونٹ بھی ہے اور ایک اونٹ شیعہ روایات کے مطابق قرآن سمیت غائب بھی ہے (ان کے مزعوم امام مہدی والا)۔

''حروفِ ابجد کو آٹھ کلموں میں پابند کیا گیا ہے، یعنی عربی کے حروفِ تہجی کی ترتیب کی بجائے انھیں مختلف ترتیب سے آٹھ کلمے بنا دیا گیا ہے اور ''تقیہ''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کام لے کر اسے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جبکہ لفظِ ہندسہ ظاہر کرتا ہے کہ اعداد کا حساب ہند سے نکلا ہے، تبھی اہلِ عرب علمِ حساب کو ہندسہ کہتے ہیں۔ جبکہ ہند میں علم الاعداد کو رواج برہمن نے دیا جو آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایران جس کا پرانا نام ''ایرانا'' تھا، کی نسبت بھی آریہ سے ہے اور آریہ کا تعلق اور موجودہ ایرانی نظریات کا تعلق یہودیت اور آلِ یہود سے ہے۔ نیز ''فرہنگِ آصفیہ'' (۱/ ۸۶) کے مطابق حروفِ ابجد کے مطابق تاریخِ وفات و پیدایش نکالنا یہودیوں میں مروّج تھا۔

''آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ بچوں میں اس کو رواج دینے کے لیے جنتریوں میں پاس اور فیل کا پتا نمبر لگانے کے لیے یہ حروف اور اعداد لکھے جاتے ہیں۔ ایک صفحے پر ''دمادم مست قلندر، علی دا پہلا نمبر'' نامی نظم اور دوسرے صفحے پر یہ اعداد ہوتے ہیں۔ حروفِ ابجد کے اس مختصر تعارف اور ان حروف کے ''مقرر کردہ'' اعداد سے آگاہی کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ''۷۸۶'' بھی اسی خاص گروہ کا اختیار کردہ اور رواج دیا ہوا ہے۔

① ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے تمام حروف کو الگ الگ لکھ کر اور ان کی قیمت کے اعداد لکھ کر جس طرح چاہے جمع کر دیں، کبھی ۷۸۶ نہیں بن سکتا۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیں تمام مکتوب حروف الگ الگ مع عددی قیمت۔

ب	س	م	ا	ل	ل	ا	ہ
۲	۶۰	۴۰	۱	۳۰	۳۰	۱	۵

ا	ل	ر	ر	ح	ا	م	ن
۱	۳۰	۲۰۰	۲۰۰	۸	۱	۴۰	۵۰

ا	ل	ر	ر	ح	ی	م
۱	۳۰	۲۰۰	۲۰۰	۸	۱۰	۴۰

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس حساب سے کل جمع اعداد ۱۱۸۸ بنتا ہے۔ یاد رہے کہ اس میں ہم نے ظاہر صورت کتابت کا خیال رکھا ہے، جس کے مطابق لفظ الرّحمٰن اور لفظ الرّحیم میں حرف ''را'' مشدّد ہے اور مشدّد حرف دو کے حکم میں ہوتا ہے۔

② اگر حرفِ مشدّد کو ایک کے حکم میں رکھ کر دیکھیں تو ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' میں حرفِ مشدّد تین ہیں۔ ایک حرفِ ''لام'' لفظ اللہ میں، ایک حرفِ ''را'' لفظ الرحمٰن میں اور ایک حرفِ ''را'' لفظ الرحیم میں اور ان تین حروف کی قیمت بنتی ہے ۴۳۰۔ اب اس قیمت کو کل قیمت سے منہا کر لیا جائے تو حساب ہوگا ۱۱۸۸۔۴۳۰ = ۷۵۸

③ اگر ملفوظ حروف کے حساب سے نکالیں تو پھر ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' میں غیر ملفوظ لفظ اللہ کا الف، لفظ الرحمٰن کا الف لام ''ال'' اور لفظ الرحیم کا ''ال'' یعنی کل پانچ حروف غیر ملفوظ ہیں۔ تین الف اور دو لام جن کی قیمت بنتی ہے ۶۳، جسے کل تعداد (۱۱۸۸) سے منہا کریں تو بھی باقی ۱۱۲۵ بچتے ہیں۔

④ ملفوظ میں سے بھی مشدّد حروف کو نکال دیا جائے تو بھی ۷۸۶ نہیں بنتے کہ ملفوظ میں مشدّد تین ہیں۔ لفظ اللہ میں ''لام'' لفظ الرحمٰن میں ''را'' اور لفظ الرحیم میں ''را'' یعنی تین حروف جن کی قیمت ہے ۴۳۰، جس کو ملفوظ کی کل قیمت ۱۱۲۵ سے نکالا جائے تو باقی بچے گا ۶۹۵۔ گویا کسی طرح بھی ۷۸۶ صحیح نہیں بنتا۔ ۷۸۶ صرف ایک صورت میں بنتا ہے اور وہ صورت صرف عقیدۂ شیعہ کے مطابق ہے، یعنی اگر کہا جائے: ''اِمَامُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلِیٌّ عَلَيۡهِ الصَّلٰوةُ'' غور فرمایئے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ا	م	ا	م	امام
۱	۴۰	۱	۴۰	۸۲

ا	ل	م	و	م	ن	ی	ن	المؤمنین
۱	۳۰	۴۰	۶	۴۰	۵۰	۱۰	۵۰	۲۲۷

ع	ل	ی	علی
۷۰	۳۰	۱۰	۱۱۰

ع	ل	ی	ہ	علیہ
۷۰	۳۰	۱۰	۵	۱۱۵

ا	ل	ص	ص	ل	و	ۃ	الصلوٰۃ
۱	۳۰	۹۰	۹۰	۳۰	۶	۵	۲۵۲

ان تمام کا مجموعہ بنے گا "۷۸۶"۔

امامت کا عقیدہ شیعہ مذہب میں خاص معانی رکھتا ہے۔ ملا باقر مجلسی کی "حیات القلوب" کے الفاظ ہیں "رتبۂ امامت برتر از پیغمبریست" اور مؤمنین بھی شیعہ کی خاص اصطلاح ہے۔ اسی طرح سلام و دعا کے لیے حق علی اور مولا علی مدد کے الفاظ رائج ہیں۔

عزیز احمد صدیقی نے اپنی ایک کتاب میں علم الاعداد کی بہت سی شیعی کارستانیاں جمع کی ہیں۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ ہے وہ تو کافروں کو بھی خط لکھتے تو "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" سے شروع کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و ائمہ کرام رحمہم اللہ سے بڑھ کر "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" کی تعظیم کرنے والے ہیں؟ اور اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعظیم کے لیے عدد نکالنا ہی ضروری ہیں تو کیا باپ کو نمبر ۵ کہتے ہوں گے؟ یا خط لکھتے ہوئے پیارے اباجان کی جگہ پیارے ٦٠ لکھتے ہوں گے؟ اور اگر کوئی باپ کو ''ابی'' کہتا ہوگا تو نمبر ۱۵ لکھتا ہوگا؟ اسی طرح اگر کسی کے اعداد ۴۲۰ نکل آئے یا ۳۰۲ تو کیا ہوگا؟ ماں کو ۹۱ نمبر سے بلائیں گے کیا؟ پھر تو ماں باپ اور عزیز واقارب نہ ہوئے، مختلف روٹ پر چلنے والی ویگنیں اور بسیں ہوگئیں۔

قارئینِ کرام! حقیقتاً علم الاعداد اور حروفِ ابجد خفیہ زبان (کوڈ ورڈز) ہیں جنھیں عامۃ الناس دین کا حصہ بنا چکے ہیں، حالانکہ قرآن و احادیث تو دور کی بات، ائمہ وفقہا سے بھی اس کا ثبوت مہیا کرنا ناممکن ہے۔[1]

''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے بجائے ۷۸۶ لکھنا لغو اور مہمل ہے۔ مسلمانوں میں یہ عدد کب سے رائج پذیر ہوا، اس کا سراغ نہیں ملا۔ تاہم ''صدقِ جدید'' لکھنو میں مولانا عبدالحفیظ رحمانی لکھتے ہیں:

''یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ رواج یہود اور ہنود سے متاثر ہوئے بغیر نہیں آیا۔ جس طرح یہودیوں میں ان کے اسرار بیان کیے جاتے ہیں، اسی طرح ہنود میں بھی اعداد کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ تفصیل کے لیے ویدوں کی تعلیم وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

''ظاہر ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے اعداد کا رواج ابتدائی مرحلے میں یا تو بطورِ تفنّن اور جدّت ہوا ہے یا اس کے پیچھے یہودی ذہن کارفرما تھا۔ یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' نہ صرف مسنون ہے، بلکہ قدیم سے اسلام کا شعار

[1] ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور (۲۵ر دسمبر ۱۹۹۲ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ قرآنِ حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ مکتوب کا سرنامہ ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ عمل قدامت کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ انبیائے سابقین علیہم السلام بھی اس کے پابند رہے۔

”آخر میں نبیِ آخر الزماں حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کی اہمیت پر مہرِ تصدیق وعمل ثبت فرما دی۔ اب اس میں نہ کسی ترمیم کی گنجایش ہے نہ حذف و اضافہ کی۔ اس لیے ۷۸٦ کی طرح کی کاوشوں کو بدعت وخلافِ سنت کہنے کے بجائے مستحسن کہنا زیادتی ہے، البتہ حیرت اس بات پر ضرور ہوتی ہے جو ۷۸٦ کو مستحسن قرار دینے کے لیے یہ بودی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خطوط وغیرہ میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ لکھنے سے اس کی بے حرمتی اور بے ادبی ہوتی ہے، عموماً خط پڑھ کر لوگ اِدھر اُدھر ڈال دیتے ہیں، کوئی اس کا لحاظ نہیں رکھتا کہ اس میں آیتِ قرآنی لکھی ہوئی ہے۔ اس طرح کی دلیل پیش کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر انھوں نے ۷۸٦ کو ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کا بدل اور ہم وزن قرار دیا ہے تو ۷۸٦ کی بے حرمتی ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کی بے ادبی کے مترادف ہوگی۔ اس کے علاوہ اخباروں میں نہ جانے کتنی آیاتِ قرآنی چھپتی رہتی ہیں اور وہ اخبارات پڑھ کر لاپروائی سے ڈال دیے جاتے ہیں یا اکٹھا ہونے کے بعد کسی دکاندار کے ہاتھ فروخت کر دیے جاتے ہیں۔ پھر ان کا حشر کیا ہوتا ہے؟ سب کو معلوم ہے۔

”اور اگر ایسا نہ ہوتا ہو تو بھی محض اس اندیشے کی بنیاد پر کسی آیت کو ترک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی ترغیب دینا انتہائی جسارت کی بات ہے۔ اس طرح کا ذہن رکھنے والوں کو نبی آخر الزماں ﷺ کے مکتوباتِ گرامی پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے جو کافر سربراہانِ حکومت کے نام بھیجے گئے ہیں، جن سے کسی طرح کے احترام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اُن مکتوباتِ گرامی کا سرنامہ بھی "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" تھا، جبکہ ایک سربراہِ مملکت نے مکتوب کی بے حرمتی کی بھی تھی۔

''پھر بحیثیت ایک مسلمان یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کاموں کی ابتداء میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہنے کا حکم صراحتاً موجود ہے۔ اس حکم پر عمل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کرنا یا اصل حکم کی صورت بدل دینا ناروا اور مذموم حرکت ہے۔'' [1]

[1] بحوالہ ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور (جلد ۱۵، شمارہ ۳۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قراءتِ سورۃُ الفاتحہ

دعائے استفتاح "سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ..." یا "اَللّٰهُمَّ بَاعِدۡ بَيۡنِيۡ..."، پھر "اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ..." اور "بِسۡمِ اللّٰهِ..." کے بعد نماز میں بحالتِ قیام سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

فضیلت:

سورۃ الفاتحہ انتہائی فضیلت و برکت والی سورت ہے۔ اسے الفاتحۃ، اُمُّ الکتاب، اُمُّ القرآن، القرآن العظیم، السبعُ المثانی، فاتحۃ الکتاب، الرّقیۃ (دَم)، الحمد، الصلوۃ، الشفاء، الکافیۃ، الوافیۃ اور الکنز جیسے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔[1] مولانا عبدالستار صاحب رحمہ اللہ نے تو "تفسیر ستاری" میں اس کے تیس نام ذکر کیے ہیں۔[2]

فاتحہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز، مضمون یا کتاب کا افتتاح ہو۔ قرآنِ کریم کا افتتاح چونکہ اسی سورت سے ہوتا ہے، لہٰذا اس کا نام "الفاتحۃ" اسی مناسبت سے ہے، بالفاظِ دیگر یہ نام "دیباچہ" اور "آغازِ کلام" کا ہم معنیٰ ہے۔[3]

فرضیت:

نماز کی ہر رکعت میں امام اور منفرد (اکیلے نمازی) کے لیے سورۃ الفاتحہ کا

---

1. تفسیر الکشاف (۱/ ۲۳، ۲٤ دارالمعرفۃ بیروت) تفسیر ابن کثیر (۱/ ۸، ۹ طبع بابی مصر و دارالمعرفۃ بیروت) و دیگر کتب تفسیر.
2. تفسیر ستاری (۱/ ٦٨۔۹۲) طبع چہارم، مکتبہ ایوبیہ کراچی۔
3. تفہیم القرآن، مولانا مودودی (۱/ ٤٢) مکتبہ تعمیرِ انسانیت لاہور، طبع۱۹ ۱۹۸۱ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھنا تمام ائمہ وفقہا اور محدّثینِ کرام کے نزدیک بلا اختلاف فرض ہے اور اس سلسلے میں فرض ونفل اور بلند آواز یا پست آواز والی قراءت سے پڑھی جانے والی نمازوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

١ اس سلسلے میں صحیحین، سننِ اربعہ اور دیگر متعدد کتبِ حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی دس حدیثیں ایسی ہیں، جن سب ہی سے فاتحہ کی فرضیت کا پتا چلتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔ اس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»[1]

''جس نے سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی، اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔''

٢ صحیح مسلم اور موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«مَـنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ...... ثَلَاثًا ...... غَيْرُ تَمَامٍ»[2]

''جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی، اس کی وہ نماز ناقص ہے ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی کہ ...... وہ نماز ناقص و نامکمل ہے۔''

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٣٧) صحيح مسلم مع نووی (٢/ ٣/ ١٠٠) مشكاة المصابيح (١/ ٢٦٢) بتحقيق شيخ الباني، جزء القراءة امام بخاری مترجم اردو (ص: ٢٧) طبع إحياء السنة گھرجاکھ گوجرانوالہ۔ بقیہ نو احادیث ہم نے قراءتِ فاتحہ سے متعلق اپنی تفصیلی کتاب میں درج کر دی ہیں، جو الگ سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کا مطالعہ آپ کے تمام شکوک وشبہات کو زائل کر دے گا۔ ان شاء اللہ

[2] موطأ مع الزرقاني (١/ ١٧٥۔ ١٧٧) و مسلم بحوالہ مشكاة (١/ ٢٦٢) و ابن كثير (١/ ٩) بيروت.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی حدیث میں آگے نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ»

''میں نے نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔''

نماز کی اس تقسیم کی وضاحت میں ''نماز'' سورۃ الفاتحہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس سورت کا نام ''الصلاۃ'' بھی ہے۔ یہ حدیث نماز میں سورۃ الفاتحہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔

مقتدی کے لیے حکم:

مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں عہدِ قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ مقتدی کم از کم سورۃ الفاتحہ تو ضرور پڑھے اور دوسرے فریق کے نزدیک مقتدی کا صرف خاموشی سے سننا ہی ضروری ہے۔

قائلینِ قراءت:

امام ترمذی نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ مقتدی کو بھی بہرحال سورۃ الفاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے، اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ میں سے اکثر اہلِ علم کا عمل رہا ہے۔ امام مالک، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ بھی امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔[1]

بعض ائمہ و علمائے احناف کا اختیار:

مذکورہ کبار ائمہ مجتہدین کے علاوہ بعض ائمہ و علمائے احناف نے بھی اس موضوع کی احادیث اور سورۃ الفاتحہ کی فضیلت، نیز احتیاط کے پیشِ نظر مقتدی کے لیے سورۃ الفاتحہ کو اگر ضروری نہیں کہا تو کم از کم مستحسن (بہتر) قرار دیا ہے۔ ان سب

[1] ترمذي مع تحفة الأحوذي (٢/ ٢٣٠) طبع مدني و بيروت.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

علما کے کلام سے اقتباسات تو باعثِ طوالت ہوں گے، وہ ہم نے اس مسئلے سے متعلقہ اپنی مفصّل کتاب میں ذکر کر دیے ہیں، یہاں صرف ان کے اسمائے گرامی اور حوالے کی کتابوں کے نام ذکر کر دیتے ہیں:

١ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ۔ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ٦/ ١٤)

٢ مشائخِ حنفیہ خصوصاً امام محمد رحمہ اللہ۔ (بقول ملا جیون، تفسیر احمدی، ص: ۴۲۷ کریمی بمبئی)

٣ سرّی نمازوں میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام محمد رحمہ اللہ۔ (هداية: ١/ ١٠١ و مع شرح فتح القدير: ١/ ٢٤١، عمدة الرعاية حاشيه شرح وقاية: ١/ ١٥٣ از مولانا عبدالحي حنفى لكهنوي، فصل الخطاب علامه كاشميرى، ص: ٢٩٨، مع الكتاب المستطاب)

٤، ٥ امام محمد کے شاگرد امام ابو حفص کبیر اور شیخ التسلیم نظام الدین بیروی۔ (مسك الختام نواب صديق حسن خان: ١/ ٢١٩، إمام الكلام، ص: ٣٨، فتاویٰ اولیائے کرام وفقہائے عظام، ص: ۲۴ طبع شارجہ، تحقيق الكلام، ص: ٨)

٦ علامہ انور شاہ کاشمیری۔ (العرف الشذي، ص: ٤٧)

٧ ابو منصور ماتریدی۔ (تفسيره بحواله العرف الشذي)

٨ دبوسی۔ (الاسرار بحواله العرف الشذى)

٩ ابوبکر رازی۔ (شرح مختصر الطحاوي بحواله العرف الشي)

١٠ امام رکن الدین علی السفری۔ (كتاب البناية شرح هداية عيني: ١/ ٧١٢)

١١ ملا علی قاری۔ (المرقاة شرح مشكوٰة: ٢/ ٣٠١ و فتح المغطا شرح موطا، قلمى ورق ٤٠)

١٢ نظام الدین اولیاء شیخ محمد احمد بدایونی دہلوی۔ (نزهة الخواطر: ٢/ ١٢٦ و مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت از مناظر احسن گیلانی: ۱/ ۱۳۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۳ امیٹھی اُودھ کے مرکزی بزرگ صوفی شیخ احمد فیاض۔ (بحوالہ گیلانی)

۱۴ حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحییٰ منیری۔ (بحوالہ گیلانی)

۱۵ شیخ حسین بن احمد بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔ (نزهة الخواطر: ۲/ ۲۹، الدر المنظوم: ۲/ ٦٦٦، ٦٦٧)

۱۶ شمس الدین مرزا مظہر جانِ جاناں۔ (مسك الختام شرح بلوغ المرام: ۱/ ۲۱۹، أبجد العلوم، نواب صديق حسن خان، ص: ۹۰۰، تقصار جيود الإحرار، ص: ۱۱۳)

۱۷ شاہ عبدالرحیم والدِ گرامی شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ (انفاس العارفين از شاه ولى الله، ص: ٦٩)

۱۸ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ (غيث الغمام حاشيه إمام الكلام لكهنوى ص: ۲۱۵، حجة الله البالغة: ۲/ ۹٤)

۱۹ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ۔ (فتاویٰ اولیائے کرام، ص: ۳۲۔ ۳۸)

۲۰ مولانا خرم علی بلہوری۔ (نزهة الخواطر ۷/ ۱۵۸)

۲۱ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بلاواسطہ شاگرد امام ابن المبارک۔ (ترمذی شريف: ٤١)

۲۲ شیخ عبدالرحیم حنفی۔ (مسك الختام: ۱/ ۲۱۹ و امام الكلام، ص: ۲۰، فتاوىٰ علمائے حديث: ۳/ ۱۳۰)

۲۳ شیخ حسن عجمی حنفی۔ (مسك الختام: ۱/ ۳۳۸، فتاوىٰ الاولياء، ص: ۲۹)

۲۴ مرزا حسن علی لکھنوی حنفی۔ (مسك الختام: ۱/ ۲۱۹)

۲۵ علامہ مرغینانی صاحبِ ہدایہ۔ (هدايه: ۱/ ۱۰۱ و مع شرحه فتح القدير: ۱/ ۲٤۱)

۲۶ علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی۔ (حاشيه هدايه وغيره، امام الكلام، ص: ۱۵٦، عمدة الرعاية: ۱/ ۱۷٤، التعليق الممجد، ص: ۹۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٢٧ علامہ ابن ہمام شارح ہدایہ۔ (شرح هدایه، ص: ١٣٧، وتوضيح الكلام مولانا إرشاد الحق أثري: ١/ ٥٨۔ تحقيق الكلام مبارك پوری، ص: ٥)

٢٨ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی۔ (فتاویٰ اولیائے کرام، ص: ٤٣، تاریخ دعوت وعزیمت، ندوی: ٤/١٧٤)

٢٩ شیخ محمد عابد سندھی حنفی۔ (المواهب اللطيفة شرح مسند الإمام أبي حنيفة بحواله التوضيح للأثري: ١/ ٣١)

٣٠ شاہ شمس الدین۔ (تقصار جيود الإحرار، ص: ١١٣ وفتاویٰ اولیائے کرام، ص: ٤٣)

٣١ شیخ محمد ارشد جونپوری۔ (نزهة الخواطر: ٨/ ٢٧٢)

٣٢ شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری۔ (النزهة: ٥/ ٣٦٩)

٣٣ علامہ رشید احمد گنگوہی۔ (سبيل الرشاد بحواله فتاوىٰ اولياء، ص: ٤٥)

٣٤ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ (ماہنامہ "فاران" شمارہ دسمبر ١٩٦٠ء، التوضيح: ١/ ٣٧)

٣٥ مولانا قاسم نانوتوی۔ (بحواله التوضيح: ١/ ٣٨)

٣٦ پیرِ پیراں شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (غنية الطالبين مترجم اردو، ص: ٢١۔ ٢٢)

٣٧ امام حماد استادِ امام ابوحنیفہ۔ (جزء القراءة إمام بخاري مع اردو ترجمه، ص: ٣٥)[1]

تبع تابعین، تابعین رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قائلینِ قراءت:

1 تبع تابعینِ کرام رحمہم اللہ میں سے عبداللہ بن عون، ایوب سختیانی، ابوثور، داود بن علی، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے قائلین میں سے تھے۔[2]

---

1 تفصیل اور اقوال و آراء کے لیے ہماری کتاب "قراءتِ سورۃ الفاتحہ" دیکھیں۔

2 تفسير قرطبي (١/ ١/ ٨٤، دار الكتب العلمية بيروت) شرح السنة للبغوي بتحقيق الأرناؤوط (٣/ ٨٥) الإعتبار حازمي (ص: ٩٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2 تابعینِ عظام رحمہم اللہ میں سے حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر، میمون بن مہران، مکحول، عروہ بن زبیر، شعبی، مجاہد، قاسم بن محمد، حماد اور عطاء رحمہم اللہ جیسے کبار ائمہ بھی قائلین قراءت میں سے ہیں اور آخر الذکر دو امام تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔[1]

3 نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمرِ فاروق، اُمّ المؤمنین عائشہ، علی المرتضیٰ، ابو ہریرہ، ابی بن کعب، حذیفہ، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمرو، ابو سعید خدری، ابن عباس، انس، ابنِ مسعود، جابر، ابن زبیر، ہشام بن عامر، خوات بن جبیر، عبداللہ بن مغفل، عثمانِ غنی، معاذ، ابو ایوب انصاری اور عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہم وجوبِ قراءت کے قائل تھے۔[2]

قائلین قراءت خلف الامام کے دلائلِ قرآن وسنت:

1 ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴾ [الحجر:٨٧]

”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو سات آیات دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم عنایت کیا ہے۔“

صحیح بخاری میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ”السبع المثاني“ سے مراد سورۃ الفاتحہ ہونا ثابت ہے۔[3]

کتبِ تفسیر و احادیث میں ”المثانی“ کا معنیٰ ہر نماز کی ہر رکعت میں بار بار

1 جزء القراءة للإمام بخاري (ص: ٣٤)

2 جزء القراءة للإمام البخاري (ص: ٣٤) شرح السنة (٣/ ٨٤، ٨٥) تفسير القرطبي (١/ ١/ ٨٤ـ ٨٥)

3 صحيح البخاري مع الفتح (٨/ ١٥٦، ١٥٧، ٣٠٨، ٣٨١، ٩/ ٥٤) موطأ مع الزرقاني (١/ ١٧٢، ١٧٤) ابن كثير (٢/ ٥٥٧)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دہرائی جانے والی آیات آیا ہے اور امام ومنفرد یا مقتدی کی کوئی تخصیص بھی نہیں ہے۔[1]

2 ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمّل: ٢٠]

''قرآن میں سے جو آسان ہو وہ پڑھو۔''

یہاں ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ سے مراد سورۃ فاتحہ ہے، جیسا کہ امام بخاری وسیوطی اور دیگر اہلِ علم نے وضاحت کی ہے۔[2]

3 ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾﴾ [النجم: ٣٩]

''ہر انسان کو اس کی سعی وکوشش ہی کام دے گی۔''

نماز میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا چونکہ فرض ہے، لہٰذا یہی فرض مقتدی پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ پڑھے گا تو اس کا یہ فریضہ ادا نہ ہوگا۔[3]

احادیثِ نبویہ ﷺ:

(①، ②) سورۃ الفاتحہ کی نماز میں ''فرضیت'' کے زیرِ عنوان حضرت عبادہ وابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی دو حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں۔ ان دونوں کا مفاد یہی ہے کہ مقتدی کو بھی سورۃ الفاتحہ پڑھنی چاہیے، جیسا کہ امام بخاری (صحيح البخاري ٢/ ٢٣٦، جزء القراءة، ص: ٢٧)، علامہ کرمانی (تحقيق الكلام، ص: ١٣)، علامہ قسطلانی (٢/ ٤٣٥ وتحقيق الكلام أيضاً)، علامہ قاسمی (تفسير محاسن التأويل: ٧/ ٢٩٣٤)، امام ترمذی (سنن الترمذي مع التحفة

[1] تفسير ابن كثير (٢/ ٥٥٧) تفسير الطبري (١٣/ ٥٤) الإتقان في علوم القرآن للسيوطي (١/ ٥٣)

[2] جزء القراءة للإمام بخاري (ص: ١٩) الإتقان (١/ ١٢)

[3] خير الكلام از حضرت العلام حافظ محمد محدّث گوندلوی (ص: ٦١-٦٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۲/ ۲۳۰)، علامہ عینی (عمدة القاري: ۳/ ٦/ ۱۰)، علامہ ابوالحسن سندھی (حاشیه السندي علی البخاري: ۱/ ۹۵)، امام نووی (شرح مسلم: ۲/ ٤/ ۱۰۳، المجموع: ۳/ ۳۲٦)، علامہ احمد شاکر (تعلیقه علی الترمذي)، امام خطابی (معالم السنن ۱/ ۱/ ۱۷۹ بیروت)، علامہ ابن عبدالبر (التمهيد شرح موطأ و تحقيق الكلام، ص: ۱۳)، علامہ یمانی امیر صنعانی (سبل السلام: ۱/ ۱/ ۱٦۹)، امام شوکانی (نيل الأوطار: ۲/ ۳/ ٤٦، دار المعارف الرياض)، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (فتح الباري: ۲/ ۲۳٦) اور علامہ احمد حسن محدّث دہلوی (حاشيه بلوغ المرام) نے تحقیقات پیش کی ہیں۔

(③۔⑮) صحیح مسلم و موطأ والی "حدیثِ خداج" کے معنیٰ و مفہوم کی تین احادیث اور بھی ہیں، جن میں سے ایک اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے (معجم طبرانی صغیر و کتاب القراءۃ بیہقی)، دوسری عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے (کتاب القراءۃ بیہقی) اور تیسری عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے (ابن ماجہ، جزء رفع الیدین امام بخاری) میں مروی ہے۔

اسی طرح حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی طرح انھی سے مروی نو احادیث اور بھی ہیں جن سے مقتدی کے لیے وجوبِ قراءت کی دلیل لی گئی ہے اور ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی "ابن حبان" (۵/ ۱۵۲) "سنن البيهقي" (۲/ ۱٦٦) میں مروی ہے، جو اس کی مؤید ہے۔

پچاس سے زیادہ احادیث:

پھر انھی پر بس نہیں بلکہ مقتدی کے لیے وجوبِ قراءتِ فاتحہ کا پتا دینے والی احادیث کی تعداد تو پچاس سے بھی متجاوز ہے۔ ان سب کو نقل کرنا باعثِ طوالت ہے۔ ہم یہاں صرف اسی اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔[1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: جزء القراءة إمام بخاري، كتاب القراءة إمام بيهقي، تحقيق ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ:

قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کتنے ہی آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین رحمہم اللہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ بھی امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نام یہ ہیں:

1. حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ۔ (جزء القراءة وتاريخ كبير إمام بخاري، دارقطني، سنن کبریٰ بیهقي، کتاب القراء: ة بیهقي، مستدرك حاكم)
2. حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ (جزء القراء ة، کتاب القراء ة، سنن کبریٰ بیهقي، دارقطني، حاكم)
3. حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (جزء القراء ة، کتاب القراء ة، سنن کبریٰ، معانی الآثار طحاوی)
4. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔ (جزء القراءة، کتاب القراءة، سنن کبریٰ، مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن أبي شيبة)
5. حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ (ابن ماجه، کتاب القراء ة، سنن کبریٰ)
6. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ (کتاب القراءة، سنن کبریٰ، معاني الآثار)
7. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ (جزء القراء ة، کتاب القراءة، سنن کبریٰ)
8. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (صحیح مسلم، أبي داود، ترمذي، ابن ماجه، موطأ إمام مالك)
9. حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ۔ (کتاب القراءة، سنن کبریٰ)

← الکلام علامہ مبارك پوری حصہ اوّل، توضیح الکلام مولانا اثری، جلد اول نماز میں سورۃ الفاتحہ مولانا کرم الدین سلفی (ص: ۱۲ تا ۱۷، طبع جامعہ سلفیہ بنارس) ہماری کتاب ”قراءتِ سورۃ الفاتحہ: فضیلت، مقتدی کے لیے حکم، ایک تحقیق“ مکتبہ کتاب وسنت۔ ریحان چیمہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

10 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (کتاب القراءۃ، سنن کبریٰ)

11 حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ۔ (جزء القراءۃ، کتاب القراءۃ، مصنف عبدالرزاق)

12 حضرت حمّاد، استاذِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ (جزء القراءۃ، إمام بخاري)

13 امام مکحول رحمہ اللہ۔ (أبي داود، سنن کبریٰ و کتاب القراۃ بیهقي)

14 حضرت حسن بصری رحمہ اللہ۔ (سنن کبریٰ، کتاب القراءۃ، مصنف عبدالرزاق، ابن أبي شيبة)

15 حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ۔ (موطأ إمام مالك، جزء القراءۃ، کتاب القراءۃ، عبدالرزاق)

16 امام مجاہد رحمہ اللہ۔ (جزء القراءۃ، إمام بخاري)

17 امام قاسم رحمہ اللہ بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ (جزء القراءۃ، کتاب القراءۃ، سنن کبریٰ)

18 امام زہری رحمہ اللہ۔ (مصنف عبدالرزاق)

19 امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ۔ (جزء القراءۃ، مصنف ابن أبي شيبة)

20 امام اوزاعی رحمہ اللہ۔ (کتاب القراءۃ، معالم السنن، محلی ابن حزم، شرح السنة)

21 اور امام عطاء، استاذِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ (جزء القراءۃ، کتاب القراءۃ، عبدالرزاق) جیسے کبار اہلِ علم بھی قائلینِ فاتحہ سے ہیں۔[1]

[1] ان تمام اقوال و آثار کی نصوص و ترجمہ اور تخریج و تحقیق کے لیے ہماری کتاب ''قراءت سورۃ الفاتحہ...'' دیکھیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مانعین قراءتِ فاتحہ:

تین ائمہ اور جمہور فقہا و محدّثینِ کرام تو مقتدی کے لیے قراءت فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ان کے دلائل اور اشارات ابھی گزرے ہیں، جبکہ کتنے ہی علمائے احناف بھی اسی رائے کے قائل اور اسی کے فاعل گزرے ہیں، البتہ اکثر احناف مقتدی کے لیے قراءتِ فاتحہ کے حق میں نہیں ہیں اور انھوں نے اپنے اس مسلک کی تائید کے لیے فریقِ اوّل کی طرح ہی آیات و احادیث اور آثار پیش کیے ہیں جن کا یکے بعد دیگرے بالتفصیل جائزہ ہم نے لیا ہے اور اہلِ علم کی تحقیقات کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ ان کے وہ تمام دلائل محض دلائل کی گنتی بڑھانے والی بات ہے، ورنہ ان میں کوئی خاص ''جان'' نہیں۔ بعض اشیاء صحیح ہیں تو وہ اس مسئلے میں صریح نہیں اور اگر کوئی صریح ہے تو وہ صحیح نہیں، حتیٰ کہ حسن درجہ کی بھی نہیں۔ ان سب تفصیلات کو ہم نے اس مسئلے پر اپنی تفصیلی کتاب میں ذکر کر دیا، لہٰذا یہاں ان سب کا نقل کرنا اب ضروری نہیں سمجھتے۔[1]

عطرِ گل:

ماضی قریب کے ایک معروف حنفی محقّق علامہ عبدالحی لکھنوی نے اپنی تحقیقات کا نچوڑ (عطرِ گل) ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بات واضح ہے کہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام کا پتا دینے والی صحیح احادیث کا مقابلہ و معارضہ کرنے والی کوئی بھی مرفوع حدیث نہیں ہے۔''

آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:

''کسی مرفوع و صحیح حدیث میں قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت وارد

[1] تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''قراءت سورۃ الفاتحہ...'' دیکھیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوئی اور اس سلسلے میں جتنی بھی احادیث ہیں وہ یا تو ''لا اصل'' ہیں یا پھر وہ از روئے سند صحیح نہیں ہیں۔''[1]

ایسے ہی اپنی دوسری کتاب ''السعاية'' اور ''إمام الکلام'' میں لکھا ہے:

''نبی کریم ﷺ سے قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کسی قابلِ اعتماد سند سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔''[2]

مدرکِ رکوع کی رکعت:

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے اس سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو اُس وقت آ کر امام و جماعت سے ملے، جب امام رکوع میں جا چکا ہو تو اس مقتدی کی وہ رکعت شمار کی جائے گی یا نہیں؟

مدرکِ رکوع کی رکعت کا یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور کچھ محدّثینِ کرام و محقّقین عظام، جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں اور علمائے اہلحدیث کا کہنا ہے کہ اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی، کیوں کہ اس سے دو اہم اجزائے نماز چھوٹ گئے ہیں:

1. قیام، جو بالاتفاق نماز کا رکن ہے۔
2. سورۃ الفاتحہ، جو نہ اس نے امام سے سنی اور نہ خود ہی پڑھی۔

نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی رکن کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، جبکہ رکوع میں ملنے والے کا رکنِ قیام ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی سورۃ الفاتحہ بھی چھوٹ گئی ہے، لہٰذا اس کی وہ رکعت کیسے شمار کی جائے گی؟

[1] التعليق الممجد على موطأ إمام محمد (ص: ٩٩ طبع كراچی)

[2] السعاية (٢/ ٣٠٢) و إمام الكلام (ص: ٢٨٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

فریقِ ثانی:

رکوع میں مل جانے سے رکعت ہو جاتی ہے، یہ فریقِ ثانی کی رائے ہے۔ ان کا استدلال جن احادیث سے ہے، ان میں معروف چار ہیں اور ان میں سے بھی تین تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، جبکہ خود اُن کا اپنا فتویٰ وعمل یہ رہا ہے کہ رکوع پانے والے کی رکعت کو شمار نہیں کرتے تھے اور چوتھی حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو صحیح تو ہے، لیکن اپنے مقصود میں صریح نہیں بلکہ محتمل ہے۔ ان چاروں احادیث کی اسناد ومتن پر ہم نے تفصیلی بحث اس موضوع سے متعلق اپنی مستقل کتاب میں کی ہے جسے اختصار کے پیشِ نظر یہاں ہم نقل نہیں کر رہے۔ اس طویل بحث کا نتیجہ یہی ہے کہ رکوع کی رکعت نہ شمار کرنے والوں کا پلڑا از روئے قوتِ دلیل بھاری ہے۔[1]

لہٰذا از روئے دلیل اور از روئے احتیاط یہی بہتر ہے کہ ایسا موقع آجائے تو اس رکعت کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر پڑھ لیں۔ ایسے اختلافی امور میں اکمل (زیادہ کامل) شکل کو اختیار کرنا ہی اَحوط واولیٰ ہے اور اکمل اس رکعت کا اٹھ کر پڑھنا ہی ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ

[1] ''قراءت سورۃ الفاتحہ'' از مولف ورسالہ ''مدرکِ رکوع کی رکعت؟'' از مولف۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آمین

سورۃ الفاتحہ کی قراءت کے مکمل ہونے پر بالاتفاق ''آمین'' کہی جاتی ہے۔

آمین کا معنیٰ:

① آمین دراصل ایک دعا ہے، جس کا معنیٰ ہے:

''اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ'' ''اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔''

② یا پھر یہ معنی بیان کیا گیا ہے:

''کَذٰلِكَ فَافْعَلْ'' ''اے اللہ! ایسے ہی کرنا (جیسے طلب کیا گیا ہے)۔''

③ بعض نے یہ معنیٰ ذکر کیا ہے:

''کَذٰلِكَ فَلْیَکُنْ''[1] ''ایسے ہی ہو۔''

فضلیت و اہمیت اور امرِ نبوی ﷺ:

امام و مقتدی اور منفرد، حتیٰ کہ عام تلاوت کرنے والے، سب کا سورۃ الفاتحہ مکمل کرنے کے بعد آمین کہنا صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس میں ائمہ مذاہب کے مابین کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو......''

اس حدیث کے آخر میں اس کے ایک راوی امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] اقتصاد (ص: ٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”نبی اکرم ﷺ بھی آمین کہا کرتے تھے۔“[1]

صحیح بخاری و مسلم، ابو داود و نسائی اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [الفاتحة: ۷] کہے تو تم آمین کہو، جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے مل گیا، اس کے پہلے گناہ بخشے گئے۔“[2]

آمین سے چِڑنے پر وعید:

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”یہودی تمھارے ساتھ اتنا حسد کسی دوسری بات پر نہیں کرتے جتنا حسد وہ تمھارے باہم سلام کہنے اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔“[3]

عملِ مصطفوی ﷺ:

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھا تو آمین کہا اور اپنی آواز کو لمبا کھینچا۔“[4]

---

(1) صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٦٢) مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ١٢٨، ١٢٩) سنن أبي داود مع العون (٢/ ٢١١، ٢١٢) ترمذي مع التحفة (٢/ ٧٨) صحيح النسائي للالباني (١/ ٢٠١) موطأ مع التنوير (١/ ١/ ١٠٨-١١١) شرح السنة بغوي (٣/ ٦٠) المحلىٰ لابن حزم (٣/ ٢٦٤) إرواء الغليل للألباني (٢/ ٦٢) مشكوٰة بتحقيق الألباني (١/ ٢٦٣)

(2) صحيح البخاري (٢/ ٢٦٦) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٢٩) أبي داود (٢/ ٢٠٩) صحيح النسائي (١/ ٢٠١)

(3) الأدب المفرد (ص: ٤٣٧، طبع اوقاف متحده عرب امارات) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١١٥) صحيح الترغيب والترهيب للألباني (١/ ٢٧٨) فتح الباري (١١/ ٢٠٠) وصححه الألباني في صفة الصلاة (ص: ٥٣)

(4) جزء القراءة للإمام بخاري مترجم اردو (ص: ١١٦) أبي داود (٣/ ٢٠٥) ترمذي (٢/ ٦٥-٦٦) صفة صلاة النبي للألباني (ص: ٥٣) سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني أيضاً (١/ ٧٥٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

غرض احادیثِ نبویہ ﷺ میں بلند آواز سے آمین کہنے کا بکثرت تذکرہ آیا ہے۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی مستقل کتاب ''آمین......'' میں آمین بالجہر کے بارہ دلائل۔ صرف حدیثِ شریف سے ذکر کیے ہیں، لہٰذا اختصار کے پیشِ نظر ہم انھیں یہاں نقل نہیں کر رہے۔

عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مصنف عبدالرزاق، سنن کبریٰ بیہقی اور کتاب الاُمّ شافعی میں موصولاً مروی ہے، امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آمِينُ دُعَاءٌ. أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَّرَاءَهُ حَتّٰى اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً"[1]

''آمین ایک دعا ہے۔ حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور ان کے پیچھے والوں نے بھی آمین کہی، یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔''

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کا پتا دینے والے متعدد آثار ہیں جن کی تفصیل ہماری متعلقہ کتاب میں درج ہے۔[2]

غرض ان آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رُو سے اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے انکار بھی نہ کرنے سے تو پتا چلتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا گویا اجماع و اتفاق تھا اور ''اصولِ فقہ حنفی'' کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم تسلیم کیا جائے۔[3]

ائمہ و فقہا:

ائمہ کرام رحمہ اللہ میں سے امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ (رحمہم اللہ)

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٢٦٢) الفتح الرباني، أحمد عبدالرحمٰن البنا (٣/ ٢٠٦)

[2] ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب: ''آمین: معنیٰ ومفہوم، فضیلت، امام ومقتدی کے لیے حکم'' جسے ہماری ویب سائیٹ سے فری ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں: www.kitab-o-sunnat.com

[3] تحفة الأحوذي شرح ترمذي (٢/ ٦٩) المغني (٢/ ١٦٠۔ ١٦٢) بتحقيق التركى و زاد المعاد علامة ابن قيم (١/ ٢٠٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی آمین بالجہر کے قائل و فاعل تھے۔[1]

بڑے بڑے علمائے احناف بھی جہر کے قائل تھے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ (فتاویٰ اولیائے کرام وفقہائے عظام، ص: ۳۴ طبع شارجہ)، ان کے بھتیجے (محض برسبیلِ تذکرہ) شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ (تنویر العینین، ص: ۷۱)، امام ابن الہمام (فتح القدیر شرح هدایه: ۱/ ۱۱۷)، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (التعليق الممجد علیٰ موطا امام محمد، ص: ۱۰۵، فتاویٰ عبدالحي: ۱/ ۱۷۵، ۲/ ۲۷۰، السعاية حاشيه شرح وقاية: ۱/ ۱۳٦)، شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ (مدارج النبوة، ص: ۲۰۱، بحوالہ آمین بالجہر مولانا نورحسین گھرجاکھی، ص: ۲٦)، علامہ سراج احمد سرہندی رحمہ اللہ (شرح ترمذی بحواله إبكار المنن علامه عبدالرحمن مبارك پوری، ص: ۱۸۱)، امیر ابن الحاج (التعليق الممجد، ص: ۱۰۵)، مولانا عبدالعلی بحر العلوم لکھنوی (ارکان الاسلام [ارکانِ اربعہ] بحوالہ آمین بالجہر مولانا نورحسین گھرجاکھی، ص: ۲٦)، امام طحاوی رحمہ اللہ (ردّ المحتار حاشيه درمختار المعروف فتاویٰ شاميه، بحواله آمين بالجهر أيضاً)، ابن الترکمانی ماوردی (الجوهر النقی حاشيه سنن بيهقی بحواله عمدة القاري: ۳/ ٦/ ۵۱ و آمين بالجهر أيضاً)، علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (سبيل الرشاد، ص: ۲۰، و فتاویٰ رشيديه، ص: ۷۲) نے کہا ہے۔

یہاں ان دس معروف علمائے احناف کے اسمائے گرامی اور حوالے کی کتابوں کے نام ذکر کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے اس مسئلے سے متعلق اپنی کتاب میں دے دی ہے۔[2]

---

[1] ترمذي مع التحفة (۲/ ٦٨، ٦٩)

[2] دیکھیں: کتاب ''آمین، معنیٰ ومفہوم، فضیلت، حکم'' زیرِ عنوان ''علما وفقہائے احناف''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض دیگر علما:

علامہ زیلعی رحمہ اللہ بہت بڑے حنفی عالم و محدّث ہیں۔ ہدایہ کی تخریج "نصب الرایۃ" میں انھوں نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (مذکور زیرِ عنوان "عملِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم") کے تمام طُرق ذکر کر کے کسی پر کوئی کلام نہیں کیا، جو ان کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔[1]

اسی طرح علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں آمین بالجہر کی حدیث کو تقریباً صحیح مانا ہے۔[2] علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک آمین بالجہر میں پایا جانے والا اختلاف صرف افضل و غیر افضل کا ہے، محض جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔[3] بعینہٖ یہی معاملہ مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔[4]

معروف صوفی محی الدین ابن عربی بھی آمین بالجہر کے قائل تھے۔[5] امام غزالی رحمہ اللہ بھی آمین بالجہر کو سنت قرار دیتے تھے۔[6] علامہ حصفکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مقتدی امام کی آواز سن کر آمین کہیں...اور جہر اُس کو کہتے ہیں کہ سب سنیں۔[7]

پیرِ پیراں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ:

مشہور و معروف بزرگ پیرِ پیراں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مریدانِ باصفا بھی نوٹ کر لیں کہ انھوں نے اپنی کتاب "غُنیۃ الطالبین" میں

---

1. نصب الراية (١/ ٣٧٠، ٣٧١) طبع المجلس العلمي.
2. عمدة القاري (٣/ ٦/ ٥٣)
3. عمدة القاري (٣/ ٦/ ٥٣)
4. معارف الحديث (٣/ ٢٦٤) طبع لكهنؤ
5. بحوالہ آمین بالجہر گرجاکھی (ص:۲۱۔۲۲)
6. إحياء العلوم (............)
7. دُرِمختار حصفکی مترجم (۱/ ۲۳۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’ہیئاتِ نماز‘‘ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’قراءت وآمین میں جہر (جہری نمازوں میں) اور سر (سِرّی نمازوں میں)۔‘‘[1]

فریقِ ثانی:

فریقِ اوّل یعنی بلند آواز سے آمین کہنے کی رائے رکھنے والوں کے برعکس فریقِ ثانی کا اختیار یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے نہیں بلکہ امام ومقتدی جہری نمازوں میں بھی سراً ہی آمین کہیں۔ اپنے اس مسلک کی تائید میں وہ بعض روایات بھی پیش کرتے ہیں، جنھیں ہم نے اس موضوع سے متعلق اپنی مستقل کتاب ’’آمین......‘‘ میں ذکر کر کے اُن کا قدرے تفصیلی تجزیہ کیا ہے، جس کا دوحرفی نتیجہ یہ ہے کہ وہ روایات از روئے سند ومتن مختلف وجوہات کی بنا پر ان کی دلیل نہیں بن سکتیں، لہٰذا از روئے قوتِ دلیل اس مسئلے میں فریقِ اول یعنی بلند آواز سے آمین کہنے کی رائے رکھنے والوں کا پلہ بھاری ہے۔[2]

اس بنا پر ہمیں چاہیے کہ امام ہوں یا مقتدی، جہری نمازوں (فجر ومغرب وعشا وجمعہ وغیرہ) میں بڑے خوبصورت انداز کے ساتھ قدرے بلند آواز سے آمین کہیں جو اپنے علاوہ کچھ دوسروں کو بھی سنی جائے اور اس میں چیخ چنگھاڑ کی شکل بھی نہ ہو۔ یہی سنتِ رسول ﷺ، عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعاملِ ائمہ وعلمائے اُمّت ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ.

عورتوں کے لیے آمین بالجہر کے سلسلے میں کیا حکم ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے:

ا۔ اگر صرف عورتیں ہی ہوں اور انھیں کوئی عورت ہی جماعت کروا رہی ہو تو نبیِ اکرم ﷺ کی مطلق احادیث کی رو سے وہ سب بھی امام کے ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾

---

[1] غنیة الطالبین مترجم اردو (ص: ۲۲، ۲۳) طبع نفیس اکیڈمی، کراچی۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: آمین، معنیٰ ومفہوم، فضیلت، امام ومقتدی کے لیے حکم۔‘‘ بعنوان: ’’مانعینِ جہر کے دلائل‘‘ فری ڈاؤن لوڈ کیجیے: www.kitab-o-sunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کہنے کے بعد امام کے ساتھ ہی بلند آواز سے آمین کہنے پر مامور ہیں۔

ب۔ اگر وہ جمعہ وغیرہ پڑھ رہی ہیں اور وہاں دوسرے مرد بھی ہیں تو پھر بعض احادیث (امام کو لقمہ دینے میں عورت کو حکم) میں وارد ہونے والی احتیاط کے پیشِ نظر خواتین کو صرف اتنی آواز سے آمین کہنی چاہیے کہ ان کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔

کسی سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا:

نمازی جب سورۃ الفاتحہ پڑھ کر حسبِ موقع آمین کہہ لیں تو (ثنا وتعوّذ کے بعد ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق جو امام ومقتدی اور منفرد کے بارے میں بسم اللہ پڑھنے سے متعلق تھی) اب پھر ”بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ“ پڑھیں۔[1]

[1] المغني لابن قدامة (٢/ ١٦٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی سورت یا کسی سورت کی کچھ آیات پڑھنا

بسم اللہ پڑھ کر قرآنِ کریم کی کوئی بڑی یا چھوٹی سورت یا کسی سورت کا کوئی حصہ پڑھیں۔ کسی سورت یا اس کے کسی حصے کا پڑھنا تمام ائمہ وفقہا اور محدّثینِ کرام کے نزدیک سنت ومستحب ہے اور صحابہ میں سے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں، امام احمد، مالکیہ میں سے ابنِ کنانہ اور جماعتِ فقہا میں سے صرف احناف کے نزدیک فرض وسنت کے درمیان والے درجے پر یعنی واجب ہے۔[1]

کفایتِ فاتحہ اور عدمِ وجوبِ سورت کے دلائل:

اس سورت کے عدمِ وجوب کے متعلق متعدد دلائل ہیں اور ان دلائل سے ایک دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر ہی رکوع چلا جائے تو اس کی وہ رکعت صحیح ہوگی، چاہے وہ نماز فرض ہو یا نفل۔

پہلی دلیل:

صحیح بخاری ومسلم، ابو داود، بیہقی، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں ایک واقعہ مذکور ہے جس میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عشا مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھتے اور یہاں سے لوٹ کر اپنے قبیلہ ومحلّہ میں جاتے

[1] فتح الباري (٢/ ٢٥٢) المغني (٢/ ٢٦٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو انھیں جا کر جماعت کراتے تھے۔ ایک رات وہ لوٹے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، اُس رات ان کے قبیلہ بنی سلمہ کے ایک نوجوان سلیم نے بھی ان کے پیچھے نماز شروع کی، جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز کچھ لمبی کر دی (یعنی قراءت طویل کر دی) تو وہ نوجوان جماعت سے نکلا اور مسجد کے ایک کونے میں الگ سے انفرادی طور پر نماز پڑھ کر باہر نکلا، اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لی اور چل دیا۔

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ چکے تو انھیں یہ واقعہ بتایا گیا۔ انھوں نے کہا: اس نوجوان میں نفاق پایا جاتا ہے، میں اس کے اس فعل کی خبر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کروں گا۔ ادھر خود اُس نوجوان نے بھی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا کہہ سنانے کا تہیا کر لیا۔

صبح دونوں عدالتِ عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کے فعل کی خبر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کے پاس کافی دیر تک رہتے ہیں اور پھر جا کر جب ہمیں نماز پڑھاتے ہیں تو ہمیں نماز میں بہت دیر تک روکے رکھتے ہیں (یعنی لمبی قراءت کرتے ہیں) اس پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: «أَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ؟»

”اے معاذ! کیا تم ایسے کر کے لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟“

پھر اس نوجوان سے مخاطب ہو کر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

”اے میرے بھتیجے! تم نماز کیسے پڑھتے ہو؟“

اس نے جواب دیا:

”میں تو سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہوں، اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس کے ساتھ نارِ جہنم سے پناہ مانگتا ہوں، میں معاذ کی طرح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ادعیہ و اذکار نہیں جانتا ہوں۔“

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’میں اور معاذ بھی اسی طرح ہی نماز پڑھتے ہیں۔‘‘ [1]

اس واقعے سے کسی سورت یا اس کے کسی حصے کے عدمِ وجوب اور سورۃ الفاتحہ ہی کے کافی ہونے پر یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اس نوجوان سے نماز کی کیفیت و طریقہ پوچھا تو اس نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دوسری کسی سورت کا تذکرہ نہیں کیا اور نبیِ اکرم ﷺ نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

اگر سورۃ الفاتحہ کفایت کرنے والی نہ ہوتی اور دوسری کوئی سورت واجب القراءۃ ہوتی تو نبیِ اکرم ﷺ اُس وقت لازماً اس بات کی وضاحت فرما دیتے، کہتے کہ بوقتِ ضرورت کسی بات کی توضیح و تبیین نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس پر کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے جس سے کہ یہ استدلال مخدوش ہو جائے تو اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ بات صرف اسی حدیث میں وارد نہیں بلکہ اس بات کی تائید کئی دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل:

جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، مسند حمیدی، سنن کبریٰ، اور کتاب القراءۃ بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’ہر نماز میں قراءت کی جاتی ہے۔ پس جو کچھ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں سنایا، وہ ہم نے تمھیں سنا دیا اور جو کچھ آپ ﷺ نے مخفی (سراً) رکھا وہ ہم نے بھی آپ سے مخفی رکھا۔‘‘

اور آگے فرماتے ہیں:

’’اگر تم سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت نہ بھی پڑھو تو نماز ہو جائے

[1] صفة الصلاة (ص: ٥٦) مشكاة (١/ ٢٦٥) صحيح أبي داوٗد (١/ ١٥٠) و مع العون (٣/ ١١) ابن خزيمة (١/ ٢٦٢، ٢٦٣) سنن البيهقي (٣/ ١١٧) الإرواء (١/ ٣٢٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گی اور اگر پڑھ لو تو بہتر ہے۔‘‘[1]

صحیح بخاری کی اس حدیث پر بعض اہلِ علم (جیسے مولانا صفدر وغیرہ، احسن الکلام: ۲/ ۳۲) نے موقوف ہونے کا اعتراض کیا ہے، جبکہ علامہ بدر الدین عینی نے پہلے ہی اس اعتراض کو ردّ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ ہمیں نبیِ اکرم ﷺ نے سنایا اور جو کچھ آپ نے ہم سے مخفی رکھا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ نبیِ کریم ﷺ سے حاصل شدہ ہے۔ لہٰذا ان تمام امور کا حکم مرفوع کا ہوگا۔[2]

علامہ عینی والی یہ بات حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی ذکر فرمائی ہے۔[3]

کتاب القراءۃ بیہقی میں یہ حدیث موقوفاً بھی مروی ہے، لیکن وہاں الفاظ یہ ہیں:

«يُجْزِئُ فِي الصَّلَاةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ زَادَ فَهُوَ اَفْضَلُ»[4]

’’نماز میں سورۃ الفاتحہ کافی ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی اور سورت یا کسی سورت کی کچھ آیات پڑھ لے تو یہ افضل ہے۔‘‘

تیسری دلیل:

سنن دارقطنی، مستدرک حاکم اور کتاب القراءۃ بیہقی میں مروی وہ حدیث بھی ہے، جس میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اُمُّ الْقُرْآنِ عِوَضٌ مِنْ غَيْرِهَا، وَلَيْسَ غَيْرُهَا عِوَضٌ مِنْهَا»[5]

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٥١) سنن البيهقي (٢/ ٦١) كتاب القراءة مترجم اردو (ص: ٢٣) مسند حميدى (ص: ٢٨٤) طبع اهل حديث ٹرسٹ كراچى.
2. عمدة القاري (٣/ ٦/ ٣٣)
3. فتح الباري (٢/ ٢٥٢)
4. كتاب القراءة، مترجم اردو (ص: ٢٢، ٢٣)
5. مستدرك حاكم (١/ ٣٦٣) دارقطني (١/ ١/ ٣٢٢) كتاب القراءة (ص: ٢٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"سورۃ الفاتحہ باقی سورتوں کا عوض ہے اور دوسری کوئی سورت اس کا عوض نہیں ہے۔"

چوتھی دلیل:

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے جائیں کہ سورۃ الفاتحہ کے مختلف ناموں میں سے ایک "الکافیہ" بھی ہے، جیسا کہ فضائل و مسائلِ فاتحہ کے شروع میں بھی کچھ تفصیل گزری ہے۔ کافیہ کا معنیٰ ہے کفایت کرنے والی کہ صرف اسے ہی پڑھ لیا جائے تو یہ کفایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ اسے کافیہ اس لیے کہا گیا ہے:

"یہ سورت دوسری سورت کی قراءت سے کفایت کر جاتی ہے، لیکن دوسری کسی سورت کی قراءت اس سے کفایت نہیں کرتی۔"[1]

الغرض ذکر کیے گئے ان دلائل کی رُو سے سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت یا سورت کا کوئی حصہ ملانا سنت ہے، واجب نہیں۔ اگر کبھی کوئی صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر ہی رکوع کر لے تو وہ اسے کفایت کر جائے گی اور اس طرح بھی اس کی نماز صحیح ہوگی۔

یہاں ہم یہ بات بھی کہتے جائیں کہ اس طرح محض جائز ہے، لہٰذا اس جواز کو آڑ بنا کر ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ کوئی سورت ملائی ہی نہ جائے، بلکہ کسی سورت کا ملانا چونکہ سنت و مستحب ہے اور نماز سے باہر بالعموم اور دورانِ نماز بالخصوص تلاوتِ قرآن ایک عظیم کارِ ثواب ہے، لہٰذا سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملانی چاہیے تا کہ ثواب میں اضافہ ہو۔ اگر کبھی کبھار کسی وجہ سے کوئی جلدی ہو تو اس جواز پر عمل کیا جا سکتا ہے، تا کہ ارکانِ نماز میں توڑ پھوڑ نہ کرنی پڑے کہ نہ رکوع، نہ قومہ، نہ سجدہ، سب

[1] دُر منثور، سیوطي (۱/ ۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک حرکت مسلسل ہی ہو جسے نمازی نماز سمجھے رہے، بلکہ اس جواز پر عمل کر لے اور ارکانِ نماز کو اطمینان کے ساتھ اور مکمل طور پر ادا کرے۔

"فصاعداً" کی بحث پر نظرِ ثانی:

بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے وجوبِ سورت کی طرف اشارہ ملتا ہے اور ان سے ہماری مراد وہ احادیث ہیں جن میں: ﴿لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ اور ان کے ہم معنیٰ الفاظ کے بعد "فَصَاعِدًا"، "فَمَا زَادَ"، "وَمَا تَيَسَّرَ" وغیرہ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ ان الفاظ سے وجوبِ زائد علی الفاتحہ پر استدلال بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ صاحبِ فتح الباری نے نقل کیا ہے۔[1]

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ معلول و شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف اور ناقابلِ حجت و استدلال ہیں، جس کی تفصیل "جزء القراءة إمام بخاري" (ص: ۲۰) مع ترجمہ اردو طبع ادارہ احیاء السنہ گھرجاکھ گوجرانوالہ۔ "التلخيص الحبير" (۱/ ۱/ ۲۳۰) حافظ ابن حجر طبع و توزیع جامعہ سلفیہ فیصل آباد۔ "الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان" (۵/ ۸۷) بتحقیق شیخ ارناؤوط۔ "عون المعبود شرح أبي داود" (۳/ ٤٤) طبع مدنی۔ سنن ترمذی کا حاشیہ "العرف الشذی" (ص: ۱۵۰) علامہ انور شاہ کاشمیری۔ "كتاب القراءة بيهقي" (ص: ۲۲۔ ۲۵) مترجم اردو طبع ادارۂ احیاء السنۃ گھرجاکھ۔ "تحقيق الكلام" (۱/ ۳۸) مبارک پوری طبع فاروقی کتب خانہ ملتان، میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نئے نمازی، نومسلم اور عاجز کے لیے قراءت کا حکم:

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بڑھاپے میں جا کر راہِ ہدایت پر آیا اور اس نے نماز شروع کی، جبکہ اسے سورۃ الفاتحہ اور دوسری کوئی سورت زبانی یاد نہیں

[1] فتح الباري (۲/ ۲٤۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، یا پھر ایک آدمی حال ہی میں مسلمان ہوا اور مسلمان ہوتے ہی اس پر نماز تو فرض ہوگئی، جو اسے ادا کرنی ہوگی، اسے بھی سورۃ الفاتحہ اور قرآن کا دوسرا کوئی حصہ یاد نہیں ہے اور قراءتِ فاتحہ کی اہمیت ذکر کی جا چکی ہے، اب یہ لوگ اس سلسلے میں کیا کریں؟

اس کا جواب بھی کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ سنن ابی داود، نسائی، دارقطنی، بیہقی، طیالسی، مستدرک حاکم، ابن حبان، ابن خزیمہ، مسند حمیدی، شرح السنہ بغوی، مصنف عبدالرزاق، کتاب القراءۃ بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن ابی عوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

”مجھے قرآن میں سے کچھ نہیں آتا۔ مجھے وہ سکھا دیں جو میرے لیے کافی ہو۔“

اس پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہا کرو:

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

”اللہ پاک ہے، تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور مجھ میں نیکی کرنے یا برائی سے بچنے کی طاقت نہیں ہے سوائے اللہ کی توفیق کے۔“

اس آدمی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو سب اللہ کی تعریفیں ہیں، میرے لیے کیا ہے؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی کہا کرو:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي﴾

”اے اللہ! مجھ پر رحم فرما، اور مجھے رزق عطا کر، اور مجھے عافیت بخش اور مجھے ہدایت دے۔“

جب وہ آدمی اٹھ کر چلا گیا اور اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا گیا کہ وہ ان

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کلمات کو یاد رکھے گا، تب آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: ﴿اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَهُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ [1]

''اس نے خیر و برکت سے اپنے دونوں ہاتھوں کو بھر لیا (جھولی بھر لی)۔''

یہ حکم جس طرح نئے راہِ ہدایت پر آ کر نماز شروع کرنے والے پیر و جوان مسلمان کے لیے ہے، اسی طرح نئے نئے اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرنے والے نومسلم کے لیے بھی ہے۔

کسی سورت یا اس کے کسی حصے کی قراءت والی رکعتیں:

قراءتِ سورۃ الفاتحہ کا تعلق تو نماز کی ہر رکعت سے ہے اور نمازی اکیلا ہو یا مقتدی و امام اس میں کوئی فرق نہیں، جبکہ دوسری کوئی سورت یا کسی سورت کا حصہ نمازِ فجر و جمعہ کی دونوں رکعتوں میں، سنن و نوافل کی بھی تمام ہی رکعتوں میں، دو ہوں یا چار، نمازِ وتر کی تینوں رکعتوں میں، نمازِ ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی صرف پہلی دو دو رکعتوں میں سنت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ابن خزیمہ اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت ذرا طویل ہوا کرتی تھی اور دوسری اس سے کچھ چھوٹی، اور کبھی کبھی آپ ﷺ کسی آیت کی قراءت سنا دیتے تھے۔ اور عصر میں بھی سورۃ الفاتحہ اور کوئی دو سورتیں پڑھتے تھے۔ فجر کی

[1] سنن أبي داوٗد مع العون (٣/ ٦٠۔ ٦١) و صحيح أبي داوٗد (١/ ١٥٧) ابن حبان (٥/ ١١٥) الإحسان بتحقيق الأرناؤوط) الإرواء (٢/ ١٢۔ ١٣) صحيح نسائي (١/ ٢٠١ مختصراً) المنتقىٰ مع النيل (٢/ ٣/ ٦٣) ابن خزيمة، رقم الحديث (٥٤٤) شرح السنة (٣/ ٨٩) كتاب القراءة اردو (ص: ٦٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی رکعت کو ذرا لمبا کرتے اور دوسری کو ذرا چھوٹا رکھتے تھے۔‘‘[1]

جبکہ ابو داود، ابن خزیمہ، ابن حبان اور مصنف عبدالرزاق میں پہلی رکعت میں قراءت کو طویل کرنے کا سبب بھی یہ مذکور ہے:

’’ہمارا خیال ہے کہ اس طرح آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت کو باجماعت پالیں۔‘‘[2]

مصنف عبدالرزاق میں ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ امام عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا:

’’میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ امام ہر نماز کی پہلی رکعت کو ذرا لمبا کرے، تاکہ زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہوسکیں۔‘‘[3]

ایسے ہی صحیح بخاری و ابو داود میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ ابو معمر کہتے ہیں:

’’میں نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبیِ اکرم ﷺ ظہر و عصر میں کسی سورت کی قراءت فرماتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: آپ کو اس بات کا کیسے پتا چلتا تھا؟ کہنے لگے: آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے سے۔‘‘[4]

نمازِ وتر کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد نبیِ اکرم ﷺ کا کسی سورت کو پڑھنا اس حدیث سے واضح ہے۔ چنانچہ سنن نسائی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ

---

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٣٤٣) صحيح مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ١٧١) مشكاة (١/ ٢٦٤) فقه السنة (١/ ١٥١) المنتقىٰ (٢/ ٣/ ٦٤)
2. صحيح أبي داود (١/ ١٥١، ١٥٢) و صححه الألباني في صفة الصلاة (ص: ٦١) فتح الباري (٢/ ٢٤٤) النيل (٢/ ٣/ ٦٥)
3. بحواله الفتح أيضاً.
4. صحيح البخاري (٢/ ٢٤٤، ٢٤٥) صحيح أبي داوٗد (١/ ١٥٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نمازِ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴾ دوسری میں ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ﴾ اور تیسری میں ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ پڑھا کرتے تھے، جبکہ ترمذی میں ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ کے ساتھ ہی ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ بھی ملا لیا کرتے تھے۔[1]

ایسے ہی نمازِ مغرب و عشا والی پہلی دونوں رکعتوں میں بھی فاتحہ کے بعد دو دو سورتیں پڑھنا مسنون ہے اور اس کا پتا بھی احادیثِ رسول ﷺ سے چلتا ہے جس کی تفصیل مختلف نمازوں کے لیے ثابت شدہ قراءت کے ضمن میں آ جائے گی۔ إن شاء اللّٰہ۔ اسی طرح جمعہ و عیدین کا معاملہ بھی ہے، جن کی تفصیل ان کے مواقع پر آتی جائے گی۔ نمازِ مغرب کی تیسری رکعت اور ظہر و عصر اور نمازِ عشا کی آخری دو رکعتوں میں صحیح بخاری و مسلم میں وارد بعض احادیث کی رو سے صرف سورۃ الفاتحہ ہی پڑھی جائے گی۔[2] چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''نبی اکرم ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی دو سورتیں پڑھتے تھے، آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی کوئی آیت ہمیں بھی سنا دیتے تھے۔ آپ ﷺ پہلی رکعت کو ذرا لمبا کرتے تھے، دوسری کو اس سے چھوٹا رکھتے تھے۔ اسی طرح نمازِ عصر میں کرتے اور اسی طرح ہی نمازِ فجر میں۔''[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے: ''بَاب يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ'' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جو حکم چار

---

1. صفة الصلاة (ص: ٦٨)
2. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٦٠)
3. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٦٠) مشكاة (١/ ٢٦٤) صفة الصلاة (ص: ٦١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رکعتوں والی نماز کی آخری دو رکعتوں کا ہے، وہی حکم نمازِ مغرب کی تیسری رکعت کا بھی ہے۔[1]

البتہ نمازِ ظہر و عصر کی آخری دو رکعتوں میں بھی بعض چھوٹی سورتوں یا چند آیات کی قراءت کے استحباب کا بھی پتا چلتا ہے، جس کی تفصیل آگے چل کر ''نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں کبھی کبھی قراءت کر لینا'' کے زیرِ عنوان آ رہی ہے۔

نمازِ پنج گانہ اور دوسری نمازوں میں سے جہری و سِرّی نمازیں:

مختلف نمازوں کے لیے ثابت شدہ قراءت کا ذکر شروع کرنے سے قبل یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ نبیِ کریم ﷺ کا نمازِ فجر کی دونوں ہی رکعتوں میں اور نمازِ مغرب و عشا کی پہلی دو دو رکعتوں میں جہری قراءت کرنا، جبکہ نماز ظہر و عصر کی چاروں ہی رکعتوں میں، نمازِ مغرب کی تیسری رکعت میں اور نماز عشا کی آخری دو رکعتوں میں سراً قراءت کرنا مسلمانوں کے مابین ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اور یہ اجماع سلف صالحین سے نقل ہوتا آ رہا ہے، جس کی تائید بھی بقول امام نووی رحمہ اللہ صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔[2] جن میں سے بعض آنے والی ہیں۔

اسی طرح نمازِ جمعہ و عیدین اور نمازِ استسقاء و کسوف میں بھی جہری قراءت ہے، جیسا کہ ان کے مواقع پر تفصیل آئے گی۔ عام نوافل میں جو انفرادی طور پر پڑھے جاتے ہیں، ان میں دن کے وقت تو قراءت سِرّی ہی ہو گی، البتہ رات کے وقت سری بھی ہوسکتی ہے اور جہری بھی۔ البتہ افضل یہ ہے کہ درمیانی سی آواز رکھی جائے۔[3]

جیسا کہ سنن ابی داود اور شمائلِ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

---

1. أیضاً.
2. بحواله صفة الصلاة (ص: ٥٧)
3. فقه السنة، اردو (١/ ١٥٧) مکتبه چراغِ راه کراچی و حاشیه صفة الصلاة أیضًا.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''نبی ﷺ کی قراءت ایسی ہوتی تھی کہ اسے وہ بھی سن سکتا تھا جو صحن میں ہوتا۔''[1]

اس کی سند کے ایک راوی ابن ابی الزناد یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ذکوان کے بارے میں مختصر السنن میں امام منذری نے کہا ہے کہ اس میں کلام ہے، لیکن امام بخاری نے کئی مقامات پر اس سے استشہاد کیا ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ کا استشہاد اس راوی پر کیے گئے اعتراض کے بے جا ہونے یا پھر کسی دوسری وجہ سے اس کے منجبر ہونے کی وجہ ہی سے اس حدیث کو حسن اور قابلِ استدلال قرار دیا گیا ہے۔[3]

نسائی و شمائلِ ترمذی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں حسن درجہ کی سند والی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ اس سے بھی تھوڑی زیادہ آواز سے قراءت کرتے تھے:

((حَتّٰی یَسْمَعَهٗ مَنْ كَانَ ظِلَّ عَرِیْشِهٖ))[4]

''یہاں تک کہ صحن سے باہر والا بھی آپ ﷺ کی آواز سن سکتا تھا۔''

صحیح مسلم اور افعال العباد بخاری میں وارد ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ کبھی تو رات کی نماز میں سراً قراءت کرتے تھے اور کبھی جہراً۔[5] درمیانے درجے کی قراءت جو نہ بہت بلند آواز سے ہو اور نہ بلا آواز۔

مختلف نمازوں میں نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت سورتیں اور آیات:

نبیِ اکرم ﷺ کس کس نماز میں کون کون سی سورت پڑھا کرتے تھے! اس سلسلے میں بہت سی احادیث ثابت ہیں، جن میں سورتوں کے نام ملتے ہیں اور بعض

1. سنن أبي داود مع العون (٤/ ٢٠٩) ترمذي مع التحفة (٢/ ٥٢٧)
2. بحواله عون المعبود (٤/ ٢٠٩)
3. صفة الصلاة (ص: ٥٧)
4. بحوالہ بالا ایضاً.
5. بحوالہ سابقہ.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سورتوں کی کچھ آیات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اگر عام نمازی اور ائمہ مساجد کبھی کبھی ان سورتوں کی قراءت کا اہتمام کر سکیں تو افضل ہے، ورنہ واجب و ضروری نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کی کوئی بھی سورت یا کسی بھی سورت کا کوئی بھی حصہ پڑھا جا سکتا ہے، کوئی پابندی نہیں، البتہ نمازِ جمعہ و عیدین میں عموماً نبیِ کریم ﷺ سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھی نمازِ جمعہ میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون اور نمازِ عید میں سورت ق اور القمر بھی پڑھا کرتے تھے۔[1]

نمازِ پنج گانہ میں آپ ﷺ چھوٹی بڑی تمام سورتیں مختلف اوقات میں پڑھا کرتے تھے، حتیٰ کہ ابو داود و بیہقی میں حضرت عمرو بن شعیب کے دادا سے مروی ہے:

«مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّ النَّاسَ بِهَا فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ»[2]

''مفصّل سورتوں میں سے چھوٹی بڑی کوئی سورت ایسی نہیں کہ جو میں نے نبیِ اکرم ﷺ سے لوگوں کو جماعت کرواتے وقت پڑھتے نہ سنی ہو۔''

صحیح تر قول کے مطابق ''مفصّلات'' سے وہ سورتیں مراد ہیں جو سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ الناس تک ہیں، یعنی چھبیسویں پارے کے ربع اخیر سے لے کر آخر قرآنِ کریم تک کی سورتیں۔[3] اس کے بعد والی سورت ق سے بھی ''مفصّلات'' کا آغاز شمار کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] صفة صلاة النبي ﷺ (ص: ٥٧)

[2] سنن أبي داود مع العون (٣/ ٣٢) سكت عنه أبي داوٗد و المنذري وحسنه الأرناووط في تحقيق زاد المعاد (١/ ٢١٤) وضعفه الألباني في تمام المنة (ص: ١٨٠، ١٨١) وتكلم عليه في تحقيق المشكاة (١/ ٢٧٤)

[3] عون المعبود (٣/ ٣٢)

[4] حاشية صفة صلاة النبي ﷺ (ص: ٥٥۔ ٥٨) فتح الباري (٢/ ٢٤٩۔ ٢٥٩، ٩/ ٤٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مفصّلات'' کی تین قسمیں ہیں:

① طوالِ مفصّل: ''ق'' سے لے کر ''البروج'' تک طوالِ مفصّل ہیں۔

② اوساطِ مفصّل: ''البروج'' سے لے کر ''البیّنۃ'' تک اوساطِ مفصّل ہیں۔

③ قصارِ مفصّل: ''سورۃ البیّنۃ'' سے لے کر اخیر تک قصارِ مفصّل ہیں۔

مفصّلات کی کل تعداد صحیح تر قول کے مطابق ۶۵ ہے، جن میں سے طوال ۳۶، اوساط ۱۳ اور قصار ۱۶ ہیں۔[1]

مختلف نمازوں میں نبی کریم ﷺ نے کون کون سی سورتیں پڑھیں؟ اس سلسلے میں محدّثینِ کرام نے کتبِ حدیث میں مثلاً علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں، علامہ محمد ناصر الدین البانی نے ''صفة صلاة النبي ﷺ'' میں، سید سابق نے علامہ ابن قیم سے نقل کرتے ہوئے ''فقه السُّنّة'' میں اور بعض دیگر اہلِ علم نے اپنی کتب میں متعلقہ معلومات کو بڑے خوبصورت پیرائے میں جمع کر دیا ہے، جسے ہم نمازوں کی ترتیب کے حساب سے آپ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے پیش کیے دیتے ہیں۔

نمازِ فجر کی سنتیں:

١ صحیح مسلم و ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں ہے کہ کبھی کبھی نبیِ کریم ﷺ نمازِ فجر کی سنتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت (۱۳۶) پڑھا کرتے تھے:

﴿ قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾ ﴾

[1] فتح الباري (٢/ ٢٤٩، ٢٥٩ و ٩/ ٤٣) صلاة الرسول محقق (ص: ٢٤٨ طبع اول)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورت آل عمران کی آیت (۶۴) پڑھا کرتے تھے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾﴾

۲ صحیح مسلم و ابو داود میں ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ دوسری رکعت میں سورت آلِ عمران کی آیت (۵۲) پڑھا کرتے تھے:

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾﴾

۳ صحیح مسلم و ابو داود اور نسائی ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔[1]

نمازِ فجر کے فرائض:

۱ نمازِ فجر کے فرضوں میں نبیِ کریم ﷺ کی قراءت کے سلسلے میں ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک سورت ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ کو دونوں رکعتوں میں پڑھ دیا تھا، جیسا کہ ابو داود اور بیہقی میں ہے۔

۲ صحیح بخاری و مسلم اور ابن خزیمہ میں سیار بن سلامہ رحمہ اللہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں:

((وَكَانَ (النَّبِيُّ ﷺ) يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ اَوْ اِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ

[1] النيل (۲/ ۳/ ۷۰) صحيح النسائي (۱/ ۲۰۶) مشكاة (۱/ ۳۶۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

السِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ》[1]

''آپ ﷺ دونوں رکعتوں میں یا ایک میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تک پڑھا کرتے تھے۔''

③ سنن نسائی و مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ نبیِ کریم ﷺ فجر کی نماز میں طوالِ مفصّل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

④ مسند احمد و صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور مصنف عبدالرزاق میں ہے:

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ فجر میں سورۃ الواقعہ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے۔''[2]

⑤ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ فجر میں سورۃ الطّور پڑھی۔[3]

⑥ صحیح مسلم و ترمذی، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں ہے:

''ہمیں نبیِ کریم ﷺ نے نماز پڑھائی (اور ایک روایت میں ہے کہ) انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ پڑھی۔''

مسلم کی بعض روایات میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ یہ (سورت ق) پہلی رکعت میں آپ ﷺ نے پڑھی تھی۔

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٥١) صحيح مسلم مع نووي (٢/ ٤/ ١٧٩، ١٨٠) ابن خزيمة (١/ ٢٦٤ـ ٢٦٥)

[2] صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٦٥، وقال الأعظمي: إسناده صحيح) الفتح الرباني (٣/ ٢٣٣، ترتيب مسند أحمد و فتح الباري (٢/ ٢٥٢) تحفة الأحوذي (٢/ ٢١٥)

[3] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٥٣، تعليقاً ٣/ ٤٨٠ موصولاً) و بيان إنها صلاة الصبح (٣/ ٤٨٦) و مشكاة (١/ ٢٦٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑦ صحیح مسلم و ابو داود، نسائی و ابن ماجہ میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نمازِ فجر میں کبھی کبھی (قصارِ مفصل سورتیں جیسے) ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ پڑھا کرتے تھے۔[1]

⑧ جبکہ سنن نسائی اور مسند احمد و بزار میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نمازِ فجر میں سورۃ الروم[2] اور کبھی کبھی سورت یٰسین پڑھا کرتے تھے۔[3]

⑨ ابو داود و ابنِ خزیمہ، مصنف ابنِ ابی شیبہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر کے دوران میں نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ الفلق ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور دوسری میں سورۃ الناس ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کی تلاوت کی۔[4]

⑩ جمعہ کے دن نمازِ فجر میں (صحیح بخاری و مسلم اور صحیح ابن خزیمہ میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الدہر کی قراءت کیا کرتے تھے۔[5]

نمازِ ظہر:

1 صحیح مسلم و مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”آپ ﷺ پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تقریباً تیس تیس آیات (بقدرِ سورت الم تنزیل، السجدۃ) تلاوت فرماتے، جن میں سورۃ الفاتحہ بھی شامل ہوتی۔“[6]

---

1. صحيح نسائي (١/ ٢٠٧) سنن أبي داود مع العون (٣/ ٣٣)
2. مسند أحمد (٣/ ٤٧٢) زاد المعاد (١/ ٢٠١) المنتقىٰ (٢/ ٣/ ٧١)
3. صفة الصلاة (ص: ٥٩)
4. مسند أحمد (٤/ ١٤٤، ١٤٩، ١٥٣) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٦٧ـ ٢٦٨)
5. صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٦٧، ١٦٨) ابن خزيمة (١/ ٢٦٦) صحيح النسائي (١/ ٢٠٨) أبو داود (٣/ ٤١١) ترمذي (٣/ ٥٥، ٥٦) مشكاة (١/ ٢٦٦)
6. صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٧٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

2 جبکہ صحیح مسلم، ابو داود و ترمذی اور نسائی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر میں سورت ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ اور سورت ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔''(1)

3 جبکہ ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث میں نمازِ ظہر میں سورۃ اللیل ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ کی قراءت کا ذکر بھی آیا ہے۔(2)

4 مسلم و ابن خزیمہ اور مسند طیالسی میں سورۃ اللیل کے ساتھ ہی سورۃ الشّمس ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ کا ذکر بھی آیا ہے۔(3)

5 صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام ترمذی نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورت ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔''(4)

6 اس کے علاوہ سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ ظہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ الاعلیٰ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور سورۃ الغاشیہ ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی ترنم کے ساتھ تلاوت کی آواز سنتے۔''(5)

(1) سنن أبي داود (٣/ ٢١) سنن الترمذي (٢/ ٢١٦ـ ٢١٧)

(2) سنن أبي داود (٣/ ٢٢) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٧)

(3) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٧)

(4) سنن الترمذي (٢/ ٢١٧) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٧)

(5) ابن خزيمة (١/ ٢٥٧) زاد المعاد (١/ ٢١٠) صحيح النسائي، النيل (٢/ ٣/ ٧١) فتح الباري إشارتاً.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

7 حضرت برّاء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نمازِ ظہر میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت لقمان اور سورۃ الذاریات پڑھیں۔

نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں کبھی کبھی قراءت کر لینا:

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں بھی سورۃ الفاتحہ کے علاوہ تھوڑی سی قراءت فرما لیتے تھے۔ اس بات کا اندازہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتا ہے:

''ہم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ ظہر کی تلاوت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں تیس تیس آیات یعنی بقدر سورۃ السجدۃ تلاوت کرتے تھے (اور ایک روایت میں ہے:) اور ظہر کی آخری دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا اندازہ اس سے آدھی آیات (یعنی پندرہ آیات) ہیں اور نمازِ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ کی قراءت اندازاً نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں کی تلاوت کے برابر ہے جبکہ عصر کی آخری دو رکعتوں میں تلاوت کی مقدار اس سے آدھی ہوتی تھی۔''[1]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے:
نمازِ ظہر و عصر کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے علاوہ بھی کچھ قراءت کرنے کی اباحت کا بیان۔

جبکہ بعض اہلِ علم (جیسے شیخ البانی رحمہ اللہ) نے اس حدیث سے یوں استدلال کیا ہے کہ نمازِ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا اندازہ تیس آیات بتایا گیا ہے یا سورۃ السجدہ کے بقدر اور سورۃ السجدہ بھی تیس آیات پر مشتمل ہے،

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ (٢/ ٤/ ١٧٢) صحیح ابن خزیمۃ (١/ ٢٥٦، ٢٥٧) سنن أبي داود مع العون (٣/ ٢٠، ٢١) تحفۃ الأحوذي (٢/ ٢١٧) المنتقیٰ مع النیل (٢/ ٣/ ٦٦) طبع الریاض.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان نمازوں کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کا اندازہ پہلی رکعتوں والی قراءت کا آدھا یعنی تقریباً پندرہ آیات ہے اور سورۃ الفاتحہ صرف سات آیات پر مشتمل ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی سات آیات کے علاوہ بھی آپ کوئی چھوٹی سورت یا کسی سورت کی چند آیات پڑھ لیتے تھے اور سورۃ الفاتحہ کے ساتھ مل کر مجموعی قراءت کی مقدار پندرہ آیات تک پہنچ جاتی تھی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "منتقى الأخبار" کی شرح "نيل الأوطار" میں بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس ذکر کی گئی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نمازِ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں پندرہ پندرہ آیات کی قراءت اس بات کی دلیل ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الفاتحہ کے علاوہ بھی کچھ پڑھا کرتے تھے، کیوں کہ سورۃ الفاتحہ تو کل سات آیات پر مشتمل ہے۔[1]

متأخرین علمائے احناف میں سے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کچھ پڑھ لینے ہی کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ "التعليق الممجّد على موطا الإمام محمد" (ص: ۱۰۲) میں لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض علما نے عجیب موقف اختیار کیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھ لے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ سجدۂ سہو کرے، جبکہ "مُنية المُصلّي" کے شارحین ابراہیم حلبی اور ابن امیر الحاج وغیرہما نے اس سجدۂ سہو والے موقف کی بڑے اچھے طریقے سے تردید کی ہے، اور اس میں شک کی کوئی گنجایش نہیں کہ سجدۂ سہو کو واجب قرار دینے والوں کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی اور اگر یہ حدیث انھیں پہنچ گئی ہوتی تو وہ ایسا ہرگز نہ کہتے۔

نمازِ عصر:

1 نمازِ عصر میں بھی عموماً وہی قراءت ہے جو نمازِ ظہر میں ذکر کی گئی ہے، جیسا کہ

---

[1] النيل (۲/ ۳/ ٦٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی و نسائی میں ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر و عصر میں ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ اور ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ اور ان جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔''[1]

2 ابو داود و ترمذی و نسائی اور ابن خزیمہ میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے:

''جب سورج ڈھل جاتا تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر ادا فرماتے جس میں ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ﴾ جیسی سورتیں پڑھتے۔ اسی طرح دوسری نمازوں میں بھی کرتے سوائے نمازِ فجر کے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم طویل قراءت فرماتے تھے۔''[2]

3 جبکہ ابن خزیمہ اور مسند ابی داود الطیالسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے:

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر و عصر میں ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ اور ﴿وَالشَّمْسِ وَالشَّمْسِ﴾ جیسی سورتیں پڑھتے تھے اور فجر میں اس سے طویل قراءت فرماتے تھے۔''[3]

اس طرح ان سورتوں کا ذکر تو باقاعدہ آیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جو سورتیں نمازِ ظہر کے لیے ہیں، انھیں نمازِ عصر میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

مقتدی کے لیے حکم:

یہ تو امام یا منفرد کے لیے ہے، جبکہ مقتدی کو بھی اجازت ہے کہ وہ وساوس میں گھرنے کی بجائے اِن ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں کچھ قراءت کر لے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

1 سنن أبي داود مع العون (٣/ ٢١) ترمذي مع التحفة (٢/ ٢١٦۔ ٢١٧) وقد مرّ، صحيح النسائي (١/ ٢١٢)

2 صحيح النسائي (١/ ٢١٢) سنن أبي داود (٣/ ٢٢) ابن خزيمة (١/ ٢٥٧) وقد مرّ.

3 ابن خزيمة (١/ ٢٥٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”سکتاتِ امام میں مقتدی کے پڑھ لینے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جمہور اہلِ علم، جو اختلاف کرتے ہیں، وہ سِری نماز میں سورۃ الفاتحہ اور کسی دوسری سورت یا آیات کی قراءت کو تسلیم کرتے ہیں۔“

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

”یہ بھی اس بات کی مؤیّد ہے کہ جو نمازی زیادہ دُور کھڑا ہے اور امام کی قراءت نہیں سن پا رہا، وہ فاتحہ اور کچھ مزید بھی پڑھ لے۔“[1]

سورۃ الفاتحہ کے بعد والی قراءت واجب و ضروری نہیں، محض جائز ہے، اور خیالات و وساوس سے بچنے کی ایک مناسب تدبیر ہے اور یہ صرف سرّی قراءت والی نمازوں میں ہے۔ اسی طرح جہری نماز میں اس مقتدی کے لیے بھی ہے جو امام سے اتنا دور ہو کہ وہ امام کی قراءت نہ سن پا رہا ہو اور یہ جمہور کا مذہب ہے۔

نمازِ مغرب:

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ اُمّ الفضل بنت الحارث نے مجھے سورۃ المرسلات ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ پڑھتے سنا تو کہنے لگیں:

”اے میرے بیٹے! تم نے یہ سورت ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر میں مَیں نے نمازِ مغرب میں اس کی تلاوت سنی تھی۔“[2]

2 ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی ابن ماجہ میں حضرت جُبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

[1] مجموع فتاوىٰ ابن تیمیة (۲۳/ ۳۱٤) نیز دیکھیں: (۲۳/ ۲۸۲)

[2] صحيح البخاري (۲/ ۲٤٦) المنتقى (۲/ ۳/ ۷۳) صحيح مسلم (۲/ ٤/ ۱۸۰) سنن أبي داود (۳/ ۲٦) سنن الترمذي (۲/ ۲۱۹) صحيح ابن خزيمة (۱/ ۲٦۱) الفتح الرباني (۳/ ۲۲۷) صحيح النسائي (۱/ ۲۱۳)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۃ الطّور پڑھتے سنا۔“[1]

3 صحیح بخاری، ابو داود، ترمذی، نسائی اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ مروان بن حکم کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

”تمھیں کیا ہوا کہ تم نمازِ مغرب میں صرف قصار (چھوٹی چھوٹی) سورتیں ہی پڑھتے ہو جبکہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دوطوال (لمبی لمبی) سورتوں میں سے بھی لمبی سورت پڑھتے سنا ہے۔(ابو داود میں ہے کہ میں نے پوچھا: یہ دوطوال میں سے بھی لمبی سورت کون سی ہے؟ تو کہا: الاعراف)۔“[2]

جبکہ سورۃ الاعراف کی تلاوت مغرب کی دونوں رکعتوں میں آدھی آدھی کر کے ثابت ہے، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ اور معجم طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے مروان سے کہا:

((اِنَّكَ تُخِفُّ الْقِرَاءَ ةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ، فَوَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا))[3]

”تم نمازِ مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت بہت کم کرتے ہو، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ اس کی دو رکعتوں میں تو پوری سورۃ الاعراف پڑھ لیا کرتے تھے۔“

---

1 صحيح البخاري (٢/ ٢٤٧) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٨٠) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٩) صحيح النسائي (١/ ٢١٣) سنن أبي داود (٣/ ٢٧) و إشار إليه الترمذي (٢/ ٢٢٠)

2 صحيح البخاري (٢/ ٢٤٧) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٨٠) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٩) صحيح النسائي (١/ ٢١٣) سنن أبي داود (٣/ ٢٧) و إشار اليه الترمذي (٢/ ٢٢٠)

3 صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٦٠ وصححه) الفتح الرباني (٣/ ٢٢٦) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٢٠، ١٢١) صحيح النسائي (١/ ٢١٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

4 معجم طبرانی کبیر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ مغرب کی دونوں رکعتوں میں آدھی آدھی کر کے سورۃ الانفال کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔[1]

5 مسند احمد و ابی داود طیالسی میں مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ایک سفر کے دوران میں سورۃ التین ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ کی تلاوت نمازِ مغرب کی دوسری رکعت میں کی۔[2]

6 صحیح ابن خزیمہ، معجم طبرانی کبیر اور المختارۃ للضیاء المقدسی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کبھی طوالِ مفصّل اور کبھی اوساطِ مفصّل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھا کرتے تھے اور کبھی سورت محمد کی تلاوت فرماتے تھے۔[3]

7 جبکہ نسائی و مسند احمد اور ابن خزیمہ میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نمازِ مغرب میں کبھی کبھار قصارِ مفصّل بھی پڑھا کرتے تھے۔[4]

نمازِ مغرب کی سنتیں:

سنن ابو داود و ترمذی و نسائی، معجم طبرانی، مسند احمد، المختارۃ للضیاء المقدسی اور قیام اللیل مروزی میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نمازِ مغرب کی بعد والی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد ﴿قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔[5]

ان سورتوں کے مغرب کے فرضوں سے تعلق رکھنے والی حدیث شرح السنہ بغوی و ابن ماجہ میں ہے اور ضعیف ہے۔[6]

1 صفة الصلاة (ص: ٦٤) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٢١)

2 الفتح الرباني، منحة المعبود في ترتيب مسند الطيالسي، أبو داود.

3 صفة الصلاة وصححه (ص: ٦٣)

4 ابن خزيمة (١/ ٢٦١) المنتقىٰ (٢/ ٣/ ٧٥)

5 صحيح النسائي (١/ ٢١٤) تحقيق مشكاة (١/ ٢٦٦) صفة الصلاة.

6 تحفة الأحوذي (٢/ ٢٢٢) تحقيق مشكاة المصابيح (١/ ٢٦٨-٢٦٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمازِ عشا:

اب رہا معاملہ نمازِ عشا کا تو اس سلسلے میں سنن نسائی و مسند احمد اور ابن خزیمہ میں بسند صحیح ثابت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ اس میں اوسطِ مفصّل پڑھا کرتے تھے۔

1 چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”آپ ﷺ نمازِ عشا کی پہلی دو رکعتوں میں اوسطِ مفصّل پڑھا کرتے تھے۔“[1]

2 ترمذی و مسند احمد میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نمازِ عشا میں ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ اور ایسی ہی دیگر سورتیں پڑھا کرتے تھے۔“[2]

3 صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ سنن نسائی میں حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ عشا پڑھی تو انھوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ یعنی سورت انشقاق پڑھی۔

4 صحیح بخاری و مسلم، نسائی، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”نبیِ اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ ﷺ نے نمازِ عشا میں دو رکعتوں میں سے ایک (اور نسائی میں ہے کہ پہلی) رکعت میں سورۃ التین پڑھی۔“[3]

نمازِ عشا کی قراءت کے سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، سنن نسائی، بیہقی، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں چند دوسری سورتوں کا تذکرہ بھی آیا ہے۔

---

1. المنتقى (٢/ ٣/ ٧٥) و صفة الصلاة.
2. سنن الترمذي (٢/ ٢٢٤) الفتح الرباني (٣/ ٢٣٠)
3. صحيح البخاري (٢/ ٢٥٠) نسائي (١/ ٢١٦) الفتح الرباني (٣/ ٢٣٠) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٨١) ابن خزيمة (١/ ٢٦٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

5 چنانچہ حضرت جابر و انس اور بریدہ رضی اللہ عنہم کی روایت جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں «أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَامُعَاذُ؟» کہا تھا کہ ''اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟'' اسی حدیث میں یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے:

''جب لوگوں کو امامت کراؤ تو ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ اور ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ پڑھا کرو۔''

صحیح ابن خزیمہ میں ''اللیل'' اور ''الاعلیٰ'' کے ساتھ سورۃ البروج کا ذکر بھی آیا ہے۔

نمازِ تہجد یا قیام اللیل:

1 صحیح مسلم و نسائی میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک رات نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ تہجد پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرہ شروع کی تو میں نے سوچا کہ سو آیات پڑھ کر رکوع کریں گے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے پڑھنے لگے، میں نے سمجھا کہ دو رکعتوں میں پوری سورۃ البقرہ پڑھیں گے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے پڑھنا شروع کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النساء شروع کی اور پوری سورۃ النساء پڑھی اور پھر سورت آل عمران شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کی۔ جب آیتِ تسبیح پر پہنچتے تو تسبیح بیان کرتے، جب آیتِ سوال سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب آیتِ تعوّذ سے گزرتے تو تعوّذ (اعوذ باللہ) پڑھتے تھے، پھر اس طویل قراءت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا۔''[1]

[1] فقة السُّنة (١/ ١٥٧۔ ١٥٨)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

④ مسند ابی یعلیٰ و مستدرک حاکم میں ہے:

''آپ ﷺ ایک رات درد میں مبتلا تھے، پھر آپ ﷺ نے سات لمبی سورتوں کی تلاوت فرمائی۔''[1]

سات لمبی سورتوں سے مراد سورۃ البقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور توبہ ہیں، جو آغازِ قرآن سے لے کر گیارھویں پارے تک ہیں۔ صرف درمیان میں سورۃ الانفال آتی ہے۔ گویا آپ ﷺ نے ایک رات کی نماز میں تقریباً دس سپارے قرآنِ کریم پڑھا تھا۔ سنن ابو داود و نسائی میں ہے:

''آپ ﷺ کبھی ہر رکعت میں ان طویل سورتوں میں سے ایک سورت پڑھتے تھے۔''[2]

یکے از آدابِ قراءت و تلاوت:

اس طویل قیام و قراءت کے باوجود نبیِ اکرم ﷺ نے پوری رات میں کبھی سارا قرآن نہیں پڑھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم و ابو داود میں وارد حدیث ہے:

''جان لو کہ آپ ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن ہرگز نہیں پڑھا۔''[3]

بلکہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ایک رات میں پورا قرآنِ کریم پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ اس پر رضامند نہ ہوئے، بلکہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''پورے مہینے میں قرآن پڑھ لو!''

وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ قوت ہے۔

---

[1] مسند أبي يعلىٰ و مستدرك حاكم بحواله صفة الصلاة للالبانى (ص ١١٨)

[2] سنن أبي داوٗد (١٣٩٠ تا ١٣٩٤) و سنن نسائي (الكبرىٰ) (٨٠٦٧)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٤٦) و سنن النسائي، رقم الحديث (١٦٠١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو فرمایا: ''بیس دنوں میں پڑھ لو۔''

میں نے مزید قوت کا بتایا تو فرمایا: ''سات دن میں پڑھ لو اور اس سے زیادہ ہرگز نہ پڑھو۔''[1]

جبکہ نسائی و ترمذی میں ہے کہ پھر آپ ﷺ نے انھیں پانچ دن میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔[2] مسند احمد میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں تین دنوں میں ختم قرآن کی اجازت بخش دی تھی۔[3]

١ سنن دارمی و سعید بن منصور میں بسندِ صحیح مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے تین دن سے کم میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے سے منع فرما دیا تھا۔''[4]

٢ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی حدیث میں اس ممانعت کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے:

''جس نے تین دنوں سے کم عرصہ میں قرآن پڑھ ڈالا، اُس نے اس میں سے کچھ بھی نہ سمجھا۔''[5]

٣ صحیح بخاری و ابو داود میں ہے:

''آپ ﷺ کبھی کبھی ہر رات پچاس آیتیں یا اس سے بھی زیادہ پڑھا کرتے تھے۔''[6]

٤ نسائی و ابن خزیمہ، مسند احمد و مستدرک حاکم اور قیام اللیل مروزی میں حضرت

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٧٨) و مسلم، رقم الحديث (١١٥٩)
2. صفة الصلاة (ص: ١١٩)
3. مسند أحمد (١٠/٤٣) رقم الحديث (٦٥٣٥) و سنن ابو داوٗد رقم الحديث (١٣٩٤) و سنن الترمذی، رقم الحديث (٢٩٤٩) والسنن الكبرىٰ للنسائي، رقم الحديث (٨٠٦٧)، سنن ابن ماجة، رقم الحديث (١٣٤٧)، سلسلة الأحاديث الصحيحة للالبانی (٥/٦٠١)
4. دارمی بتحقيق البغاء (٢/٩٢٧) و عزاه المحقق إلى أبي داوٗد و الترمذي و ابن ماجه.
5. مسند أحمد (٢/١٦٤)
6. صفة الصلاة (ص: ١٢٠)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات قیام فرمایا اور پوری رات سورۃ المائدہ کی آیت (۱۱۸) کی تلاوت کرتے اور بار بار اسے ہی دہراتے گزار دی، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ ﴾

''(اے اللہ!) اگر تو انھیں عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو تُو غالب اور دانا ہے۔''

⑤ صحیح بخاری و مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا ایک پڑوسی ہے، وہ رات کو قیام کرتا ہے تو صرف سورۃ الاخلاص ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ پڑھتا رہتا ہے، اسے ہی دہراتا رہتا ہے، اس سے زیادہ نہیں پڑھتا۔''

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے گویا اپنے پڑوسی کی قراءت کو تھوڑا سمجھا، تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بے شک یہ سورت ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔''[1]

رات بھر کے قیام کی ممانعت:

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پوری رات قیام نہیں کیا، بلکہ صحیح مسلم و ابو داود میں صراحت موجود ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات کا قیام نہیں کیا کرتے تھے۔''[2]

---

[1] مختصر ابن كثير للرفاعي (٤/ ٤٤١)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٧٤٦) صفة الصلاة (ص: ١٢٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاں کبھی کبھار اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے رات بھر قیام فرمایا ہو۔ چنانچہ ترمذی و نسائی و مسند احمد اور معجم طبرانی کبیر میں ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کی رات نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس پوری رات کو قیام کیا، یہاں تک کہ فجر ہوگئی۔

دوسری احادیث جن میں نبیِ اکرم ﷺ کے پوری رات قیام نہ کرنے کا ذکر آیا ہے، ان کی تائید سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات سے بھی ہوتی ہے، جن میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝٢ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝٣ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝٤ ﴾ [المزمّل: ١۔ ٤]

''اے چادر اوڑھ کر سونے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑا۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس سے کچھ زیادہ کرلو۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

انھی آیات و احادیث کے پیشِ نظر اہلِ علم نے کہا ہے کہ ہمیشہ یا اکثر احوال میں پوری رات کا قیام مکروہ ہے، کیوں کہ یہ نبیِ اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف فعل ہے۔ اگر ہمیشہ ساری رات کا قیام و عبادت افضل عمل ہوتا تو نبیِ اکرم ﷺ ضرور اسے اپناتے اور بہترین طریقہ تو نبیِ اکرم ﷺ کا طریقہ ہی ہے۔

نمازِ وتر:

قیام اللیل کے آخر میں نمازِ وتر کی باری آتی ہے، جس میں نبیِ اکرم ﷺ کی قراءت متعدد احادیث میں ثابت ہے۔

1 مثلاً سنن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نمازِ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴾ دوسری رکعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سورۃ الکافرون ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص: ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

۲ جبکہ سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان، طحاوی اور مسند احمد میں ہے کہ کبھی کبھی نبیِ اکرم ﷺ آخری رکعت میں سورۃ الاخلاص کے ساتھ معوّذتین ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ بھی ملا لیا کرتے تھے۔[1]

۳ نسائی و مسند احمد میں بسندِ صحیح مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ النساء کی ایک سو آیات پڑھیں۔[2]

نمازِ وتر کے بعد والی دو رکعتیں:

نمازِ تہجد سے فارغ ہو کر نبیِ اکرم ﷺ کا وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھنا صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ کریم ﷺ کی نمازِ تہجد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''نبیِ اکرم ﷺ تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، آٹھ رکعتیں پڑھنے کے بعد وتر پڑھتے، پھر آپ ﷺ بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے، لیکن جب رکوع کرتے تو (اس کے لیے) کھڑے ہو جاتے تھے۔''[3]

ان دو رکعتوں میں مسند احمد اور قیام اللیل مروزی میں وارد حدیث کی رُو سے

---

1. سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ٥٥٩ و ٥٦٠) سنن أبي داود مع العون (٤/ ٢٩٧ و ٢٩٩) مستدرك حاكم (٢/ ٥٦٦)
2. صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٧)
3. صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبیِ اکرم ﷺ پہلی رکعت میں سورۃ الزلزال ﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴾ اور دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون: ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴾ پڑھا کرتے تھے۔[1]

ایک وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کرتے جائیں کہ بعض لوگ اس حدیث کی بنا پر عشا کے وقت نمازِ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہیں اور وہ بھی بیٹھ کر، جبکہ یہ اگر نبیِ اکرم ﷺ کا عملِ مبارک ہے تو دوسری طرف صحیح بخاری و مسلم، ابو داود اور دیگر کتبِ حدیث میں وارد ارشادِ گرامی ہے: ''اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔''[2]

اہلِ علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں موافقت و مطابقت کیسے پیدا کی جائے؟ کیوں کہ ایک طرف آپ ﷺ کا عمل ہے کہ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔''

چنانچہ بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق پیدا کرنے کی جتنی بھی توجیہات بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی قابلِ ترجیح نہیں ہے کہ کس پر عمل کیا جائے، لہٰذا زیادہ قرینِ احتیاط یہ ہے کہ وتر کے بعد یہ دو رکعتیں نہ پڑھی جائیں۔[3]

بعض دیگر اہلِ علم نے وتروں کے بعد اور خصوصاً جب نمازِ عشا کے ساتھ ہی وتر پڑھے جائیں تو پھر ان دو رکعتوں کو پڑھنا صحیح قرار نہیں دیا اور اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں، جن میں سے اہم بات یہ ہے کہ ایک طرف نبیِ اکرم ﷺ کا عملِ مبارک ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کا ارشاد، اور ایسی صورت میں اُمت

[1] صفة الصلاة (ص: ١٢٣)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٤٨٨) سنن أبي داود مع العون (٤/ ٣١٣ و ٣١٤)

[3] حاشية صفة الصلاة (ص: ٦٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ارشاد مقدّم ہوتا ہے، کیوں کہ عین امکان ہے کہ کوئی معاملہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہو، جس پر آپ ﷺ عمل پیرا ہوں ، جبکہ اقوال و ارشادات میں ایسا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔

اس ساری تفصیل کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ نمازِ عشا کے ساتھ ہی اگر وتر پڑھ لیے جائیں تو ان کے بعد دو نفل نہ پڑھے جائیں اور اگر پڑھنے ہی ہوں تو تہجد کے بعد پڑھیں اور پھر اسی طرح بیٹھ کر، لیکن بوقتِ رکوع کھڑے ہو کر پڑھیں، ورنہ اَحوط ان کا ترک کرنا ہی ہے اور اگر کبھی کبھار کوئی پڑھ لے تو اس حدیث سے اس کے محض جواز کا پتا چلتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

نمازِ جمعہ:

① نمازِ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں سے صحیح مسلم و سنن ابی داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں وارد حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حدیث کی رُو سے آپ ﷺ پہلی رکعت میں بعض دفعہ سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ ﴿هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغٰشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔[1]

② صحیح مسلم و ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ہی میں ہے کہ کبھی کبھی نبیِ اکرم ﷺ پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور دوسری رکعت میں اس سے اگلی ہی سورت (سورۃ المنافقون) کے بجائے سورۃ الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔[2]

نمازِ عیدین:

نمازِ عیدین میں نبیِ اکرم ﷺ کی قراءت بھی بعض احادیث میں وارد ہے۔

---

[1] سنن أبي داود (٣/ ٤٧٢) سنن الترمذي (٣/ ٥٤ و ٥٥) مشكاة (١/ ٢٦٦)

[2] سنن أبي داود (٣/ ٤٧٣ و٤٧٤) مشكاة (١/ ٢٦٦) صفة الصلاة (ص: ٦٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 چنانچہ صحیح مسلم وسننِ اربعہ میں حضرت واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی مرویات سے پتا چلتا ہے کہ نمازِ عیدین میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔[1]

2 مسلم وسننِ اربعہ ہی میں حدیث ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عیدین کی پہلی رکعت میں کبھی سورۃ ق ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ اور دوسری رکعت میں سورۃ القمر ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[2]

نمازِ جنازہ:

نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ اور کسی سورت کا ذکر ملتا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری سنن ابی داود، ترمذی، نسائی، المنتقیٰ ابن الجارود، ابن حبان و حاکم میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی تو انھوں نے سورۃ الفاتحہ پڑھی اور فرمایا: تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ یہ سنت ہے۔''[3]

جبکہ سنن نسائی اور مصنف عبدالرزاق میں، اسی طرح معرفۃ السنن والآثار بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہیں، پھر سورۃ الفاتحہ پڑھیں، پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں، پھر (تیسری تکبیر کے بعد) میت کے لیے پُر خلوص دعا کریں اور قراءت صرف پہلی

---

1. صحيح مسلم (مع نووي) مشكاة (١/ ٢٦٦) سنن أبي داود مع العون (٤/ ١٥) سنن الترمذي مع التحفة (٣/ ٧٦، ٧٩

2. حوالہ سابقہ۔

3. صحيح البخاري (٣/ ٢٠٣) سنن أبي داود (٨/ ٤٩٥) المنتقىٰ (٢/ ٤/ ٦٠) مستدرك حاكم (١/ ٥١٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تکبیر کے بعد ہی ہے۔“[1]

ایسے ہی ابن خزیمہ و نسائی اور مستدرک حاکم میں ہے: «إِنَّهُ حَقٌّ وَ سُنَّةٌ» ترمذی میں ہے: «إِنَّهُ مِنَ السُّنَّةِ اَوْ مِنْ تَمَامِ السُّنَّةِ» اور نسائی میں «سُنَّةٌ وَ حَقٌّ» جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ صحابی کا کسی امر کو سنت کہنا اس حدیث کے مرفوع ہونے کا پتا دیتا ہے۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث کی بعض روایات مثلاً نسائی میں سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی اور سورت پڑھنا بھی مروی ہے، جس کی صحت پر بعض علما نے کلام کیا ہے، لیکن بعض دیگر کبار محدثین نے اس کی متابعات و طُرق کو جمع کر کے ثابت کیا ہے کہ کسی سورت والا اضافی لفظ بھی صحیح ہے، شاذ و ضعیف ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنا بھی مشروع قرار دیا ہے۔[3]

نمازِ جنازہ کی قراءت کے جہراً ہونے کے بارے میں بھی بعض روایات ملتی ہیں۔[4] جبکہ جمہور اہلِ علم نے مخفی قراءت ہی کو ترجیح دی ہے۔[5] البتہ دونوں طرح درست ہے۔

ان مسائل کی تفصیل کا مقام ہماری کتاب ”احکامِ جنازہ“ ہے، جو پاک و ہند میں شائع ہوچکی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ مِنْهُ الْقُبُوْلُ.

قراءت میں ترتیبِ قرآن اور ایک رکعت میں کئی سورتیں:

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ایک ہی رکعت میں ملتے جلتے مفہوم و مضمون والی یا

[1] فتح الباري (٣/ ٢٠٣ و ٢٠٤) وصححه، المنتقىٰ (٢/ ٤/ ٦٠)

[2] فتح الباري أيضاً.

[3] نيل الأوطار (٢/ ٤/ ٦١) صفة الصلاة (ص: ٤ و ٥) مقدمة (ص: ٦٩) فتح الباري (٣/ ٢٠٤)

[4] مستدرك حاكم (١/ ٥١٠) المنتقىٰ (٢/ ٤/ ٦٠ و ٦١)

[5] صفة الصلاة (ص: ٦٩) نيل الأوطار (٢/ ٤/ ٦١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کوئی سی دو سورتوں کو بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اگرچہ افضل تو یہی ہے کہ قرآنِ مجید کی سورتوں کو نماز میں بھی اسی ترتیب سے پڑھا جائے جس ترتیب سے وہ قرآنِ کریم میں ہیں، لیکن اگر کبھی کوئی شخص اس ترتیب کا لحاظ کسی وجہ سے نہیں کر سکا تو بھی کوئی گناہ یا مؤاخذہ نہیں اور نہ یہ مکروہ ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ یہ چیز بھی خود نبیِ کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ کوئی ایک سورت پڑھی اور پھر اسی رکعت میں دوسری سورت بھی پڑھ دی جو ترتیب کے لحاظ سے پہلی سورت کے بعد والی نہیں بلکہ پہلے والی ہوتی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نظائر یعنی ایک مفہوم و مضمون والی مفصّلات کی سورتوں کو ایک ہی رکعت میں جمع کر لیا کرتے تھے اور وہ بھی کئی مرتبہ خلافِ ترتیب۔

آپ پہلے سورۃ الرحمٰن پڑھتے جو قرآنِ کریم کی پچپن (۵۵) نمبر پر آنے والی سورت ہے اور پھر سورۃ النجم بھی اسی رکعت میں پڑھ لیتے جو ترپن (۵۳) نمبر پر ہے۔

کبھی سورۃ الطّور پڑھتے جو باون (۵۲) نمبر پر ہے اور پھر اس کے بعد اسی رکعت میں سورۃ الذاریات پڑھتے جو سورۃ الطّور سے متصل پہلے یعنی اکاون (۵۱) نمبر پر ہے۔

پہلے سورۃ المطففین پڑھتے جو تراسیویں (۸۳) سورت ہے اور اس کے بعد سورت عبس پڑھ لیتے، جو اَسیویں (۸۰) سورت ہے۔ سورۃ المدّثّر پڑھتے جو چوہتّرویں (۷۴) سورت ہے اور پھر سورۃ المزمّل پڑھتے جو سورۃ المدثر سے متصل پہلے یعنی تہتّرویں (۷۳) سورت ہے۔

ایسے ہی ایک رکعت میں پہلے سورۃ الدہر پڑھتے جو چھہتّرویں (۷۶) سورت ہے اور اس کے بعد سورۃ القیامہ کی تلاوت فرما لیتے جو پچھتّرویں (۷۵) سورت ہے۔

ایک ہی رکعت میں پہلے آپ تیسویں پارے کے آغاز والی سورت نبأ پڑھتے، جو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اٹھہتر ویں (۷۸) سورت ہے اور پھر اسی رکعت میں سورۃ المرسلات پڑھ لیتے جو ستتر ویں (۷۷) سورت ہے۔[1]

ان سب میں تو واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ ترتیب کے خلاف قراءت و تلاوت کی گئی۔

قراءت کے سلسلے میں بعض آدابِ امامت:

قراءت کے سلسلے میں نبیِ اکرم ﷺ کی بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں جن سے امامت کے بعض آداب کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر امام اس ارادے سے نماز شروع کرے کہ وہ کچھ لمبی قراءت کرے گا، لیکن دورانِ نماز کوئی بات رونما ہو جائے تو امام کو چاہیے کہ قراءت چھوٹی کر کے نمازیوں کو جلد فارغ کر دے۔

چنانچہ ابو داود اور مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''ایک دن نبیِ کریم ﷺ نے فجر کی نماز بہت مختصر پڑھائی (اور ابو داود میں ہے کہ آپ ﷺ نے فجر میں قرآنِ کریم کی دو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں)۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے اتنا اختصار کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے کسی بچے کے رونے کی آواز سنی تو مجھے خیال آیا کہ اس بچے کی ماں ہمارے ساتھ نماز پڑھ رہی ہے تو میں نے ارادہ کر لیا کہ اس کی ماں کو جلد اس بچے کے لیے فارغ کر دوں۔''[2]

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري و مسلم بحواله صفة الصلاة (ص: ٥٥)

[2] مسند أحمد (٣/ ٢٥٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو یہ ارادہ ہوتا ہے کہ لمبی قراءت کروں گا، پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے رونے سے اس کی ماں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔''[1]

اگر ایسی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تو پھر آپ ﷺ عموماً کسی سورت کی ابتدا سے قراءت شروع کرتے تو اسے مکمل کرتے۔

بعض آیات کی قراءت پر جواب دینا:

احکام و مسائلِ قراءت میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآنِ کریم کی بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کا جواب ساتھ ساتھ ہی دینا چاہیے کہ جب رحمت کے ذکر پر مشتمل آیات گزریں تو اللہ سے رحمت طلب کریں، عذاب کا ذکر ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگیں اور اللہ کی بزرگی و برتری اور تسبیح کا مطالبہ ہو تو سبحان اللہ کہیں۔ یعنی التجا کا وقت ہو تو التجا کریں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ایک حدیث تو مطلق جواب کے بارے میں ہے۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

''آپ ﷺ جب کسی ایسی آیت کو پڑھتے جس میں تسبیح کا مطالبہ ہوتا تو آپ ﷺ تسبیح کرتے اور سوال والی آیت پڑھتے تو سوال کرتے اور تعوّذ والی آیت پڑھتے تو ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ'' کہتے تھے۔''[2]

---

[1] صحیح البخاري (۲/ ۲۰۲) وفی روایة عن أبي قتادة ﴿... فَأَتَجَوَّزُ فِيُ صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ اَنُ أَشُقَّ عَلَى اُمِّهِ﴾ (۲/ ۲۰۱) ''میں نماز مختصر کر دیتا ہوں تا کہ بچے کی ماں کے لیے مشقت کا باعث نہ بننے پاؤں۔''

[2] فقه السنة (۱/ ۱۵۷، ۱۵۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس مطلق حکم والی حدیث کے علاوہ بعض دوسری احادیث میں بعض سورتوں کی کچھ مخصوص آیات کا تذکرہ بھی ملتا ہے، جن کا جواب دیا گیا اور دینا چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابو داود، بیہقی اور دیگر کتب میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ جب سورۃ القیامہ کی چالیسویں (۴۰) اور آخری آیت: ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴾ پڑھتے تو ((سُبْحَانَكَ فَبَلٰى)) کہتے اور جب سورۃ الاعلیٰ کی پہلی آیت ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴾ پڑھتے تو ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى)) کہتے تھے۔[1]

جس طرح سورۃ القیامہ اور سورۃ الاعلیٰ کی آیتوں کا جواب ثابت ہے، اسی طرح سورۃ الرحمٰن کی آیت ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ کا جواب دینا بھی جائز ہے، کیوں کہ سنن ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن پڑھی اور وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ تو اس پر نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ”جِنّوں کو وعظ کی رات میں نے یہ سورت جِنّوں کے سامنے پڑھی تو وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے۔ کیوں کہ میں جب بھی اس آیت پر آتا:
> ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ (تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟)
> تو جن جواب دیتے تھے: ”لَا شَيْئٌ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ“ (اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے)۔“[2]

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ الرحمٰن پڑھتے وقت یا تلاوت کرتے وقت قرآن پڑھنے والا اور اسے سننے والا اس آیت کے جواب میں یہ الفاظ کہہ سکتا ہے، لیکن ان

---

[1] صفة الصلاة (ص: ٥٥) و قال بسند صحيح.

[2] سنن الترمذي مع التحفة (٩/ ١٧٧ ـ ١٧٩) مستدرك حاكم (٢/ ٥١٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الفاظ کے دورانِ نماز کہنے کا اس حدیث میں کوئی ثبوت نہیں، بلکہ یہ مطلق تلاوت کے وقت ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے نماز سے الگ عام حالت ہی میں اپنایا جائے نہ کہ نماز میں۔ البتہ نماز میں کہنا ہو تو خاموشی سے کہا جا سکتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا تذکرہ:

یہاں بعض ایسے امور کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو بعض لوگوں میں بڑی سختی سے مروّج ہیں، لیکن دلیل ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ مثلاً:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب امام ذکر کی گئی ان مخصوص آیات کی تلاوت کرے جن کا جواب دینا بھی ثابت ہے تو امام و مقتدی سبھی ان کا جواب دیں اور جہری نمازوں میں مقتدی بھی جہراً جواب دیں، جبکہ ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالنا کئی وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔ مثلاً:

1. اس سلسلے میں سب سے پہلے جو حدیث حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کی گئی ہے، جس میں نبیِ اکرم ﷺ کے تسبیح و تعوّذ اور التجا و سوال کی آیات پر ایسا کرنے کا ذکر آیا ہے، اس میں نبیِ اکرم ﷺ کے ایسا کرنے کا ذکر تو ہے لیکن مقتدیوں کو تو حکم نہیں دیا گیا۔ ہاں امام اور منفرد دونوں اس پر عمل کر سکتے ہیں، کیوں کہ یہ مستحب فعل ہے اور دونوں ہی مخاطب ہوتے ہیں۔

2. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث جس میں سورۃ الاعلیٰ کی پہلی آیت کے بعد ﴿ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ﴾ کہنے کا ذکر آیا ہے، اس میں بھی نبیِ اکرم ﷺ کا عملِ مبارک ذکر ہوا ہے۔ مقتدی کے بھی ایسا کرنے کی اس میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

3. موسیٰ بن ابی عائشہ والی حدیث میں بھی نبیِ اکرم ﷺ کا عمل نقل ہوا ہے، جو امام و منفرد کے لیے تو صحیح ہے، لیکن مقتدی کے لیے صریح و واضح نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4 سورۃ الرحمٰن کی آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کے جواب والی حدیث میں بھی یہ صراحت قطعاً نہیں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے نماز میں سورۃ الرحمٰن پڑھی تھی اور جِنّوں نے بھی نماز ہی میں اس آیت کا جواب دیا تھا، بلکہ اغلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے بغیر عام حالت میں جِنّوں کو قرآن سنایا تھا۔

لہٰذا کسی صریح و صحیح اور مرفوع حدیث میں مقتدی کے بھی جواب دینے کی صراحت نہ ہونے کی بنا پر مقتدیوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ البتہ مقتدی بھی آہستہ آواز میں جواب دے اور کہہ لے تو اس کی گنجایش نکل سکتی ہے کہ پڑھنے والے کی طرح ہی سننے والا بھی مخاطب ہوتا ہے۔[1]

امام خود اور منفرد یا اکیلا نماز پڑھنے والا نمازی احادیث سے ثابت جواب دے سکتا ہے، بلکہ یہ مستحب ہے۔

مقتدی اگر امام کے رکوع میں جانے سے پہلے سورۃ الفاتحہ مکمل نہ کر سکے تو وہ کیا کرے؟

''اس صورت میں مقتدی سورۃ الفاتحہ پوری کر کے امام کے ساتھ مل جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''مجھ سے پہلے نہ رکوع کرو نہ سجدہ۔ میں اسے تم سے پہلے کر گزرتا ہوں تو تم مسابقت کا ادراک میرے اٹھنے کے بعد کر لیا کرو۔ بے شک میں (کبر سنی یا جسم کے بھاری ہونے کے اعتبار سے) بوجھل ہو چکا ہوں۔''[2]

شارح حدیث امام خطابی نے حدیثِ ہذا کا مفہوم یوں بیان فرمایا:

---

[1] دیکھیں: تحفة الأحوذي (٩/ ٢٧٧) و تخريج صلاة الرسول (ص: ٢٥٩)

[2] سنن أبي داوٗد، باب ما يؤمر به المأموم من إتباع الإمام.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میرا رکوع سے سر اٹھانا تمھیں کوئی نقصان نہیں دیتا، جبکہ تم پر ابھی کچھ باقی ہو، جبکہ تم مجھے سجدہ کرنے سے پہلے پہلے کھڑے پا لو۔ نبیِ اکرم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو لمبی لمبی دعائیں کیا کرتے تھے۔''

نیز امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے امام کی اقتدا میں شامل ہو کر سورۃ الفاتحہ شروع کی اور تکمیل سے پہلے امام رکوع میں چلا گیا تو یہ شخص رکوع نہ کرے، حتیٰ کہ فاتحہ کو پورا کر لے۔ دلیل اس کی وہی ہے جو قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''میں تم سے پہلے رکوع یا سجدہ کر گزرتا ہوں تو تم لوگ مسابقت کا ادراک میرے اٹھنے کے بعد کر لیا کرو۔''[1]

ان واضح اور مصرح دلائل و شواہد سے معلوم ہوا کہ مقتدی سورۃ الفاتحہ پوری کر کے رکوع کرے۔ بالفرض کوئی مقتدی فاتحہ نامکمل چھوڑ کر رکوع چلا جائے تو اس رکعت کا اعادہ ضروری ہے، کیوں کہ فاتحہ مکمل سورت کا نام ہے، بعض آیات کا نہیں۔ صحیح حدیث میں وارد ہے:

«لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»

''جس نے سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی، اس کی کوئی نماز نہیں ہے!''[2]

---

[1] المحلیٰ (ص: ۱۷۹، جزء ۳)

[2] بحوالہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، (جلد ۴۳، شمارہ ۲۹، ۶ محرم ۱۴۱۲ھ، ۱۹ جولائی ۱۹۹۱ء)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تکبیراتِ انتقال

قراءت سے فارغ ہو کر یہ سکتہ کر لیں، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اور سنت پر عمل کرتے ہوئے رفع یدین کریں اور رکوع میں چلے جائیں (اس رفع یدین کے سنت ہونے کے دلائل آگے آ رہے ہیں) تاہم نماز میں جتنی مرتبہ بھی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں جایا جاتا ہے، ہر مرتبہ اللہ اکبر بھی کہا جاتا ہے سوائے رکوع سے سر اٹھانے کے موقع کے، کیوں کہ اُس وقت ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہا جاتا ہے، جس کی تفصیل آگے چل کر ہم ذکر کریں گے، اِن شاء اللہ۔

ان موقع بہ موقع تکبیرات (اللہ اکبر کہنے) کو تکبیراتِ انتقال کہا جاتا ہے، کیوں کہ ان کے ساتھ ہی نمازی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ان تکبیرات پر سب کا اتفاق ہے، کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان تکبیراتِ انتقال کا پتا صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث سے چلتا ہے۔[1]

اگر چار رکعتیں ادا کرنی ہوں تو چار مرتبہ ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ اور بائیس (۲۲) مرتبہ ”اَللّٰهُ أَكْبَر“ کہنا پڑتا ہے۔ یہی سنتِ رسول ﷺ ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَجُلاً عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ، فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: اَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلاَةَ

[1] صحیح البخاري مع الفتح (۲/ ۲۷۲) مشكاة (۱/ ۲۴۹، ۲۵۰) المنتقیٰ (۲/ ۳/ ۹۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

النَّبِيِّ ﷺ؟ لَا أُمَّ لَكَ»[1]

''میں نے ''مقامِ ابراہیم'' کے پاس ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا جو اٹھتے، جھکتے، بیٹھتے (بوقتِ انتقال) تکبیر کہتا تھا، میں نے اس کی خبر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو دی تو انھوں نے فرمایا: تیری ماں نہ ہو، کیا یہی نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ نہیں ہے؟''

بائیس (۲۲) مرتبہ کا ذکر بعض صحیح احادیث میں بھی آیا ہے۔[2]

حکمِ تکبیرات:

یہاں اس امر کی وضاحت بھی کرتے جائیں کہ تکبیرات میں سے صرف پہلی تکبیر، تکبیرِ تحریمہ فرض ہے اور دوسری تکبیراتِ انتقال مندوب و سنت ہیں۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک یہ تکبیراتِ انتقال واجب ہیں۔[3]

اندازِ تکبیر:

اب رہا معاملہ تکبیرات کے انداز کا کہ انھیں کیسے کہا جائے گا؟ تو اس سلسلے میں سیدھی سی بات ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھے گا تو ظاہر ہے کہ وہ تکبیریں بھی آہستگی سے ہی کہے گا، کیوں کہ اس نے کسی کو سنانا نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی شخص دوسروں کو جماعت کرا رہا ہو تو اس میں پیش امام کے لیے ضروری ہے کہ نماز سری ہو یا جہری، وہ تکبیریں بلند آواز سے کہے گا، تا کہ دوسرے لوگ اس کی آواز سن کر اقتدا کر سکیں۔

صحیح مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہر تکبیر کو سنانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

---

1. صحيح البخاري (٢/ ٢٧١)
2. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٧١) المستدرك للحاكم (١/ ٣٤٦) الفتح الرباني (٣/ ٢٤٦)
3. فتح الباري (٢/ ٢١٧ـ ٢١٨) تحفة الأحوذي (٢/ ٩٧) الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٢١٨ـ ٢١٩) الأذكار للنووي (ص: ٤٢) سبل السلام (١/ ١/ ١٧٨ طبع مصر)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں :

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوگئی، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیروں کی آواز پہنچا رہے تھے۔‘‘

جماعت کی شکل میں جب امام بلند آواز سے تکبیر کہے گا تو اسی وقت امام کے بعد مقتدی بھی تکبیر کہیں گے، لیکن وہ بلا آواز کہیں گے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ رفع الیدین

قائلین رفع الیدین:

رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت، اسی طرح تیسری رکعت کے شروع میں کی جانے والی رفع الیدین میں اہلِ علم کے مابین اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے علاوہ امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور صحیح تر روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے کہ یہ رفع الیدین ''سنت'' ہے۔[1]

دلائل:

قائلینِ رفع الیدین اپنے موقف کی تائید میں متعدد دلائل رکھتے ہیں، جن میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ خلفا و صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں، نیز محدّثینِ کرام کا تعامل اور کتنے ہی ائمہ اور فقہائے اَحناف کے اقوال بھی ہیں۔

پہلی دلیل:

صحیحین و سننِ اربعہ، ابن حبان و ابن خزیمہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، محلّٰی ابنِ حزم، مصنف عبدالرزاق و ابنِ ابی شیبہ، مسند احمد و شافعی، دارمی و دارقطنی، بیہقی،

[1] للتفصيل: شرح مسلم للنووي (٢/ ٤/ ٩٥) ترمذي و تحفة الأحوذي (٢/ ١٠٢) مدني، التمهيد لابن عبدالبر (٩/ ٢١٢ـ ٢١٣) معالم السنن للخطابي (١/ ١/ ١٦٧) طرح التثريب عراقى (٢/ ٢٥٣) فتح الباري (٢/ ٢٢٠) المرعاة شرح المشكاة (٢/ ٢٥٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسند حمیدی، شرح السنہ بغوی اور جزء رفع الیدین امام بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ» [1]

''رسول اللہ ﷺ اپنے کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے نماز شروع کرتے وقت، رکوع جانے کے لیے تکبیر کہتے وقت اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے (رفع الیدین کرتے) تھے۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''متواتر'' قرار دیا ہے اور مختلف کتبِ حدیث کے حوالوں سے اکیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے ہیں، جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ علامہ فیروز آبادی اور شیخ البانی نے بھی اسے متواتر کہا ہے۔ امام زیلعی حنفی نے ''نصب الرایة'' میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہوئے سینتیس صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں۔

امام ابن الجوزی، علامہ زیلعی، علامہ ابن حزم اور علامہ سبکی کے ذکر کردہ اَسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم اڑتالیس تک پہنچ جاتے ہیں اور علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ رفع الیدین

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢١٨۔ ٢٢٢) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٩٣ و ٩٤) سنن أبي داود مع العون (٢/ ٤١٠) ترمذي مع التحفة (٢/ ٩٩) صحيح سنن ابن ماجه للألباني (١/ ١٤٢) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٩٤) ابن حبان (٥/ ١٧٢ الإحسان) مسند أحمد (٣/ ١٩٩) الفتح الرباني، شرح السنة بغوي (ص: ٥٥٩) مسند الحميدي (ص: ١٧٦ و ١٧٧) اہلِ حدیث ٹرسٹ کراچی۔ جزء رفع اليدين امام بخاري (ص: ٢، ١٢۔ ١٥ وغيره) ٢٦ جگهوں پر موقوفاً اور موصولاً، مترجم اردو۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کا ذکر پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے۔ جبکہ امام حاکم اور ابن مندہ کے بقول ان میں چاروں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔[1]

دوسری دلیل:

صحیح بخاری و مسلم، نسائی و ابن ماجہ، ابن حبان و ابن خزیمہ، مسند احمد اور جزء رفع الیدین امام بخاری میں حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

«إِنَّهُ رَاَی مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ اِذَا صَلّٰی كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَنَعَ هٰكَذَا [و في مُسلم: كَانَ يَفْعَلُ هٰكَذَا]»[2]

''انھوں نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے، اور انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے ایسے ہی کیا۔ (اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے)۔''

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کے پاس ۹ھ میں آنا ہوا جو غزوۂ

---

[1] ان اڑتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اور ذکر کرنے والے مصنفین کی تفصیل ہم نے ''رفع الیدین'' کے موضوع پر اپنی مستقل کتاب (مطبوع) میں ذکر کر دی ہے۔ نیز دیکھیں: نصب الراية (١/ ٤١٧ و ٤١٨) فتح الباري (٢/ ٢٢٠) نيل الأوطار (٢/ ١٦٢) تحفة الأحوذي (٢/ ١٠٠) المحلّى (٤/ ٩٠) الموضوعات لابن الجوزي (٢/ ٩٨) جزء رفع اليدين إمام بخاري (ص: ١٠، ٣٤، ٤٧، ٥٠، ٥١) مترجم جزء رفع اليدين سبكى (ص: ٩٣ و ٩٤ مع جزء بخاري) التلخيص الحبير (١/ ١/ ٢١٨) مشكاة (١/ ٢٥٤ بتحقيق الألباني)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٢١٩) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٩٤) صحيح سنن ابن ماجه للألباني (١/ ١٤٢) ابن خزيمة (١/ ٢٩٥) ابن حبان (٥/ ١٧٦، الإحسان) مسند أحمد (٣/ ١٦٧ الفتح الرباني، جزء إمام بخاري، (ص: ٣١ و ٣٢، نمبر ٧، ٥٤، ٥٥، ٦٦، ١٠٢) نصب الراية (١/ ٤١٠)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تبوک کے ایام میں ہے۔[1]

انھوں نے یہ حدیث ۹ھ یا ۱۰ھ میں بیان کی جو نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا تقریباً آخری سال ہے۔ گویا اس وقت تک رفع یدین منسوخ نہیں ہوئی تھی اور اس کے عدمِ نسخ کا اعتراف خود علامہ سندھی حنفی نے حاشیہ نسائی و ابن ماجہ میں کیا ہے۔[2]

تیسری دلیل:

صحیح مسلم، ابو داود و ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ، دارمی، دارقطنی، بیہقی، صحیح ابوعوانہ، مصنف عبد الرزاق، مسند احمد، حمیدی، محلّیٰ ابن حزم، التمہید لابن عبدالبر اور جزء امام بخاری میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> ''میں نے نبی ﷺ کو نماز کے شروع میں تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے دیکھا (اور ہمام نے بتایا ہے کہ دونوں کانوں تک) پھر آپ ﷺ نے چادر اوڑھ لی اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر باندھ لیا۔ جب آپ ﷺ نے رکوع کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو کپڑے سے نکالا اور رفع یدین کی، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا اور جب ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہا تو رفع یدین کی....''[3]

حضرت وائل رضی اللہ عنہ ۹ھ میں مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے تھے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی نے بھی لکھا ہے۔[4] لہٰذا یہ حدیث بھی عدمِ نسخ کی بیّن دلیل ہے، خصوصاً جب

[1] فتح الباري (٢/ ١١٠، ١٣/ ٢٣٦) و سیرت ابن ھشام (٤/ ١٦٩) بتحقيق محمد محي الدين.

[2] حاشية سنن النسائي (١/ ١٥٨ مجتبائی) حاشیه ابن ماجه (١/ ١٤٦ مصری)

[3] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١١٤) أبي داود (٢/ ٤١٠ و ٤١١) صحيح ابن ماجه للألباني (١/ ١٤٣) ابن حبان (٤٨٥، الموارد) ابن خزيمة (٦٩٧) جزء إمام بخاري (نمبر ١٠، ٢٣، ٢٧، ٣١، ٧٠، ٧١، ٧٣) التمهيد (٩/ ٢٢٧) المحلیٰ (٤/ ٩١ و ٩٢) سنن البيهقي (٢/ ٧١) دارقطني (١/ ١/ ٢٩٠) تحقيق صلاة الرسول (ص: ٢٧٣ اوّل)

[4] عمدة القاري شرح صحيح البخاري (٣/ ٩ بيروت)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تکبیر تحریمہ کے ساتھ والی رفع یدین کی مقدار (کانوں تک) کے لیے علمائے احناف یہی حدیث پیش کرتے ہیں تو پھر اس حدیث کے اگلے حصہ میں وارد رکوع کے ساتھ والی رفع یدین کو کیوں ترک کر دیتے ہیں؟ کیا یہ بھی ایک طرفہ تماشا نہیں؟

دیگر دلائل:

رفع یدین کے سنت ہونے کے اور بھی بکثرت دلائل موجود ہیں، حتیٰ کہ علامہ فیروزآبادی (صاحبِ قاموس) نے تو کہا ہے کہ اس موضوع کی چار سو احادیث ہیں، جبکہ پچاس (۵۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسما کا تذکرہ ملتا ہے، جنھوں نے یہ احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے اڑتالیس صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی تو ہم نے ''رفع الیدین'' والی مستقل کتاب میں ذکر بھی کیے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار، خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دو اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و صحابیات رضی اللہ عنہن کے نو آثار بھی ہم نے مشار الیہ اور کتاب میں ذکر کیے ہیں، جنھیں اختصار کے پیشِ نظر یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے تو رفع یدین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ذکر کیا ہے، کیوں کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا بیان کیا اور کسی کا استثنا نہیں کیا، ایسے ہی حضرت حسن بصری اور حمید بن ہلال نے بھی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا بیان کیا ہے اور کسی کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہی تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے بھی بکثرت آثار ملتے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی رفع یدین کرنے کے قائل و فاعل تھے۔ اس موضوع پر اپنی مستقل کتاب میں ہم نے اُنیس (۱۹) آثار ذکر کیے ہیں، جنھیں طوالت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: ہماری کتاب ''رفع الیدین...'' زیرِ عنوان ''آثارِ خلفا و صحابہ رضی اللہ عنہم'' جو ہماری ویب سائیٹ پر فری ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود ہے۔

[2] جزء إمام بخاري (ص: ۳۴، ۴۸، ۴۹، ۵۶، ۶۹) نیز دیکھیں: مصنف ابن أبي شيبة (۱/ ۲۳۵) المحلیٰ (۴/ ۸۹) نصب الراية (۱/ ۴۱۶) الدراية (۱/ ۱۵۴) التلخيص (۱/ ۲۲۰۱)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کے خوف سے یہاں نظر انداز کر رہے ہیں۔[1]

ائمہ حدیث و فقہ:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے جزء اور امام سبکی رحمہ اللہ نے اپنے جزء میں، اسی طرح امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ تمام ائمہ حدیث رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کے قائل تھے، صرف اہلِ کوفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، جبکہ اہلِ کوفہ میں سے بھی امام ابن المبارک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب رفع یدین کے قائل و فاعل تھے۔

ایسے ہی ائمہ مجتہدین کی بھی اکثریت اس کی قائل و فاعل رہی ہے، جیسا کہ آغازِ موضوع میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

گیارہ علمائے احناف:

بعض کبار علما و فقہائے احناف بھی اس رفع یدین کے قائل و فاعل گزرے ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل ائمہ و علما ہیں:

1. امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دو معروف شاگردوں میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ملازمِ صحبت عصام بن یوسف۔ (الفوائد البهية في تراجم الحنفية، ص: ١١٦، بحواله صفة صلاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ٢١، ٢٢، ٧٣ و التحقيق الراسخ حضرت العلام حافظ محمد محدّث گوندلوی، ص: ١٥٧)

2. اسلامیانِ برصغیر کے مشترکہ بزرگ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ (حُجّة الله البالغة: ٢/ ٨ عربی و ص: ٣١٨ اردو ترجمه از مولانا عبدالحق حقانی، طبع دار الاشاعت، کراچی)

---

[1] تفصیل کے لیے ہماری کتاب: ''رفع الیدین...'' زیرِ عنوان ''آثارِ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ'' دیکھیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

3 صاحب الکوکب الدری (۱/ ۱۲۹، بحوالہ المرعاۃ: ۲/ ۲۵۴)

4 صاحبِ فیض الباری (۱/ ۲۵۷، بحوالہ المرعاۃ: ۲/ ۲۵۵)

5 صاحب البدر الساری (۱/ ۲۵۵، بحوالہ المرعاۃ: ۲/ ۲۵۵)

6 علامہ سندھی۔ (حاشیہ نسائی و ابن ماجہ، بحوالہ المرعاۃ و جزء رفع الیدین مولانا خالد گرجاکھی، ص: ۲۰۷)

7 علامہ عبدالحی لکھنوی۔ (التعليق الممجّد على موطا الإمام محمد، ص: ۹۱۔ ۹۳ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ السعایۃ حاشیہ شرح وقایۃ (۱/ ۲/ ۲۱۳، طبع سہیل اکیڈمی، لاھور)

8 علامہ انور شاہ کاشمیری۔ (العرف الشذي: ۱/ ۱۲٤، بحوالہ التحقیق الراسخ، ص: ۱۵۸، و جزء مولانا گرجاکھی، ص: ۲۰۷)

9 مولانا رشید احمد گنگوہی۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۲/ ۵ بحوالہ جاتِ سابقہ)

10 قاضی ثنا اللہ پانی پتی۔ (مالا بُدّ منہ، ص: ۳۸، سب رنگ کتاب گھر دہلی)

11 مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی فتح پوری۔ (نور العینین، ص: ۸۵، بحوالہ التحقیق الراسخ، ص: ۱۵۹)

ان تمام (۱۱) علما کے اقوال و آرا بھی ہماری متعلقہ کتاب میں ذکر کیے گئے ہیں۔[1]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

عالمی شہرت یافتہ بزرگ اور اسلامیانِ پاک و ہند کے مشترکہ قابلِ احترام ولی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں "ہیئاتِ نماز" میں تکبیرِ تحریمہ کے وقت، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا ہی تجویز کیا ہے۔[2]

1. دیکھیں: "رفع الیدین..." زیرِ عنوان "گیارہ علمائے احناف کا قول و عمل"
2. غنیۃ الطالبین مع اردو ترجمہ (ص: ۲۲۔ ۲۳) نفیس اکیڈمی کراچی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الغرض سابقہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور اس کے منسوخ کیے جانے کا کوئی ثبوت ہر گز نہیں ہے۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہٹ دھرمی اختیار کرلیں یا سنت پر عمل پیرا ہوکر ثواب کمائیں۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ

مانعین رفع الیدین:

قائلینِ رفع الیدین کی طرح ہی مانعین رفع الیدین نے بھی چند دلائل دیے ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں:

پہلی روایت:

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت میں ہے کہ ''کیا بات ہے، میں تم لوگوں کو اس طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں، نماز میں پُرسکون رہو۔''[1]

جائزہ:

اس روایت میں مانعین کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ اس میں ہاتھ اٹھانے کی اس جگہ کا تو ذکر ہی نہیں جس سے روکا گیا ہے، جبکہ انھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اسی روایت سے متصل آگے دو اور روایات ہیں اور وہ بھی صحیح مسلم ہی میں موجود ہیں، جن میں ممانعت والے ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ آیا ہے اور وہ دونوں روایات یوں ہیں:

اوّلاً: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ'' کہتے ہوئے ہاتھ سے (دائیں، بائیں) اشارہ بھی کرتے۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے ہاتھوں کو سرکش گھوڑوں کی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٤٣٠)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دموں کی طرح ہلاتے ہو، تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہی دائیں اور بائیں رُخ کر کے «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ» کہہ دو۔“[1]

ثانیاً: صحیح مسلم ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث سابق کے ذیل میں ایک اور روایت بھی ہے جو اسی معنیٰ و مفہوم کی ہے جس میں سلام پھیرتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ ہلانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں روکنے کا ذکر آیا ہے۔[2]

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت سے رکوع والی رفع یدین کی ممانعت پر استدلال کرنا نہ صرف ایک عجیب بات بلکہ سنت سے قبیح قسم کی جہالت ہے۔ آگے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ کوئی عالم شخص تو اس سے رکوع والی رفع یدین کے خلاف دلیل نہیں لے سکتا البتہ کوئی جاہل ایسا کرے تو الگ بات ہے، کیوں کہ یہ تو مشہور و معروف بات ہے کہ یہ ممانعت سلام پھیرتے وقت ہاتھ ہلانے سے تعلق رکھتی ہے۔[3]

دوسری روایت:

سنن ابی داود و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کیا میں تمھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟“

پھر انھوں نے نماز پڑھ کر بتائی جس میں انھوں نے صرف تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کی۔[4]

---

(1) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٣١)

(2) حوالہ سابقہ.

(3) شرح نووی زیر حدیثِ مذکور.

(4) سنن أبي داود، رقم الحديث (٧٤٨) و سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٧)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جائزہ:

یہ روایت بھی مانعین کی دلیل نہیں بن سکتی، کیوں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ خود امام ابو داود اور امام ترمذی نے اس روایت کے ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے۔[1]

تیسری روایت:

ابو داود ہی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے، پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔"[2]

جائزہ:

اس روایت کو بھی کبار محدّثین میں سے امام سفیان، امام شافعی، استادِ امام بخاری امام حمیدی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دیگراں:

ایسی ہی بعض دیگر روایات و آثار بھی ہیں جو یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو صریح نہیں، بلکہ بعض تو صحیح و صریح کیا ہوں گی، محض افسانہ نما باتیں ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے:

> "بعض لوگ آستینوں اور بغلوں میں بُت دبا کر لے آتے تھے، جنھیں گرانے کے لیے رفع یدین کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں اسے ترک کر دیا گیا۔"

جائزہ:

یہ بات کتبِ حدیث میں سے تو آج تک نہ کبھی کوئی ثابت کر سکا ہے اور نہ ثابت کر سکے گا، کیوں کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں، محض خانہ ساز افسانہ ہے، جو بعض متعصّب قسم کے مولویوں نے گھڑا اور جاہل لوگوں نے اسے رٹ لیا۔ اس سلسلے میں

---

[1] سنن أبي داود، زير حديث (٧٤٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٥)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٧٤٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف چند باتوں پر غور کریں تو اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ مثلاً:

1 اگر بُت گرانے کے لیے رفع یدین کا حکم دیا گیا تھا تو پھر صرف پہلی تکبیر والی رفع یدین ہی کافی تھی اور اگر اس کے باوجود وہ انھیں سنبھال سکتے تھے تو پھر وہ ساری نماز میں بھی سنبھال کر رکھ سکتے تھے۔

2 کیا اس افسانے سے نبی ﷺ کے عالمِ غیب ماننے والوں کو اپنے عقیدے پر زد پڑتی نظر نہیں آتی؟ بُت لانے کی بات بھی مانتے ہیں اور عالمِ غیب بھی گردانتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ عالمِ غیب ہوتے تو اس کام کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ صاف کہہ دیا جاتا کہ فلاں فلاں شخص اپنی بغلوں سے بُت نکال کر آئے۔

3 بُت وہ بغلوں یا آستینوں ہی میں کیوں لاتے تھے؟ وہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ انھیں جیبوں میں بھر لانا آسان ہے؟

4 کبھی پتا چلا ہو کہ جب کسی کی بغلوں کے بُت گرے تو آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا دی یا ڈانٹ پلائی ہو؟ ایسا کوئی واقعہ کسی حدیث میں آیا ہو؟ ہرگز نہیں!

5 بلکہ نماز باجماعت کا حکم تو مدینہ منورہ میں ہوا جہاں بُت تھے ہی نہیں اور مکہ مکرمہ میں جہاں بُت تھے وہاں نماز کی جماعت فرض نہیں تھی۔ پھر یہ بتوں کی کہانی گھڑنے سے حاصل؟

الغرض مانعین کے تمام دلائل اور ان کا جائزہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو ہماری کتاب ''رفع یدین...'' کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ إن شاء اللّٰه.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع اور اس کا حکم

قراءت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے نمازی رکوع میں چلا جائے۔ یہ رکوع قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کی رُو سے رکن و فرض ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج آیت (۷۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! رکوع و سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔''

ایسے ہی کتبِ حدیث میں وارد معروف واقعہ جس میں ایک اعرابی کے اچھی طرح سے نماز نہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے، صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حکم فرمایا:

''پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ رکوع کی حالت میں خوب مطمئن ہو جاؤ۔''[1]

کیفیتِ رکوع:

رکوع کرنے کا مسنون طریقہ و کیفیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں صحیحین و سننِ اربعہ، صحیح ابن خزیمہ و مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٧٧) فقه السنة (١/ ١٣٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا تو انھوں نے مجھے اس سے منع کر دیا اور فرمایا: ہم ایسا کیا کرتے تھے، پھر ہمیں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔"[1]

ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی کیفیت ابو داود و نسائی، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں حضرت ابو مسعود عقبہ بن عَمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آئی ہے:

"انھوں نے رکوع کیا اور دونوں ہاتھوں کو الگ الگ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا اور اپنی انگلیاں کھلی رکھیں جو گھٹنوں کی پچھلی جانب کو تھیں اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"[2]

جبکہ ترمذی، ابو داود، دارمی، بیہقی اور ابن خزیمہ میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت والی حدیث میں ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا، وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ»[3]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو یوں اپنے گھٹنوں پر رکھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہیں، اور اپنے دونوں بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھا۔"

رکوع کی حالت میں کمر اور سر کی کیفیت:

یہ تو ہوا ہاتھوں، بازوؤں، کہنیوں اور گھٹنوں کی نسبت سے، اب رہی یہ بات

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٧٣) سنن أبي داود مع العون (٣/ ١١٨۔ ١١٩) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١١٥) ابن خزيمة (١/ ٣٠١) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه (١/ ٣٠٢) عن مصعب بن سعد رضي الله عنه، المنتقىٰ (١/ ٢/ ٢٤٤) طبع بيروت.

[2] ابن خزيمة (١/ ٣٠٣) و المنتقى (١/ ٢/ ٢٤٣ و ٢٤٤)

[3] صحيح أبي داوٗد (١/ ١٤١) سنن الترمذي (٢/ ١١٧) و صفة الصلاة للألباني (ص: ٧٣) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١١٧) سنن البيهقي (٢/ ٧٣) مشكاة (١/ ٢٥١ و صححه)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ رکوع کی حالت میں کمر اور سر کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟

اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے "باب استواء الظهر في الركوع" "یعنی رکوع میں کمر کو برابر و سیدھا رکھنے کے بیان میں" ترجمۃ الباب کے طور پر حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے، جس میں وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو کہتے ہیں:

"نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور اپنی کمر مبارک کو پوری طرح سیدھا جھکا دیا۔"[1]

اس کی مزید وضاحت سنن ابن ماجہ، معجم طبرانی صغیر و کبیر اور زوائد مسند امام احمد کے ان الفاظ سے ہو جاتی ہے، جن میں حضرت علی، ابن عباس، انس، وابصہ بن معبد، ابو برزہ اسلمی اور عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

﴿حَتّٰی لَوْ صُبَّ عَلَیْهِ الْمَاءُ لَاسْتَقَرَّ﴾[2]

"اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر (رکوع کی حالت میں) پانی بہایا جائے تو وہ بھی (گرنے نہ پائے بلکہ) اوپر ٹھہر جائے۔"

اب بات رہ جاتی ہے سر کی کہ اُسے کس طرح رکھنا ضروری ہے؟ جبکہ اس کے معاملے میں کافی کوتاہی دیکھنے میں آتی ہے۔ بعض لوگ سر کو بہت زیادہ جھکائے ہوئے بلکہ گھٹنوں میں دبائے ہوئے نظر آتے ہیں اور بعض دوسرے کمر کو سیدھا نہ کرنے پر مستزاد یہ کہ سر کو بھی بہت اٹھائے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں انداز ہی غیر صحیح ہیں، بلکہ رکوع کی حالت میں کمر کی طرح سر بھی نہ زیادہ جھکا ہوا اور نہ ہی زیادہ اٹھا ہوا ہو، اسے کمر کی سیدھ ہی میں رکھنا چاہیے، کیوں کہ سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ،

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٧٥) تعليق (٢/ ٣٠٥) و مشكاة (١/ ٢٤٨ موصولاً)

[2] نصب الراية (١/ ٣٧٤) الفتح الرباني ترتيب مسند أحمد (٣/ ٢٥٧) صفة الصلاة (ص: ٧٤) التلخيص (١/ ١/ ٢٤١) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٢٣) تخريج صلاة الرسول (ص: ٢٦٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسند احمد اور جزء القراءۃ امام بخاری میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو حُمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ لَا يَصُبُّ رَأْسَهُ وَلَا يَقْنَعُ» [1]

”نبی ﷺ (رکوع کی حالت میں) سر کو نہ تو نیچے کی جانب زیادہ جھکائے رکھتے تھے اور نہ اوپر کی طرف زیادہ اٹھائے رکھتے تھے۔“

جبکہ صحیح مسلم و ابی عوانہ، مسند احمد اور طیالسی میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

”جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو رکوع میں نہ سر کو اٹھا کر رکھتے اور نہ جھکا کر، بلکہ سر اِن دونوں حالتوں کے مابین ہوتا۔“ [2]

رکوع میں وجوبِ اطمینان:

رکوع میں اطمینان واجب ہے، بھاگم بھاگ کی سی کیفیت جائز نہیں، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ پورے اطمینان کے ساتھ رکوع فرمایا کرتے تھے اور اسی کا حکم آپ ﷺ نے صحیح طرح سے نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کو بھی دیا تھا۔ چنانچہ صحیحین، شرح السنہ بغوی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا تھا: ”پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ تم رکوع میں خوب مطمئن ہو جاؤ۔“ [3]

---

[1] سنن أبي داود مع العون (ج ٣) سنن أبي داود (١/ ٤٦٧، طبع دارالحديث حمص، شام) مسند أحمد (٥/ ٤٢٤) سنن الترمذي، كتاب الصلاة (باب: ١١٠) سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة (باب: ٧٢) صفة الصلاة (ص: ٧٤)

[2] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢١٣) مسند أحمد (٦/ ٣١، ١٩٤) مشكاة (١/ ٢٤٦، ٢٤٧ وتكلم على اسناده العلماء ومع هذا قواه الألباني لشواهده) صفة الصلاة (ص: ٧٤) و تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ٢٦٠)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٢٧٧) و انظر المشكاة (١/ ٢٤٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے نماز پڑھتے ہوئے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہیں کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے مسلمانو! جو شخص اپنی کمر کو رکوع و سجود میں صحیح سیدھا نہ کرے، اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔''[1]

ٹھونگے مارنا:

ان احادیث سے رکوع میں اطمینان کی اہمیت و وجوب واضح ہو جاتا ہے، جبکہ اس کی خلاف ورزی کرنے اور جلدی جلدی رکوع و سجود کرنے والوں کے خلاف سخت وعید آئی ہے، حتیٰ کہ اسے نبی ﷺ نے کوّے کے ٹھونگے مارنے اور دانہ چگنے سے تشبیہ دی ہے۔

چنانچہ مسند ابو یعلی، سنن بیہقی، معجم طبرانی کبیر، المختارۃ للضیاء المقدسی اور تاریخِ دمشق ابن عساکر میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع اچھی طرح نہیں کر رہا تھا اور سجدے بھی ٹھونگے مارنے کی طرح کر رہا تھا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر یہ شخص اسی طرح مر گیا تو اس کی موت ملتِ محمد ﷺ پر نہیں ہوگی (اس طرح نماز پڑھتا ہے جیسے کوا خون پر ٹھونگے مارتا ہے) رکوع پورا نہ کرنے والے اور سجدے میں ٹھونگے مارنے والے کی مثال اُس بھوکے کی سی ہے جو دو ایک کھجور کھائے اور وہ اس کے کسی کام نہ آئیں (ناکافی رہیں)۔''[2]

مسند احمد و طیالسی، مصنف ابن ابی شیبہ اور الاحکام للاشبیلی (عبدالحق) میں

---

[1] صفة الصلاة أيضا.

[2] صفة الصلاة (ص: ٧٤) و حسنه في تعليقه على المشكاة (١/ ٢٧٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهَانِي خَلِيلِي ﷺ اَنْ اَنْقُرَ فِي صَلَاتِي نَقْرَ الدِّيكِ، وَاَنْ اَلْتَفِتَ اِلْتِفَاتَ الثَّعْلَبِ وَاَنْ اَقْعِيَ كَاِقْعَاءِ الْقِرْدِ» [1]

''میرے خلیل ﷺ نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ میں نماز میں مرغ کی طرح ٹھونگے ماروں اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر جھانکوں اور بندر کی طرح (ایڑیوں پر) بیٹھوں۔''

نماز کا چور:

صحیح ابن خزیمہ، سنن دارمی، معجم طبرانی کبیر، مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی اوسط و صغیر، مستدرک حاکم، مسند ابو یعلیٰ اور مسند احمد و بزار میں حضرات ابو قتادہ، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے رکوع و سجود صحیح طرح سے ادا نہ کرنے والے کو نماز کا چور قرار دیا ہے۔

چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ؟.

''بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! نماز کی چوری کیسی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا» [2]

''نماز کا رکوع و سجود پوری طرح ادا نہ کرنا نماز کی چوری ہے۔''

---

[1] صفة الصلاة (ص: ٧٤، ٧٥) و ابن أبي شيبة.

[2] مشكاة (١/ ٢٧٩) ووافق على تصحيح الحاكم الذهبي وكذا في صفة الصلاة (ص: ٧٥) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٢٣) تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ٥٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

رکوع کے تسبیحات واذکار:

رکوع میں نبیِ اکرم ﷺ سے متعدد تسبیحات واذکار ثابت ہیں، مثلاً:

صحیح مسلم، سنن ابی داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، دارمی، طحاوی، معجم طبرانی کبیر اور مسند احمد و بزار نیز بعض دیگر کتبِ حدیث میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں معروف تسبیح وارد ہوئی ہے جو زبان زدِ خاص و عام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم و سننِ اربعہ اور دارمی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ رکوع میں یہ کہتے تھے: «سُبُحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ» (پاک ہے میرا ربّ عظمت والا) اور سجدوں میں یہ کہتے تھے: «سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی» (پاک ہے میرا ربّ بزرگ و برتر)۔''

آگے ہے کہ جب بھی کوئی آیتِ رحمت آتی تو آپ ﷺ تلاوت سے رک کر رحمت کی طلب و دعا فرماتے اور جب بھی کوئی آیتِ عذاب آتی تو آپ ﷺ رُک کر اس سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔[1]

یکے از آدابِ سلام و مصافحہ:

یہیں یہ بات بھی یاد دلاتے جائیں کہ رکوع کرنا یا تعظیماً جھکنا چونکہ ایک عبادت ہے اور ہر قسم کی عبادات کا حقدار صرف ربِّ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ہے، لہٰذا کسی بزرگ یا آفیسر کو سلام کرتے اور مصافحہ کرتے وقت جھکنا جائز نہیں ہے، بلکہ معمول کے انداز سے کھڑے کھڑے سلام و مصافحہ کرنا عین ادب اور اسلامی تعلیمات کے موافق ہے۔

1 مشکاۃ (۱/ ۲۷۸) شرح السنۃ (۳/ ۱۰۳) المنتقیٰ (۲/ ۳/ ۸۶ طبع الریاض)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تسبیحات کی تعداد:

① رکوع و سجدہ میں انہی تسبیحات کا ذکر ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، شرح السنہ بغوی، مسند شافعی و طیالسی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی آیا ہے جو حضرت جُبیر بن مُطعم، حذیفہ، ابوبکرہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اس حدیث میں ان تسبیحات کا کم از کم تین مرتبہ پڑھنا وارد ہوا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے بعض کبار اہلِ علم نے تین مرتبہ کی قید پر اعتراض کیا ہے، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ تین والی حدیث متکلّم فیہ ہے، جبکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہما کی مرویات کے مجموعی مفاد کو ثابت مانتے ہوئے نیز شواہد کی بنا پر بعض دیگر کبار محدّثین نے ان کی تردید کی ہے۔[1]

علامہ ماوردی سے امام شوکانی نے نقل کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ گیارہ یا نو اور اوسط پانچ تسبیحات ہیں اور اگر صرف ایک ہی مرتبہ کہہ لے تو تسبیح ہوگئی۔ لہٰذا جتنی زیادہ تسبیحات ممکن ہوں کہی جائیں، البتہ امام ترمذی نے کم از کم کی تعداد تین ہونے کو ہی اہلِ علم کا عمل قرار دیا ہے۔[2]

② تسبیحات و اذکارِ رکوع کے سلسلے ہی میں ابو داود، دارقطنی، بیہقی، مستدرک حاکم، معجم طبرانی کبیر اور مسند احمد میں صحیح سند سے تین مرتبہ یہ کہنا بھی مروی ہے:

«سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ»[3]

---

① تفصیل کے لیے دیکھیں: سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٤٢، ٣٤٣) سنن الترمذي (٢/ ١١٨، ١١٩) صفة الصلاة (ص: ٧٥) مشكاة (١/ ٢٧٧) المنتقىٰ مع نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٩٠) شرح السنة (٣/ ١٠٢) تحفة الأحوذي (٢/ ١١٩) تحقيق زاد المعاد (١/ ٢١٧) تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ٢٦٢، ٢٦٣)

② سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١١٨۔ ١٢٠) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٩٠) شرح السنة للبغوي (٣/ ١٠٣)

③ صفة الصلاة (ص: ٧٥) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٤١) عن حذيفة و ابن مسعود عند ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پاک ہے میرا پروردگار عظمت والا اپنی تعریفوں کے ساتھ۔“

③ رکوع کے لیے نبیِ اکرم ﷺ سے بعض دوسری دعائیں، تسبیحات اور اذکار بھی ثابت ہیں، جن میں سے ایک صحیح بخاری و مسلم، ابو داود و نسائی، ابوعوانہ، مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ رکوع و سجود میں یہ کہا کرتے تھے:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي»[1]

”پاک ہے تو اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنی تعریفوں کے ساتھ۔ اے اللہ! مجھے بخش دے!“

④ جبکہ صحیح مسلم، ابو داود، نسائی، ابوعوانہ، مصنف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک چوتھی دعا یوں مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے رکوع و سجود میں یہ کہا کرتے تھے:

«سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ»[2]

”پاک ہے، تقدّس والا ہے، تمام فرشتوں اور روح الامین جبرائیل علیہ السلام کا پروردگار۔“

⑤ اسی طرح سنن ابی داود و نسائی میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ سے رکوع کی پانچویں دُعا بھی روایت کی، جو یوں ہے:

← الدارقطني عن عقبة، عند أبي داوٗد وعن أبي مالك الأشعري عند أحمد و الطبراني وعن أبي جحيفه عند الحاكم، كذا في التعليق المغني على سنن الدارقطني)

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٨١) صحيح مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ٢٠١) مصنف عبدالرزاق (٢٨٧٧) مشكاة (١/ ٢٧٥) شرح السنة (٣/ ١٠٠) الأذكار للنووي (ص: ٤٢، بتحقيق الأرناؤوط) تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ٢٦٤)

[2] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٠٤) سنن النسائي (١/ ١/ ١٢٥ مع التعليقات السلفية) مصنف عبدالرزاق (٢٨٨٤) الأذكار (ص: ٤٢) صفة الصلاة (ص: ٧٦) تخريج صلوة الرسول ﷺ (ص: ٢٦٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

«سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ»[1]

''پاک ہے تمام قوّتوں، بادشاہتوں، ملکیتوں، کبریائی اور عظمتوں والا۔''

اس حدیث میں آپ ﷺ کے اِس دُعا کو رات کی نماز کے رکوع میں پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

رکوع و سجود میں تلاوت:

یہاں اس بات کی طرف متنبہ کر دینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ رکوع و سجود میں تسبیحات و اَذکار میں چاہے کتنا وقت لگائیں کارِ ثواب ہے، البتہ ان مواقع پر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا منع ہے، نماز چاہے فرض ہو یا نفل، کیوں کہ صحیح مسلم و ابی عوانہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

''خبردار! مجھے رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے، البتہ رکوع میں اپنے پروردگار کی عظمت بیان کرو اور سجدوں میں دعائیں مانگو، سجدے میں کی گئی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔''[2]

مدرکِ رکوع کی رکعت:

اگر کوئی شخص مسجد میں پہنچے اور امام رکوع میں جا چکا ہو تو وہ بھی تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ انتقال کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایسے موقع پر اگر صرف ایک ہی تکبیر کہہ لے تو وہ تحریمہ و انتقال دونوں سے کفایت کر جائے گی۔[3]

[1] سنن النسائي (١/ ١/ ١٢٥ مع التعليقات السلفية) و صفة الصلاة وصححه (ص: ٧٦)

[2] صحيح مسلم مع للنووي (٢/ ٤/ ١٩٦) شرح السنة (٣/ ١٠٧) مشكاة المصابيح (١/ ٢٧٦) المنتقى مع النيل (٢/ ٣/ ٩١) بلوغ المرام مع سبل السلام (١/ ١/ ١٧٧۔ طبع مصر) صفة الصلاة (ص: ٧٧)

[3] سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٤١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اس سے قیام اور قراءت کرنا یا سننا سب چھوٹ گئے ہیں، لہٰذا وہ اس رکعت کو شمار کرنے کے بجائے امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو دوبارہ پڑھ لے۔ اس مسئلے میں اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے، جس کی لمبی چوڑی تفصیلات ہم فاتحہ خلف الامام کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں، اور وہ الگ کتابی شکل میں بھی اس کتاب کے ساتھ ہی چھپ رہی ہے، إن شآءِ اللّٰہ۔ لہٰذا انھیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

''فتح الباری'' (۲/ ۲۶۷) و ما بعد، ''جزء القراءۃ امام بخاری'' (ص: ۱۰۸)، جزء بیہقی، ''نیل الأوطار'' (جزء دوم)، ''عون المعبود'' (جلد اوّل)، ''زرقانی''، ''شرح موطأ'' (جلد اوّل) ''محلّی ابن حزم'' (جلد اول)، ''تحفۃ الأحوذی''، ''المرعاۃ'' (جلد دوم)، ''التعلیق المغني حاشیہ وشرح دارقطني''، ''کتاب الصلوٰۃ از بخاری شریف، ترجمہ وتشریح مولانا محمد داود راز دہلوی بتعلیقات مولانا کرم الدین صاحب سلفی طبع کراچی'' (ص: ۳۵۱۔ ۳۷۹) اور مولانا کرم الدین کی ہی ''نماز میں سورۃ الفاتحۃ'' (ص: ۱۸۵۔ ۲۰۹) طبع فاروقی کتب خانہ ملتان، میں بھی اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قومہ

قومہ کی کیفیت:

جب نمازی سکون و اطمینان کے ساتھ رکوع میں ملکوتی تسبیحوں کے پھول بارگاہِ لم یزل میں پیش کر لے تو ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ“ کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر اس قومہ میں ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہے، جس کا حکم تکبیراتِ انتقال والا ہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک واجب اور دیگر تمام ائمہ کے نزدیک یہ مسنون ہے۔

رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین:

رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا صحیح احادیث سے ثابت و مسنون عمل ہے۔ لہٰذا جو نمازی اِس سنت پر عمل کرنا چاہے، وہ رفع یدین کرتا ہوا رکوع سے سر اٹھائے۔ اس رفع یدین کی سنیّت کی تمام تر تفصیلات الگ کتابی شکل میں چھپ چکی ہیں اور اس کا خلاصہ ہم سابق میں رفع یدین کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا انھیں بھی یہاں دہرانا تحصیلِ حاصل ہے، اس لیے ہم یہاں ان سے صرفِ نظر کر رہے ہیں کہ یہ رفع یدین متواتر ہے۔

قومہ کے اَذکار:

اب رہے قومہ کے اَذکار تو اس موقع کے لیے بھی نبی ﷺ سے متعدد اذکار ثابت ہیں۔ مثلاً: پہلا ذکر تو وہی ہے جو معروف ہے: ((رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ))۔ اِس ذکر کا ثبوت صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ (سوائے ابن ماجہ)، بیہقی و ابی عوانہ اور موطا امام مالک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

1. «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» ”اے اللہ! ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔“
2. بخاری و مسلم ہی میں ایک دوسری حدیث میں ہے:

«رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» ”اے ہمارے پروردگار! اور ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔“

3. صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں ہے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» ”اے اللہ، ہمارے پروردگار! ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔“

4. صحیح بخاری و نسائی اور مسند احمد میں دو مختلف طُرق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، اور سنن دارمی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابن ماجہ و سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں ہے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»[1]

”اے اللہ! ہمارے پروردگار! اور ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔“

یہ چاروں مختلف صیغے صحیح احادیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ان میں معمولی معمولی فرق ہے۔ ان سب میں سے جو کوئی جسے بھی پڑھ لے، صحیح ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرتے جائیں کہ نمازی اگر اکیلا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ رکوع سے اٹھتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» بھی کہے گا اور «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» یا دوسرا کوئی صیغہ و ذکر بھی کرے گا، لیکن اگر کوئی نمازی جماعت کے ساتھ

[1] صحیح البخاري (۲/ ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۰) زاد المعاد (۱/ ۲۱۹، ۲۲۰) و تخریجه للأرناؤوط، المنتقیٰ مع النیل (۱/ ۲/ ۲۵۰، ۲۵۱) صفة الصلاة (ص: ۷۸) الفتح الرباني (۳/ ۲۷۱، ۲۷۴)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھ رہا ہے تو وہ مقتدی آیا صرف «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہے گا یا اسے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» بھی کہنا چاہیے؟

جمہور کا مسلک و دلیل:

اس سلسلے میں جمہور اہلِ علم کا مسلک تو یہی ہے کہ امام «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہے، مقتدی نہ کہے، مقتدی صرف «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہے۔

بعض محقّقین و محدِّثین کا نظریہ:

بعض محقّقین و محدِّثین نے جمہور کے مسلک کو محلِ نظر قرار دیتے ہوئے اس سے اختلاف کیا ہے اور اس مسئلے کے دوسرے پہلو کو اختیار کیا ہے:

1. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ: ان میں سے فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے۔
2. امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: ایسے ہی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے۔
3. علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ: علامہ یمانی امیر محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام شرح بلوغ المرام میں۔
4. امام شوکانی رحمہ اللہ: تقریباً انھی باتوں اور موقف کا اظہار امام محمد بن علی شوکانی نے نیل الأوطار میں کیا ہے۔
5. علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ: ترمذی شریف کی جامع ترین شرح تحفۃ الاحوذی میں علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

6، 7، 8، 9 امام ابن سیرین، عطاء، شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ۔ ان سب کا بھی یہی مسلک ہے۔

10. علامہ احمد بن عبدالرحمٰن البنّا رحمہ اللہ: الفتح الربانی ترتیب وشرح مسند امام احمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الشیبانی میں علامہ احمد البنّا۔

11 امام نووی۔

12 سید سابق۔

13 علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ: دورِ حاضر کے معروف محدّث علامہ البانی نے بھی اپنی کتاب ”صفة صلاة النبيّ ﷺ“ میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ مقتدی کو بھی «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہنا چاہیے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ یہ کوئی حلال اور حرام کا اختلاف نہیں، بلکہ یہ تو ایک تحقیقی اختلاف ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں جس شخص کو جس جانب کے دلائل زیادہ مطمئن کر رہے ہوں، وہ اسی پر عمل کر لے۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ بھی نہیں کہ ایک پہلو پر عمل کرے تو دوسرے والوں کو موردِ الزام ٹھہرائے یا طعن و تشنیع کا رویہ اختیار کرے۔ ہرگز نہیں، یہ انداز تو کہیں بھی مطلوب نہیں، چہ جائیکہ ایسے تحقیقی مسائل میں اختیار کیا جائے۔

اس ذکر کی فضیلت:

اس تسمیع و تحمید کی حدیثِ شریف میں بہت فضیلت آئی ہے، حتیٰ کہ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی، شرح السنہ اور موطا امام مالک میں وارد حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کے فرشتے بھی جماعت کے ساتھ یہ ذکر کرتے ہیں۔ آمین کی طرح ہی اس ذکر کے بارے میں ان مذکورہ کتب میں وارد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

”جس کا یہ کہنا فرشتے کے کہنے سے مل گیا، اس کے پہلے تمام گناہ بخشے گئے۔“[1]

قومہ کے اذکار میں سے ایک کی تو بہت زیادہ فضیلت اور بشارت وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے تو ضرور ہی «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کے ساتھ ہی کہہ لینا چاہیے۔

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٨٣) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٣٥) سنن الترمذي (٢/ ١٣١) ترمذي مع التحفة (٢/ ١٣١) موطأ (١/ ٨٨) مشكاة (١/ ٢٧٦) شرح السنة (٣/ ١١٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فضیلت و بشارت:

فضیلت و بشارت والا وہ ذکر صحیح بخاری شریف، ابو داود، نسائی، ابن خزیمہ، بیہقی، شرح السنہ بغوی، مسند احمد اور موطا امام مالک میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''ہم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» تو ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کہا: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ» ایک روایت میں ہے: «مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى» جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو پوچھا: بولنے والا کون تھا؟ اس آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں تھا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ»[1]

''میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان میں سے ہر فرشتہ ان کلمات کا ثواب لکھنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

اس فضیلت کے پیشِ نظر ہر نمازی کو یہ الفاظ یاد کر لینے چاہییں، تاکہ وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ فضیلت و ثواب حاصل کر سکے۔

رکوع سے اٹھ کر پوری طرح سے اطمینان کے ساتھ کھڑے ہوں اور جو ذکر یاد ہو وہ کریں اور پھر سجدہ کے لیے جھکیں۔ جبکہ ہمارے یہاں بکثرت لوگ ایسے ہیں کہ نماز پڑھتے وقت تسبیحاتِ رکوع سے فارغ ہوں تو سیدھے کھڑے ہونے کی بجائے

[1] صحيح البخاري (٢/ ٢٨٤) سنن البيهقي (٢/ ٩٥) شرح السنة (٣/ ١١٥) ابن خزيمة (١/ ٣١١) مشكاة (١/ ٢٧٦، ٢٧٧) تخريج صلاة الرسول (ص: ٢٦٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع کی تسبیحات مکمل کر کے سر کو محض اوپر کی جانب چھوٹا سا جھٹکا دیتے ہیں اور پھر سیدھے سجدے میں جا گرتے ہیں۔ یہ فعل یا انداز سنت کے قطعاً خلاف ہے۔ کیوں کہ اکثر ائمہ وفقہا اور اہلِ علم کے نزدیک رکوع کے بعد قومہ میں سیدھے کھڑے ہونا اور چاہے کوئی بھی دعا یا ذکر یاد نہ ہو، تب بھی چند لمحات کے لیے سیدھے کھڑے رہنا واجب ہے، جس بات کی تائید متعدد صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

صحیح بخاری و مسلم، سنن دارمی، مستدرک حاکم اور مسند شافعی و احمد میں صحیح طرح سے نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''اپنا سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ خوب اچھی طرح کھڑے ہو جاؤ اور تمھارے جسم کی ہر ہڈی اپنی اصل جگہ پر لوٹ جائے۔''

ایسی ہی دوسری احادیث کے مجموعی مفاد سے کبار علمائے احناف سمیت اکثر اہلِ علم نے ''قومہ میں اطمینان'' کو واجب قرار دیا ہے۔[1]

لٰہذا رکوع، قومہ، سجود اور بین السجود کا ''جھٹکا'' کرنے والوں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

اُسوۂ حسنہ:

خصوصاً جبکہ نبیِ اکرم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ سامنے ہو تو پھر بھی اپنی مرضی سے جلدی جلدی ''ٹکریں'' مارنے والی ادا انتہائی تعجب خیز ہے۔

امام سے سبقت کا عقاب:

اب آیئے! یہاں بعض جلد باز قسم کے نمازیوں پر وارد ہونے والی وعید اور عقاب کی بات بھی کرتے جائیں۔ چنانچہ بعض لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوئے امام کے رکوع سے قومہ کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی سر اٹھا لیتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے

[1] شرح السنة (۳/ ۹٦۔ ۹۹) رد المحتار ابن عابدین (۱/ ۳۲۵، ۳۲٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں، جبکہ امام ابھی سیدھا کھڑا ابھی نہیں ہوا ہوتا، بلکہ وہ اس کے رکوع سے اٹھنے کا اشارہ پاتے ہی جھٹ سے سیدھے ہو جاتے ہیں۔ یہ فعل بالخصوص ان لوگوں سے سرزد ہوتا ہے جو یا تو امام کے قریب کھڑے ہوں یا پھر انھیں دورانِ نماز اِدھر اُدھر جھانکنے کی عادتِ قبیحہ ہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ کی بے آواز لاٹھی سے ڈرنا چاہیے، کیوں کہ امام سے پہلے اپنا سر اٹھانے یا رکھنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

صحیح بخاری ومسلم اور شرح السنہ بغوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے نہیں ڈرتا کہ جب وہ امام سے پہلے (رکوع وسجدہ سے) سر اٹھا لیتا ہے، تو ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کہیں اس کے سر کو گدھے کا سر نہ بنا دے یا اس کی صورت کو مسخ کر کے اسے گدھے کی صورت دے دے۔''

یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، جبکہ صحیح مسلم میں بھی ایک روایت میں سر کا، اور دوسری میں شکل وصورت کا ذکر آیا ہے اور تیسری کے آخر میں ہے:

«أَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَجْهَ حِمَارٍ»[1]

''اللہ کہیں اس کے چہرے کو گدھے کا چہرہ نہ بنا دے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباري'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ امام سے پہلے سر اٹھا لینا حرام ہے، کیوں کہ اس فعل پر شکل وصورت کے مسخ کیے جانے کی وعید آئی ہے جو سخت ترین سزا ہے۔ البتہ اس حرمت والے قول کے باوجود جمہور کا قول یہ ہے کہ اُس شخص کی نماز تو ہو جائے گی لیکن وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تو مروی ہے کہ اس کی نماز ہی باطل ہو

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٥١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جائے گی۔[1] اہلِ ظاہر اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ”المغني“ میں اور ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباري“ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے نماز کے بارے میں اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ امام سے سبقت کرنے والے کی کوئی نماز نہیں ہے۔[2]

سنن ابی داود و ابن ماجہ، دارمی و مسند احمد اور شرح السنہ بغوی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”رکوع و سجود میں مجھ سے پہل نہ کرو۔ میں رکوع کرنے میں چاہے جتنا بھی پہلے ہوں گا، تم میرے اٹھنے کے بعد اُسے پا لو گے اور سجدہ کرنے میں چاہے کتنا پہلے ہوں گا، تم میرے سجدہ سے اٹھنے کے بعد وہ مہلت پا لو گے۔“[3]

صحیح مسلم اور دیگر کتب میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

”بے شک امام تم سے پہلے رکوع جاتا ہے اور پہلے ہی رکوع سے اٹھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمھاری یہ تاخیر امام کے اس پہلے اٹھنے سے برابر ہو جاتی ہے۔“[4]

متابعتِ امام:

رکوع و سجود سمیت پوری نماز میں امام کی متابعت ضروری ہے اور اس متابعت کا اندازہ اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم، شرح السنہ بغوی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

1. شرح السنة (٣/ ٤١٨)
2. فتح الباري (٢/ ١٨٣) الصلاة إمام أحمد (ص: ٣٧) من مجموعة رسائل في الصلاة طبع دار الافتاء، والمغني.
3. شرح السنة (٣/ ٤١٥ و تحقيقه)
4. مشكاة المصابيح (١/ ٢٦٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"نبی ﷺ جب «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک سجدے کے لیے کمر کو نہ جھکاتا، جب تک آپ ﷺ سجدے میں نہ چلے جاتے، پھر ہم سجود کے لیے زمین پر پیشانی رکھتے۔"[1]

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں آدابِ نماز میں سے یہ ادب مذکور ہوا ہے کہ سنت یہ ہے کہ مقتدی سجدہ کے لیے اُس وقت تک نہ جھکے جب تک امام اپنی پیشانی زمین پر نہ ٹکا لے، اِلَّا یہ کہ اسے یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ ایسے کرے گا تو اس کے سجدہ کرنے تک امام اٹھ جائے گا۔

غرض اس حدیث اور ایسی ہی دوسری احادیث کا مجموعی مفاد اس بات کا متقاضی ہے کہ مقتدی نمازی ہر معاملے میں امام کے پیچھے پیچھے جائے اور وہ یوں کہ امام کے کسی رکن کو شروع کرنے کے بعد مگر ختم کرنے سے پہلے مقتدی بھی اس رکن کے جزء کا آغاز کر لے۔[2]

امامِ بے حضور:

ظاہر ہے کہ یہ تبھی ہوگا جب امام ٹھہر ٹھہر کر مسنون طریقے سے نماز پڑھا رہا ہو، ٹکریں نہ مروا رہا ہو۔ ورنہ پھر ایسے میں تو امام کے پیچھے پیچھے مگر تیزی سے چلنا مجبوری ہو جائے گا۔ ایسے امام کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور سنتِ رسول ﷺ کو اپنانا چاہیے، کیوں کہ ایسے "بے حضور امام" کی تو اپنی نماز بھی صحیح نہ ہوگی، چہ جائیکہ مقتدیوں کی ہو...!

نمازِ بے سرور:

سابق میں ذکر کی گئی تمام تفصیلات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام کی متابعت

[1] صحيح البخاري (٢/ ١٨١۔ ٢٣٢۔ ٢٩٥) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٩٠) شرح السنة للبغوي (٣/ ٤١٣) [2] شرح مسلم للنووي (٢/ ٤/ ١٩١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تاکید اور امام سے سبقت کرنے کی وعید اور قومہ وغیرہ میں اطمینان وسکون جیسے اُمور میں کوتاہی منفرد سے سرزد ہو یا امام ومقتدی سے، سبھی کے لیے نازیبا و نادرست ہے۔ ایسی جلدی جلدی میں کی گئی عبادت میں سرور کہاں سے آئے گا۔ ایسی نماز تو روحانیت کے جوہر سے عاری محض چند مشینی سی حرکات کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ ایسے افعال کا ارتکاب کرنے والے نمازیوں سے مخاطب ہوکر علامہ اقبال نے کہا تھا:

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر!

قومہ میں ہاتھوں کی کیفیت:

بعض لوگ رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرنے کے بعد قومہ میں ہاتھوں کو نیچے چھوڑنے کے بجائے اسی طرح باندھ لیتے ہیں، جس طرح پہلے انھوں نے قیام میں باندھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمارے پاک و ہند والے لوگ انھیں بڑے تعجّب آمیز انداز سے دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی عجوبہ نہیں ہے، بلکہ بعض کبار علما و مفتیانِ کرام نے ایسا کرنے کا کہا ہے، جن میں سے سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ جیسے کبار علمائے حجاز بھی ہیں اور ان کا استدلال انھی سب احادیث سے ہے، جن میں دورانِ قیام ہاتھ باندھنے کا حکم آیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع کے وقت ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا اور سجود میں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا احادیثِ شریفہ میں آیا ہے، اسی طرح کھڑے ہونے یا قیام کی حالت میں ہاتھوں کا باندھنا آیا ہے اور وہ کھڑے ہونا قیام میں ہو یا قومہ میں، دونوں اوقات میں کھڑے ہی تو ہوا جاتا ہے۔ لہٰذا قیام میں ہاتھ باندھنے والی احادیث سے قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا اخذ کیا گیا ہے۔

اپنے اس موقف کی تائید میں انھوں نے جو دلائل ذکر کیے ہیں، وہ ان کے ''ثلاثُ رسائل في الصَّلاۃ'' میں شامل تیسرے رسالے ''أَینَ یَضَعُ الْمُصَلِّي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَدَيْهِ بَعْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ“ میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو درمیانے سائز کے آٹھ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے، جسے دارالافتاء السعودیہ نے ”مجموعة رسائل في الصّلاة“ کے (ص: ۱۳۴ تا ۱۴۱) پر شائع کیا ہے۔

یہ ”ثلاث رسائل في الصّلاة“ چھوٹے بڑے کئی سائزوں میں ملتے ہیں، حتیٰ کہ ۱۹۹۲ء میں ان کا اردو ترجمہ بھی ہمارے ایک فاضل دوست ابو یوسف جناب قاری محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ (سابق مراقب مطبوعات دار الافتاء ونائب امیر جمعیت اہلِ حدیث الریاض) نے شائع کر دیا ہے، جو مکتب دعوۃ الجالیات الجبیل نے بھی شائع کر کے تقسیم کیا ہے۔

ایک طرف موصوف کا یہ رسالہ ہے جس میں قومہ کے دوران بھی ہاتھ باندھنے کو ترجیح دی گئی ہے، جبکہ دوسری طرف جمہور اہلِ علم کا تعامل یہ ہے کہ قومہ میں ہاتھوں کو نیچے چھوڑا جائے۔

اسی مسلک کو راجح اور صحیح قرار دیتے ہوئے ایک دوسرے محدّث علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے قومہ میں ہاتھوں کو باندھنے کو بدعت و ضلالت قرار دیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب ”صفة صلاة النبي ﷺ“ (ص ۸۰ حاشیہ) میں مذکور ہے۔

اُن کی اس بات کا جواب شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں دیا ہے، جو تعمیری تنقید و تنقیح کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ احترامِ باہمی میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دیا۔[1] محققین علما کو یہی طرزِ عمل زیب دیتا ہے۔[2]

---

① دیکھیں: رسالہ مذکورہ (ص: ۱۳۸۔۱۴۱)

② اس موضوع کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب: ”نماز میں ہاتھ، کب؟ کہاں؟ کیسے؟“ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سجدہ

سجدۂ اولیٰ:

جب اطمینان و سکون کے ساتھ قومہ سے فارغ ہوں تو سجدہ کریں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ بتانے والی احادیث سے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ صحیحین سمیت دوسری کتبِ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اچھی طرح سے نماز نہ پڑھنے والے صحابی کا جو واقعہ بیان کیا ہے، اس میں نبیِ اکرم ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر نماز کا سابقہ ذکر کردہ طریقہ قومہ تک بیان کرنے کے بعد فرمایا تھا:

«ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا » [1]

''پھر سجدہ کرو، حتیٰ کہ حالتِ سجدہ میں تم خوب مطمئن ہو جاؤ۔''

سجدہ کا حکم:

یہاں سجدہ کے بارے میں اس بات کی صراحت بھی کرتے جائیں کہ قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کی رُو سے سجدہ نماز کا رکن و فرض ہے، جس طرح رکوع ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی دلیل سورۃ الحج کی آیت (۷۷) ہے، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔''

[1] قد مرّ و انظر صحيح البخاري (۲/ ۲۷۷) مشكوٰة (۱/ ۲٤٦) فقه السنة (۱/ ۱۳۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجدے کی رکنیت و فرضیت کا پتا سابق میں ذکر کی گئی اور انھی جیسی دوسری احادیث سے بھی چلتا ہے، جن میں امر کے صیغے سے نبی ﷺ نے سجدے کا حکم فرمایا ہے۔ اس بات پر پوری اُمتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ سجدہ نماز کا اہم ترین رکن و فرض ہے، جیسا کہ کتب شروحِ حدیث و فقہِ اسلامی میں مذکور ہے۔

سجدے میں جانے کی کیفیت:

رکوع و قومہ اور ان کے اذکار سے فارغ ہو کر سجدہ کیا جاتا ہے، جس کے لیے زمین پر پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھنے کا طریقہ بھی مرّوج ہے اور پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ رکھنے کا بھی۔ ان دونوں طریقوں میں سے ازروئے دلیل کون سا انداز قوی اور صحیح تر ہے، اس بات کا پتا لگانے کے لیے دونوں کے دلائل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

پہلے ہاتھ رکھنے کے دلائل:

تو آیئے پہلے زمین پر ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھنے والوں کے دلائل دیکھیں:

التاریخ الکبیر للبخاری، ابو داؤد، نسائی، مشکل الآثار و شرح معانی الآثار، دارمی، دارقطنی، بیہقی، محلیٰ ابن حزم، شرح السنۃ بغوی، کتاب الاعتبار للحازمی اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ﴾[1]

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے، جیسے اونٹ بیٹھتا ہے، بلکہ اسے گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ رکھنے چاہئیں۔''

[1] شرح السنة (٣/ ١٣٥) مسند أحمد (٢/ ٣٨١) الفتح الرباني (٣/ ٢٧٦) سنن أبي داود (٣/ ٧٠) سنن الترمذي (٢/ ١٣٦) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٤٤) محلّى (٢/ ٤/ ١٦٩) سنن البيهقي (٢/ ٩٩۔ ١٠٠) الاعتبار (ص: ٧٩) مشكاة (١/ ٢٨٢) الإرواء (٢/ ٧٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ا۔ تردید نظریۂ ضُعف:

اس حدیث کو کثیر کبار محدّثینِ کرام نے صحیح قرار دیا ہے جس کی تفصیل کے لیے شرح السنہ کی تحقیق از شیخ شعیب الارناؤوط (۳/ ۱۳۵) زاد المعاد کی تحقیق از شیخ شعیب الارناووط و شیخ عبدالقادر الارناؤوط (۱/ ۲۲۳)، إرواء الغلیل از شیخ البانی (۲/ ۷۸)، شرح المواہب زرقانی (۷/ ۳۲۰)، کما في الإرواء (۲/ ۷۸)، و تحقیق الاحسان (۵/ ۲۴۰)، المجموع شرح المہذب امام نووی (۳/ ۳۹۴) دیکھیں۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا کم از کم حسن لذاتہ ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[1]

حافظ عبدالحق اشبیلی کی الاحکام الکبریٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ان کی دوسری کتاب ”کتاب التّهجّد“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے سند کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے جس میں گھٹنے پہلے رکھنے کا ذکر آیا ہے۔[2]

ب۔ تردید نظریۂ قلب و اضطراب:

اس موضوع کے چار اور دلائل بھی ہیں جنھیں اختصار کے پیشِ نظر یہاں ذکر نہیں کر رہے۔ اسی طرح ”زاد المعاد“ (۱/ ۲۲۳، ۲۳۱) علامہ ابن قیم کے نظریۂ قلب و اضطراب پر اہلِ علم کے تفصیلی تعاقب کو بھی چھوڑ رہے ہیں، کیوں کہ زاد المعاد کے محققین شیخ شعیب و عبدالقادر نے تحقیق زاد المعاد (۱/ ۲۲۳۔ ۲۳۰) میں، شیخ احمد شاکر نے تحقیق ترمذی (۱/ ۵۸۔ ۵۹) میں، علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ”تحفة الأحوذي“ (۳/ ۱۳۸۔ ۱۳۹) میں اور علامہ البانی نے ”صفة الصلاة“ (ص: ۸۲) میں

[1] تحفة الأحوذي (۲/ ۱۳۷)

[2] بحواله صفة الصلاة (ص: ۸۱) و الإرواء (۲/ ۷۸) مشكاة (۱/ ۲۸۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مختصراً اور ”إرواء الغليل“ (۲/ ۱۷۵۔ ۱۸۰) میں اور ”الضعيفة“ (۲/ ۳۲۸۔ ۳۳۲) میں مفصل تعاقب کیا ہے اور علامہ ابن قیم کے اس نظریۂ قلب و اضطراب کی سختی سے تردید کی ہے اور دلائل بھی ذکر کیے ہیں، جن کی تفصیلات متعلقہ مذکورہ مقامات پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

پہلے گھٹنے رکھنے کے دلائل:

اب باری ہے اس سلسلے میں دوسرے مسلک، یعنی سجدہ جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے کے دلائل کی۔ چنانچہ اس نظریے کے قائلین بھی بعض احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً:

ان کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو سننِ اربعہ و دارمی، دارقطنی و بیہقی، ابن خزیمہ و ابن حبان، شرح السنہ بغوی اور کتاب الاعتبار حازمی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔“[1]

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد خود امام دارقطنی، ترمذی، بیہقی اور حازمی نے اس پر شدید جرح و تنقید کی ہے اور اس کے مرفوعاً موصولاً صحیح ہونے پر کلام کیا ہے۔ امام حازمی نے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر متقدّمین حفاظ کی طرف بھی اس جرح کو منسوب کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیے گئے حفاظ کے علاوہ ابن ابی داود سے بھی جرح نقل کی ہے۔[2]

[1] سنن أبي داود (۳/ ۶۸) سنن الترمذي (۲/ ۱۳۴) شرح السنة (۳/ ۱۳۳) سنن البيهقي (۲/ ۹۸) ابن حبان (ص: ۱۳۲، الموارد) ابن خزيمة (۱/ ۳۱۸) الضعيفة (۲/ ۳۲۹) االتلخيص (۱/ ۱/ ۲۵۴) سنن الدارقطني (۱/ ۱/ ۳۴۵) الاعتبار (ص ۸۰) الإرواء (۲/ ۷۵)

[2] حوالہ جات سابقہ۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

علامہ عظیم آبادی و مبارک پوری نے اپنی شروحِ سنن میں اور شیخ شعیب و عبدالقادر ارناؤوط نے تحقیق "زاد المعاد" (١/ ٢٢٣) میں یہ جرحیں نقل کی ہیں۔ امام شوکانی نے ان حفاظ کے علاوہ امام نسائی سے بھی اس روایت کی سند پر جرح نقل کی ہے۔[1]

دورِ حاضر کے معروف محدّث علامہ البانی نے اس روایت کو "تحقيق مشكاة المصابيح" (١/ ٢٨٢)، "إرواء الغليل" (٢/ ٧٥۔ ٧٧) اور "الأحاديث الضعيفة" (٢/ ٣٢٨۔ ٣٣٢) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

اس موضوع کی کئی روایات اور بھی ہیں جن پر محدّثین نے نقد و جرح کی ہے، لہٰذا انھیں اور دعوائے نسخ کی تفصیلی تردید کو بھی یہاں نظر انداز کر رہے ہیں۔ اصل معاملہ اس بحث کا یہ ہے کہ اونٹ کے گھٹنے کہاں ہیں؟

مختلف مواقف:

١ امام نووی نے "المجموع" میں دونوں طرح کے دلائل ذکر کر کے لکھا ہے کہ مجھ پر کسی جانب کی ترجیح ظاہر نہیں ہو سکی۔[2]

٢ امام شوکانی نے "نيل الأوطار" میں تمام تفصیلات ذکر کر کے اس مسئلے کو "معارك الأنظار" اور "مضايق الأفكار" میں سے ایک قرار دے دیا ہے۔[3]

٣ محقّق مقبلی، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور مولانا محمد جونا گڑھی نے دونوں طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق کی راہ اپنائی ہے کہ جب زمین کے قریب ہو جائیں اور گھٹنے مڑ جائیں تو ہاتھ پہلے رکھ لیں اور پھر گھٹنے۔ جبکہ ایک روایت میں

[1] النيل (١/ ٢/ ٢٥٣)

[2] المجموع حواله سابقه.

[3] النيل (٢/ ٣/ ٩٩) الرياض دار المعارف (١/ ٢/ ٢٨٣) طبع دارالافتاء الرياض أيضاً.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام مالک و احمد اور علامہ مقبلی و جونا گڑھی نے دونوں ہی کو برابر قرار دیا ہے، چاہے کسی کو بھی اختیار کر لیں۔[1]

جب کہ بات دراصل یوں ہے کہ یہ اُس وقت ہوتا جب دونوں طرف کی احادیث صحیح ہوتیں، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ ہم کچھ تفصیل بیان کر آئے ہیں کہ ہاتھ پہلے رکھنے والی احادیث صحیح ہیں اور گھٹنے پہلے رکھنے کا پتا دینے والی روایات ضعیف ہیں۔

④ اس کے باوجود جمہور اہلِ علم اور بقول قاضی ابو الطیب کے عام فقہا نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ امام ابن المنذر رنے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی، مسلم بن یسار، ثوری، (ایک روایت میں) احمد بن حنبل، شافعی، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اور اہل الرائے (احناف) سے یہی مسلک نقل کیا ہے اور خود بھی اسے ہی اپنایا ہے۔[2]

⑤ گھٹنے پہلے رکھنے والی روایات کے ضُعف کے پیشِ نظر اور ہاتھ پہلے رکھنے والی احادیث کے صحیح ہونے کی بنا پر امام مالک، اوزاعی، ایک روایت میں امام احمد اور جمہور اہلِ حدیث و محدّثین نے پہلے ہاتھ رکھنے کا مسلک اختیار کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو یہ بھی کہا ہے: ''یہ انداز از روئے خشوع بہت اچھا ہے۔''[3]

ہمارے نزدیک ہاتھوں کا زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھنا ہی اولیٰ ہے۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا مناسب لگتا ہے کہ بعض اہلِ علم نے جو کہا ہے کہ ان دونوں طرح کی احادیث کو یوں جمع کر لیا جائے کہ قیام سے سجدہ کی طرف اس انداز سے جھکیں کہ جیسے آپ کے گھٹنے اور ہاتھ بیک وقت ہی زمین پر جا لگیں گے، لیکن

---

① النیل أیضاً و صلاۃ الرسول ﷺ محقّق (ص: ۲۸۳) نقلاً عن ''صلاۃِ محمدی'' تحفۃ الأحوذي (۲/ ۱۳۶) فتح الباري (۲/ ۲۹۱)

② النیل (۲/ ۳/ ۹۷) زاد المعاد (۱/ ۲۲۹۔ ۲۳۰) کتاب الاعتبار حازمي (ص: ۷۹۔ ۸۰) تحفۃ الأحوذي (۲/ ۱۳۵) عون المعبود (۳/ ۶۸)

③ فتح الباري (۲/ ۲۹۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قریب ہوکر ہاتھ پہلے لگائیں اور پھر گھٹنے، اس جمع وتطبیق میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ بڑی مناسب بات ہے۔خصوصاً اس لیے کہ پہلے گھٹنے رکھنا صحیح طور پر ثابت نہیں ہو رہا۔

تردید دعوائے اضطراب و نسخ، اونٹ کے گھٹنے کہاں ہیں؟ اور اسبابِ وجوہاتِ ترجیح کی تفصیل ہم نے اپنی مفصل کتاب " فقه الصلاة" (۳/ ص: ٤٥٧۔ ٤٦٩) میں بھی ذکر کر دی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیفیتِ سجود

رکوع سے سجدہ جانے کے انداز و کیفیت کے بعد اب آیئے دیکھیں کہ نبیِ اکرم ﷺ کی احادیث کی رو سے سجدہ کرنے کی مسنون کیفیت کیا ہے؟

سات اعضاء پر سجدہ:

اس سلسلے میں پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر ہونا چاہیے، کیوں کہ یہ بات متعدد احادیث میں آئی ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ، ابو عوانہ، ابن حبان، بیہقی، شرح السنہ، مسند شافعی وحمیدی، مسند احمد، منتقٰی ابن الجارود، ابن خزیمہ اور دارمی میں مختلف طُرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ ـــ وَاَشَارَ بِيَدِهِ عَلٰى اَنْفِهِ ـ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ» [1]

’’مجھے حکم ہوا کہ میں سات ہڈیوں (اعضاء) پر سجدہ کروں۔ پیشانی اور آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنی ناک کی طرف بھی اشارہ فرمایا، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیاں، اور اس کا حکم ملا ہے کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔‘‘

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٩٧) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٠٧) ابن خزيمة (١/ ٣٢١) سنن أبي داود (٣/ ١٦١، ١٦٢) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١٤٧) الاحسان (٥/ ٢٥٢) شرح السنة (٣/ ١٣٦، ١٣٧) الإرواء (٢/ ١٦) تحقيق صلاة الرسول (ص: ٢٨٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

① پیشانی اور ناک:

سب سے پہلے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ بوقتِ سجدہ پیشانی کے ساتھ ہی ناک بھی زمین پر لگانی ضروری ہے، کیوں کہ ''سات اعضاء پر سجدہ'' کے سلسلے میں ہم جو حدیث ذکر کر چکے اور جس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں، ان میں پیشانی کے ساتھ ہی ناک کا بھی باقاعدہ ذکر آیا ہے۔

ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم، ابو داود اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں لیلۃ القدر کے رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں ہونے کا ذکر آیا ہے، اس میں ہے کہ بارش ہوئی اور کھجور کے پتوں کی چھت ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ کی مسجدِ مبارک ٹپک گئی۔ اس کے آخر میں ہے:

﴿فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَرْنَبَتِهٖ﴾[1]

''نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ میں نے پانی اور مٹی کا اثر نبی ﷺ کی پیشانی اور ناک پر دیکھا۔''

سنن دارمی، حاکم، معجم طبرانی کبیر اور اخبار اصبهان ابو نعیم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کی رو سے ناک کو زمین پر نہ لگانے والے کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''اس کی نماز نہیں ہوتی جس کی ناک بھی پیشانی کی طرح زمین پر نہ لگے۔''[2]

① صحيح البخاري (٢/ ٢٩٨) صحيح مسلم (٤/ ٧/ ٦٣، ٦٤) سنن أبي داوٗد (٣/ ١٦٥) مصنف عبد الرزاق (٢/ ١٨١، باب فضل ليلة القدر.

② سنن دارقطني (١/ ١/ ٣٤٨۔ ٣٤٩) و قال الدارقطني: والصواب عن عاصم عن عكرمة مرسلاً۔ مستدرك حاكم (١/ ٢٧٠) وقال: صحيح على شرط البخاري۔ تحفة الأحوذي (٢/ ١٤٤) و انظر: مصنف عبد الرزاق (٢/ ١٨٢) و صفة الصلاة (ص: ٨٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

②، ③ دونوں ہاتھ:

سجدہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو بھی زمین پر لگانا ضروری ہے اور اس بات کی پہلی دلیل ابو داود و نسائی، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد و سراج، بیہقی، منتقیٰ ابن الجارود، موطا امام مالک (موقوفاً) اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے، جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''ہاتھ بھی چہرے کی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ تم میں سے کوئی چہرہ زمین پر لگائے تو دونوں ہاتھ بھی رکھے اور جب چہرہ اٹھائے تو دونوں ہاتھ بھی اٹھا لے۔''[1]

اسی طرح صحیح بخاری، ابوداود، ابن خزیمہ، بیہقی اور دیگر کتب میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

«فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ......الخ»[2]

''جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو نہ بچھا کر اور نہ بھینچ کر زمین پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھا۔''

ہاتھوں کو رکھنے کی جگہ:

کتبِ حدیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ نمازی سجدہ کے دوران اپنے دونوں ہاتھوں کو یا تو اپنے کانوں کے پاس (برابر) رکھے یا پھر اپنے کندھوں کے برابر (پاس)۔

1 اس سلسلے میں ابو داود و نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، سنن دارمی، مصنف عبدالرزاق

---

1 سنن أبي داوٗد (٣/ ١٦٤) و ابن خزيمه (١/ ٣٢٠) الفتح الرباني (٣/ ٢٧٦ ـ ٢٧٧) الإروء (٢/ ١٧ ـ ١٨) صفة الصلاة (ص: ٨٢)

2 صحيح البخاري (٢/ ٣٠٥) و صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٢٤) وقد مرّ تخريجه مفصّلا مراراً۔ الإرواء (٢/ ١٣، ٨١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور شرح معانی الآثار طحاوی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جب مدینہ منورہ آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ادا فرمانے کے طریقہ کو بغور دیکھوں گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیرِ تحریمہ کہی۔ آگے طریقۂ نماز بتاتے ہوئے سجدے کے وقت ہاتھوں کے بارے میں وہ بیان فرماتے ہیں:

((ثُمَّ هَوٰى، فَسَجَدَ فَصَارَ رَأْسُهٗ بَيْنَ كَفَّيْهِ))

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھکے اور سجدہ کیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں (ہاتھوں) کے درمیان تھا۔''

صحیح مسلم میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے مابین سجدہ کیا۔''[1]

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وہ لوگ جو بوقتِ سجدہ اپنے ہاتھوں کو سر سے بھی آگے گزار دیتے ہیں، ان کا یہ فعل صحیح نہیں ہے، پھر ایسا کرنے سے کلائیاں زمین پر لگ جاتی ہیں جو سخت منع ہے، جیسا کہ تفصیل آگے چل کر آنے والی ہے۔ إن شاء اللّٰہ

2 دورانِ سجدہ ہاتھوں کو کندھوں کے پاس (برابر) رکھنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ سابق میں ذکر کی گئی ابو داود و ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، شرح السنہ اور دارمی و بیہقی میں مروی حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی معروف حدیث میں ہے:

((وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ))

''اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر زمین پر رکھا۔''

اس حدیث سے اس بات کا پتا بھی چل جاتا ہے کہ بعض لوگ جو اپنے گھٹنوں

[1] صحیح مسلم (٢/ ٤/ ١١٤) تحفة الأحوذي (٢/ ١٤٤) المعجم المفهرس (٦/ ٢٩)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے جوڑ کر ہی ہاتھ رکھ لیتے ہیں، وہ سنت سے کچھ ''پیچھے'' رہ جاتے ہیں، کیوں کہ حدیثِ شریف میں صرف یہ دو جگہیں ہی آئی ہیں، یا کانوں کے برابر یا کندھوں کے برابر، اور یہی دونوں جائز و ثابت ہیں۔

ان دونوں طرح کی احادیث میں الگ الگ جگہ کے وارد ہونے کو امام ابن خزیمہ نے ''اختلافِ مباح'' میں سے قرار دیا ہے۔[1] یہ اللہ کی رحمت اور دین کی آسانی کا مظہر بھی ہے کہ ان دونوں جگہوں میں سے جو جہاں بھی ہاتھ رکھ لے اُس کی نماز صحیح و مسنون کیفیت کے مطابق ہوگی۔ البتہ ہاتھوں کو گھٹنوں کے ساتھ اور پسلیوں کے برابر رکھنا کہیں نہیں آیا لہٰذا کاہلی و سستی کے نتیجے میں ایسا کرنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔

ہاتھوں اور انگلیوں کی کیفیت:

اب رہی یہ بات کہ ہاتھوں اور انگلیوں کو کس طرح رکھا جائے، تو اس سلسلے میں صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور سنن کبریٰ بیہقی میں حسن درجہ کی سند کے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ»[2]

''نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری سے ملا کر رکھتے تھے۔''

ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رُو رہیں اور انھیں جوڑ کر رکھنے سے ایسا خودبخود ہو جائے گا۔ البتہ بعض لوگ بڑی بے توجہی سے ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھتے ہیں

[1] صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٢٣)

[2] صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٠١۔ ٣٢٤) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٣٩) ابن حبان (ص: ١٣٢، رقم الحديث ٤٨٨) الموارد، الاحسان (٥/ ٢٤٨) سنن البيهقي (٢/ ١١٢) مستدرك حاكم (١/ ٢٢٧ قديم) مسند أحمد (٤/ ١٢٠ وشاهد له)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کی انگلیاں چاہے جڑی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں، وہ اپنے ہاتھوں کا رخ دائیں بائیں کر دیتے ہیں، جس سے انگلیاں قبلہ رو ہونے کی بجائے شمال و جنوب کی طرف ہو جاتی ہیں۔ یہ انداز آدابِ سجدہ کے منافی ہے، کیوں کہ صحیح بخاری و ابوداود، شرح السنہ، بیہقی اور ابنِ خزیمہ میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

﴿فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ﴾[1]

”جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو نہ بچھا کر اور نہ بھینچ کر زمین پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھا۔“

کلائیاں یا بازو پہلوؤں سے الگ رکھنا:

اب یہ بات بھی بیان کر دیں کہ بعض نمازیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بوقتِ سجدہ اپنی کلائیوں اور بازوؤں کو اپنے گھٹنوں کے ساتھ لگائے ہوئے اور پسلیوں سے جوڑے ہوئے ہوتے ہیں جو صحیح نہیں ہے، بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سجدے میں نمازی بازوؤں کو پہلوؤں سے ہٹا کر رکھے۔ چنانچہ صحیح بخاری، ابوداود، ابنِ خزیمہ، شرح السنہ اور بیہقی میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کو بچھاتے اور بھینچے بغیر زمین پر رکھتے تھے۔“[2]

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرح ہی صحیح مسلم، ابوداود، ابن ماجہ اور شرح السنہ میں اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

﴿كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافٰى عَضُدَيْهِ حَتّٰى يُرٰى مِنْ خَلْفِهِ عُفْرَةُ إِبْطَيْهِ﴾

---

1. صحيح البخاري (٢/ ٣٠٥) ابن خزيمة (١/ ٣٢٤ واللفظ له) سنن البيهقي (٢/ ١١٦) شرح السنة (٣/ ١٤٧)
2. صحيح البخاري (٢/ ٣٠٥) سنن أبي داوٗد (٢/ ٤٢٤ و ٤٣٠) ابن خزيمة (١/ ٣٢٤) شرح السنة (٣/ ١٤٧) سنن البيهقي (٢/ ١١٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی پیچھے سے دیکھی جا سکتی تھی۔“

اور دوسری حدیث میں یہاں یہ الفاظ بھی ہیں:

”حتیٰ کہ اگر بکری کا بچہ بھی چاہتا تو آپ ﷺ کے بازوؤں کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔“[1]

زمین پر نہ بچھانا بلکہ اٹھا کر رکھنا:

جس طرح یہ ضروری ہے کہ بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھا جائے، اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ بوقتِ سجدہ بازوؤں کو زمین پر ہرگز نہ بچھایا جائے، کیوں کہ اس سے نبی ﷺ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیحین و سننِ اربعہ، دارمی و ابو عوانہ اور مسند طیالسی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ، وَلَا يُبْسِطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ»[2]

”سجدوں میں خوب سیدھے رہا کرو اور کتے کی طرح اپنی کلائیاں زمین پر نہ بچھایا کرو۔“

ترمذی و ابن ماجہ، ابن خزیمہ و شرح السنہ اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢١١ـ ٢١٢) صحيح ابن ماجه (١/ ١٤٥) صحيح أبي داوٗد (١/ ١٦٩) مشكاة المصابيح (١/ ٢٨١) شرح السنة (٣/ ١٤٥ـ ١٤٦) فتح الباري (٢/ ٢٩٤)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٣٠١) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٠٩، ٢١٠) ترمذي (٢/ ١٥١) سنن أبي داود (٢/ ١٦٦) تخريج صلاة الرسول ﷺ (ص: ٢٨٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو خوب درست ہو کر رہے اور کتے کی طرح زمین پر کلائیاں نہ بچھائے۔‘‘ [1]

ایسے ہی صحیح ابن حبان و مصنف عبدالرزاق، ابن خزیمہ اور معجم طبرانی کبیر، المختارہ للضیاء اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’جانور کی طرح زمین پر بازو نہ بچھاؤ۔ اپنی ہتھیلیوں کے بل پر رہو اور بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمھارے ہر عضو کا سجدہ ہوگا۔‘‘ [2]

« اِدَّعِمْ عَلٰی رَاحَتَیْكَ » ’’اپنی ہتھیلیوں کے بل پر ٹیک لگا کر رکھو‘‘ کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان و بیہقی، ابن خزیمہ و مسند احمد میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موقوفاً مروی ہے:

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کے انگوٹھوں اور چھنگلیوں کے جوڑوں والے حصوں (گبیوں) پر سجدہ کرتے تھے۔‘‘ [3]

ان سب احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ سجدے کے دوران میں نمازی اپنے بازوؤں اور کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھے، بچھائے نہیں۔ بچھانے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے پاؤں بچھانے سے تشبیہ دے کر اس کی قباحت واضح فرما دی ہے۔

---

[1] سنن الترمذي (٢/ ١٥٠) شرح السنة (٣/ ١٤٣، ٣٢٥) صحيح ابن ماجه (١/ ١٤٧) ابن خزيمة (١/ ٣٢٥۔ وصححه الأعظمي) الفتح الرباني (٣/ ٤٧٨)

[2] صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٢٥) مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٢٦) فتح الباري (٢/ ٢٩٤ وصححه) الاحسان في ترتيب ابن حبان (٥/ ٢٤٢) وانظر نصب الراية (١/ ٣٨٠۔ ٣٨٦) صفة الصلاة (ص: ٨٤) وصححه في الإرواء (٢/ ٢٤٢)

[3] الإحسان بتقريب ابن حبان (٥/ ٢٤٣) ابن خزيمة (١/ ٣٢٣) و سنن البيهقي (٢/ ١٠٧) مصنف ابن أبي شيبة موقوفًا (١/ ٢٦١ كما في الإحسان) مسند أحمد (٤/ ٢٩٥) وقال الأعظمي في تحقيق ابن خزيمة: وقال الهيثمي في المجمع (١/ ٢/ ١٢٨): رجاله رجال الصحيح. ولم يتعقب عليه الألباني ولا الأرناؤوط.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بوڑھوں اور کمزوروں کے لیے رخصت:

سجدے کی مسنون کیفیت کے سلسلے میں جو احادیث ذکر کی جا چکی ہیں، ان کی رو سے بوقتِ سجدہ نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ تو اپنی کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھے نہ پہلوؤں سے جوڑ کر رکھے اور نہ بازوؤں کو زمین پر بچھائے، بلکہ زمین سے اٹھا کر پہلوؤں اور گھٹنوں سے الگ رکھے۔ ظاہر ہے کہ تندرست و نوجوان مرد و زن اس کیفیت کو بآسانی اختیار کر سکتے ہیں، البتہ انتہائی بوڑھے اور بیمار و کمزور شخص کے لیے یہ انداز مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں ایسی صورت میں کہنیوں کو گھٹنوں پر لگانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایسے ہی اگر آدمی رات کو طویل رکوع و سجود کرے اور کہنیوں یا بازوؤں کو الگ رکھنے کا متحمّل نہ ہو تو اس کے لیے بھی گنجایش ہے کہ کہنیوں کی اپنے گھٹنوں پر ٹیک لگا لے۔ چنانچہ سنن ابی داود (كتاب الصلاة، باب الرخصة في ذلك للضرورة)، سنن بیہقی، ترمذی اور مستدرک حاکم و ابنِ حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اِشْتَكَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مُشَقَّةَ السُّجُودِ عَلَيْهِمْ إِذَا انْفَرَجُوا فَقَالَ: اِسْتَعِينُوا بِالرُّكَبِ»[1]

”نبی ﷺ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بحالتِ سجدہ کہنیاں پہلوؤں سے ہٹا کر اور اٹھا کر رکھنے میں مشقت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: گھٹنوں (پر ٹیک لگا کر اُن) سے تعاون حاصل کر لو۔“

[1] سنن أبي داود مع العون (٢/ ١٦٩) سنن البيهقي (٢/ ١١٧) والحاكم (١/ ٢٢٩) و صححه و وافقه الذهبي) ابن حبان (٥/ ٢٤٦) وقواه الأرناؤوط.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

④، ⑤ پیٹ کو رانوں سے اٹھا کر اور رانوں کو الگ الگ رکھنا:

حدیثِ شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نمازی سجدہ کرے تو وہ اپنا پیٹ اپنی رانوں سے اٹھا کر رکھے۔ چنانچہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم فرمایا ہے:

''سجدوں میں لمبے ہونے کے ترک کرنے اور پیٹ کو رانوں پر نہ ڈالنے کے مستحب ہونے کا بیان۔''[1]

اس باب کے تحت انھوں نے وہ حدیث روایت کی ہے جو سنن نسائی کے ''باب صفة السجود'' میں بھی ہے، جس میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا صَلّٰى جَخّٰى﴾[2]

''نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو بازوؤں کو پہلوؤں اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھتے تھے۔''

حدیث میں وارد اللفظ ''جخّی'' کا معنیٰ ہے نماز میں بازوؤں کو پہلوؤں سے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھنا۔[3]

اس کی تائید حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنی دونوں رانوں کو پھیلا لیتے، اس طرح کہ آپ ﷺ کا پیٹ رانوں کے کسی حصے پر نہ ہوتا۔''[4]

---

① صحیح ابن خزیمة (۱/ ۳۲۵)

② صحیح سنن النسائي (۱/ ۲۳۷) ابن خزیمة (۱/ ۳۲۶)

③ لغات الحدیث (۱/ ۵/ ۱۸) طبع نور محمد کراچی حاشیه و صحیح النسائي (۱/ ۲۳۷)

④ المنتقی مع النیل (۱/ ۲/ ۲۵۷) فتح الباري (۲/ ۳۰۸) سنن أبي داود (۱/ ۱۱٤) بحواله الإرواء (۲/ ۸۰ و ضعفه)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس روایت اور اس سے پہلی حدیث کی رو سے ہر نمازی مَرد و زَن کو اپنا پیٹ رانوں سے الگ رکھنا چاہیے۔ اب رہا وہ شخص جو بڑی توند (پیٹ) والا ہے تو وہ بے چارہ معذور ہے۔

عورتوں کے لیے حکم:

اس حکم میں مَرد اور عورتیں سبھی شامل ہیں، کسی صحیح دلیل میں عورتوں کا استثنا نہیں آیا، بلکہ ایک صحیح حدیث جو بخاری اور دیگر کتب میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»[1]

''تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

اس حدیثِ شریف کے عموم میں عورتیں بھی شامل ہیں اور اس کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں بھی رکوع و سجود سمیت تمام نماز اسی طرح پڑھیں، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

''تَفْعَلُ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلٰوةِ كَمَا يَفْعَلُ الرَّجُلُ''[2]

''عورت بھی اسی طرح نماز ادا کرے جس طرح مَرد ادا کرتا ہے۔''

بعض فقہا (حنفیہ و شافعیہ اور حنابلہ) نے کہا ہے کہ سجدے کے معاملے میں عورت مَرد سے مختلف حکم کی مکلّف ہے اور وہ یوں کہ بوقتِ سجدہ وہ اپنا پیٹ رانوں سے ملا کر اور جسم کو سمیٹ کر نماز پڑھے، کیوں کہ یہ انداز اس کے لیے زیادہ باعثِ ستر و پردہ ہے۔[3] اس بات کی تائید میں بیہقی اور مراسیل ابی داود کی ایک روایت بھی بیان کی جاتی

---

1. صحيح البخاري شريف، رقم الحديث (٦٣١)
2. مصنف ابن أبي شيبة و صححه الألباني في الصلاة (ص: ١١٤)
3. الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٣٠٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، جس میں زید بن ابی حبیب فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نماز پڑھتی ہوئی دو عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

''جب تم سجدہ کرو تو اپنے آپ کو زمین پر سمیٹ کر سجدہ کرو! بے شک عورت اس معاملے میں مَرد کی طرح نہیں ہے۔''[1]

اس حدیث کو بیان کر کے امام بیہقی نے اسے مرسل قرار دیا ہے کہ تابعی نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے (حالانکہ تابعی نے نبی ﷺ سے بلا واسطہ نہیں سنی ہوگی اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تابعی اور نبی ﷺ کے مابین صرف ایک صحابی ہی کا واسطہ ہے یا تابعی سے تابعی اور پھر صحابی کا واسطہ ہے اور معلوم نہیں کہ وہ ضعیف ہے یا ثقہ، لہٰذا محدّثینِ کرام کے یہاں مرسل کو ضعیف حدیث کی اقسام میں سے شمار کیا جاتا ہے) اس حدیث کو ذکر کر کے دورِ حاضر کے بعض کبار محدّثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[2]

لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں اور نہ اس سے سجدہ وغیرہ کے معاملے میں عورت کو مَرد سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی موصول و متصل صحیح حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہوتی تو الگ بات تھی۔

غرض مَرد و عورت کے سجدے کے طریقے میں فرق کا ثبوت کسی صحیح و متصل حدیث سے نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں ہمارا ایڈٹ کردہ ایک رسالہ ''مرد و زن کی نماز میں فرق؟'' شائع ہو چکا ہے۔ وَلِلّٰـهِ الْحَمْدُ وَ مِنْهُ الْقُبُول.

⑥، ⑦ پاؤں، انگلیوں اور ایڑیوں کی کیفیت:

دورانِ سجدہ مَرد و زن تمام نمازیوں کو چاہیے کہ وہ دونوں پاؤں کھڑے رکھیں، دائیں بائیں یا پیچھے کی طرف بچھائیں نہیں، کیوں کہ صحیح بخاری و ابوداود، ابن خزیمہ و

[1] مراسيل أبي داود، سنن البيهقي، صفة الصلاة (ص: ١١٤) سبل السلام (١/ ١/ ١٨٣)

[2] صفة الصلاة (ص: ١٤٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرح السنہ بغوی اور بیہقی میں حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی نمازِ نبوی ﷺ کی کیفیت کا پتا دینے والی معروف حدیث میں ہے:

« وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ »

''اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھا۔''

یہ تبھی ہو سکتا ہے جب پاؤں کھڑے ہوں۔ اسی طرح صحیح مسلم، ابن خزیمہ، مستدرک حاکم و بیہقی اور معانی الآثار طحاوی میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک واقعہ مروی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:

''ایک رات میں نے نبی ﷺ کو بستر سے غائب پایا، میں نے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ ﷺ کے قدموں کی اندرونی جانب پڑا۔ آپ ﷺ سجدے میں تھے اور آپ ﷺ کے قدم مبارک کھڑے تھے۔''[1]

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ بوقتِ سجدہ نمازی کے لیے ضروری ہے کہ مَرد ہو یا عورت، اپنے پاؤں کھڑے رکھے اور پاؤں کی انگلیوں کو اس انداز سے زمین پر ٹکا کر رکھے کہ وہ قبلہ رُو رہیں۔ جبکہ بعض سُستی و لاعلمی کی وجہ سے پاؤں کو صحیح کھڑے رکھنے کے بجائے پیچھے کو بچھا دیتے ہیں جس سے دو طرح کی خلاف ورزی ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ پاؤں کھڑے نہیں رہتے، دوسرے یہ کہ پاؤں کو پیچھے کی طرف بچھا دینے سے پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کو نہیں ہوتا، بلکہ غیر قبلہ کو ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پاؤں کا سجدہ ہی کیا ہوگا ؟ جبکہ وہ قبلہ رو نہ ہوئے، حالانکہ جسم کے تمام اعضاء کو مسنون انداز سے رکھا جائے تو تمام اعضاء ہی سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، جو مطلوب و مقصود اور ذریعۂ ازدیادِ اجر ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ.

---

[1] صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٢٨) مستدرك حاكم (١/ ٢٢٨) سنن البيهقي (٢/ ١١٦) صفة الصلاة (ص: ٨٣) مشكاة (١/ ٢٨١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں پاؤں کو ملانا:

عموماً سجدے کے وقت دونوں پاؤں کو ایک دوسرے سے الگ ہی رکھا جاتا ہے، جبکہ ایک حدیث سے پتا چلتا ہے کہ دورانِ سجدہ پاؤں کھڑے ہوں اور ان کی ایڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں تو بھی حرج نہیں، بلکہ یہ انداز بھی نبیِ کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم، معانی الآثار طحاوی اور سنن کبریٰ بیہقی کے حوالے سے سابق میں ذکر کی گئی حدیث میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''نبی ﷺ کو میں نے اپنے بستر پر نہ پایا جبکہ آپ ﷺ میرے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کو میں نے سجدے میں پایا، آپ ﷺ نے دونوں ایڑیاں ملائی ہوئی تھیں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُو تھیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سجدے سے متعلق بعض دیگر مسائل

① کپڑے اور بال سمیٹنے کی ممانعت:

سجدے میں جاتے وقت اپنے کپڑوں اور طویل زلفیں ہونے کی شکل میں اپنے بالوں کو زمین پر گرنے سے بچانے کے لیے سمیٹنا یا لپیٹنا ممنوع ہے، کیوں کہ یہ بات سجدے کی روح کے منافی ہے، انھیں ان کے حال ہی پر رہنے دینا چاہیے۔ چنانچہ ''سات اعضا پر سجدہ'' کے ضمن میں ہم صحیحین و سننِ اربعہ، ابو عوانہ، ابن حبان و ابن خزیمہ، بیہقی و دارمی، مسند احمد و شافعی، مسند حمیدی اور شرح السنہ بغوی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَلَا اَكُفُّ الشَّعَرَ وَلَا الثِّيَابَ))[1]

''میں نہ بالوں کو سمیٹوں اور نہ کپڑوں کو لپیٹوں۔''

اسی موضوع کے بعض آثار بھی ہیں۔ مثلاً:

1. مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے مسجد میں ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جو اپنے بالوں کو باندھے ہوئے تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو انھوں نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٩٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’جب نماز پڑھو تو اپنے بالوں کو باندھ کر نہ رکھو! تمھارے بال بھی تمھارے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔‘‘

اُس آدمی نے کہا:

’’میں ڈرتا ہوں کہ انھیں مٹی لگ جائے گی۔‘‘

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’انھیں مٹی کا لگنا تمھارے حق میں بہتر ہے۔‘‘[1]

2 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی نماز پڑھنے والے شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا:

’’اپنے بالوں کو لٹکتا ہوا چھوڑ دو، تاکہ وہ بھی تمھارے ساتھ سجدہ کریں۔‘‘[2]

3 مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے بالوں کو باندھ کر کسی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

’’اے بھتیجے! بالوں کو باندھ کر نماز پڑھنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اِس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے بازو بندھے ہوئے ہوں۔‘‘[3]

ان الفاظِ حدیث و آثار کی بنا پر کپڑوں اور بالوں کو لپیٹنا ممنوع ہے۔

عورتوں کے لیے حکم:

اس ساری تفصیل سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید اس معاملے میں عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی اپنے بالوں کو نہ باندھیں یا سمیٹیں، جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ بال عورت کا حسن ہے اور حسن و زینت ہونے کے علاوہ مقامِ ستر بھی ہے۔ انھیں وہ جس انداز سے بھی باندھ سنبھال کر رکھے اس کے لیے جائز ہے اور اس حکم کے عورتوں

1 مصنف ابن أبي شيبة، نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٨) مجمع الزوائد (٢/ ١٢٨ ـ ١٢٩)

2 حوالہ سابقہ۔

3 حوالہ سابقہ۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ خاص نہ ہونے کی تصریح امام عراقی نے کی ہے، جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے (بالوں کو کھلا چھوڑنا مَردوں کے ساتھ خاص ہے) عورتیں اس حکم میں شامل نہیں، کیوں کہ ان کے بال نماز میں ستر ہیں جن کا ڈھانپنا واجب ہے۔ اگر وہ انھیں کھول کر لٹکتا چھوڑ دیں گی تو ان کا ستر اور ڈھانپنا مشکل ہو جائے گا۔

② پگڑی یا ٹوپی پر سجدہ:

جس شخص نے عمامہ یا پگڑی باندھی ہوئی ہو اور اس کی ٹوپی، پگڑی یا رومال نے اس کی پیشانی کو بھی ڈھانپ رکھا ہو تو کیا وہ اسی طرح اس پر سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کی دو الگ الگ آرا ہیں اور ہر دو نے اپنی رائے کی تائید کے لیے کچھ روایات و آثار بھی پیش کیے ہیں۔

قائلینِ جواز اور ان کے دلائل:

جواز کے قائلین میں سے عبدالرحمٰن بن یزید، سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابوبکر مزنی، مکحول، زہری، امام ابو حنیفہ اور جمہور اہلِ علم رحمہ اللہ ہیں، جن کے آثار امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیے ہیں۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی جواز کی طرف ہے، چاہے کسی عذر کے پیشِ نظر ہی کیوں نہیں۔[2]

1 اس کی دلیل صحیحین و سننِ اربعہ، صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد میں مروی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

”ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور گرمی کی شدت کی وجہ سے ہم

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٢٩٩۔ ٣٠٠) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٠٥۔ ١٠٦)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٤٩٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں سے بعض لوگ جائے سجدہ پر کپڑے کا کونہ رکھ لیتے تھے۔''[1]

2 اسی طرح صحیح بخاری میں تعلیقاً اور بیہقی و ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں موصولاً حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کر لیتے تھے اور ان کے ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے۔''[2]

مانعینِ جواز اور اُن کے دلائل:

اس کے برعکس حضرت علی بن ابی طالب، ابن عمر، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اور امام ابراہیم نخعی، ابن سیرین، میمون بن مہران، عمر بن عبدالعزیز اور جعدہ بن ہبیرہ رحمہم اللہ ٹوپی یا پگڑی کے بلوں پر سجدہ کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹوپی و پگڑی کو پیشانی سے اٹھانا ضروری ہے۔ ان کے آثار بھی ابن ابی شیبہ میں آئے ہیں۔[3]

مانعینِ جواز کا استدلال بھی بعض احادیث سے ہے۔

خلاصہ:

غرض اس سلسلے کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زمین کے سخت گرم یا سرد ہونے کی وجہ سے پیشانی کا اس پر لگانا ممکن نہیں، یا ممکن ہے مگر تکلیف کی وجہ سے یہ مانع خشوع وخضوع ہے اور پاس دوسرا کوئی کپڑا بھی نہیں تو ٹوپی یا پگڑی کے بلوں پر سجدہ کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کوئی عذر نہیں تو پھر ایسا نہ کیا جائے، بلکہ جبینِ نیاز کو خاک آلود ہونے دیا جائے کہ یہی ''معراجِ مومن'' ہے۔

1 صحیح البخاري (۲/ ٤٩٢) المنتقیٰ مع النیل (۲/ ۳/ ۱۰٥) ابن خزیمة (۱/ ۳۳٦)

2 حوالہ سابقہ از صحیح بخاري و نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۱۰۷)

3 مصنف (۱/ ۳۰۰۔ ۳۰۱)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

③ کنکریوں وغیرہ کو برابر کرنے کی ممانعت:

نماز کے دوران میں سجدے سے تعلق رکھنے والے مسائل کے ضمن ہی میں ایک تیسری بات یہ بھی ذکر کرتے جائیں کہ اگر کسی ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کی نوبت آجائے، جہاں کنکریاں وغیرہ ہوں تو انھیں نماز سے پہلے اچھی طرح سے ہموار کر لیں، یا پہلے سجدے کے وقت صرف ایک بار برابر کر کے سجدے کے لیے ہموار کر لیا جائے۔ ہر سجدے کے وقت ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے:

1 صحیحین وسننِ اربعہ اور مسندِ احمد میں حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی جگہ والی مٹی کو برابر کرنے والے آدمی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿وَاِنْ کُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً﴾[1]

''اگر ضرور برابر کرنا ہی ہے تو بس صرف ایک مرتبہ کر لو۔''

2 صحیح مسلم و ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بھی ایک حدیث ایسی ہی ہے۔ (بحوالہ سابقہ)

3 صرف ان دو پر ہی بس نہیں بلکہ سننِ اربعہ و مسند احمد میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔

4 مسند احمد و مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک چوتھی حدیث بھی ہے۔

5 نیز مسند احمد و مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی پانچویں حدیث بھی ہے۔[2]

غرض مذکورہ صحیح وحسن درجے کی احادیث کے پیشِ نظر حضرت عمرِ فاروق و جابر رضی اللہ عنہما،

---

1 المنتقیٰ مع النیل (۲/ ۳/ ۲۰۵)

2 النیل (۲/ ۳/ ۲۰۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی امام مسروق، ابراہیم نخعی، حسن بصری رحمہم اللہ اور جمہور علمائے اُمت کے نزدیک یہ بار بار جگہ برابر کرنا مکروہ ہے۔[1]

اسی سے ملتی جلتی صورت نماز میں اپنے سامنے مٹی یا ریت وغیرہ پر پھونک مارنے کی بھی ہے کہ ایک آدھ مرتبہ ایسا کر لے، بار بار نہیں۔[2]

④ سجدے میں وجوبِ اطمینان:

سجدے سے متعلق چوتھی بات یہ بھی پیشِ نظر رکھی جائے کہ سجدے کو پورے اطمینان وسکون سے ادا کرنا واجب ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ رکوع وسجود کے اِتمام کا حکم فرمایا کرتے تھے اور جلدی جلدی ٹکریں مارنے والے کی مثال اس بھوکے شخص سے دیا کرتے تھے جو صرف دو ایک کھجور کھاتا ہے جس سے اس کی بھوک میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جلدی جلدی رکوع وسجود کی بے قرارسی ادائیگی کرنے والے کو نبی ﷺ نے ''بدترین چور'' قرار دیا ہے اور جو شخص رکوع وسجود میں اپنی کمر کو اچھی طرح سیدھا نہیں ٹھہراتا، اس کی نماز کے باطل ہونے کا حکم بھی فرمایا ہے۔

نماز اچھی طرح سے نہ پڑھنے والے اعرابی کو سجود بھی پورے اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا اور ان پانچوں امور سے متعلقہ احادیث ہم ''رکوع میں وجوبِ اطمینان'' کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں، اس لیے انھیں یہاں پھر دہرانے کی ضرورت نہیں۔

⑤ فضائلِ سجدہ:

سجدے سے تعلق رکھنے والے امور میں سے پانچویں بات سجدے کا مقام و مرتبہ اور فضیلت و اہمیت ہے۔

---

[1] شرح مسلم للنووي (٥/ ٣٧)

[2] اس موضوع سے متعلق تفصیل ہماری کتاب ''فقه الصلاة'' کی جلد (٣) میں مذکور ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

① نہایت درجہ قربِ الٰہی:

صحیح مسلم، ابو داود و نسائی، ابو عوانہ و بیہقی، شرح السنہ بغوی اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَقْرَبُ مَا یَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ»[1]

''بندہ اپنے رب کے قریب تر اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو، لہٰذا سجدے میں بکثرت دعائیں کیا کرو۔''

اللہ تعالیٰ تو ہر حال ہی میں بندے کے قریب ہوتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق: ١٦]

''ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

لیکن سجدہ ایک ایسا عمل، ایک ایسی حالت اور ایک ایسی کیفیت و ہیئت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بندے کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ ربّ قدوس کی رضا و خوشنودی کا دریا موجیں مارتا ہے اور قبولیت گویا دعا کے لیے سراپا انتظار ہوتی ہے۔ اسی لیے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سجدے میں بکثرت تسبیح و دعا کریں۔

② سجدے سے جنت کا حصول اور شیطان کا رونا:

صحیح مسلم و ابن ماجہ، ابو عوانہ و بیہقی اور شرح السنہ و مسند احمد میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جب بنی آدم آیتِ سجدہ پڑھے اور سجدہ کرے تو شیطان الگ ہو کر روتا اور کہتا ہے: میں برباد ہو گیا۔ ابنِ آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ

---

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٠٠) سنن البيهقي (٢/ ١١٠) شرح السنة (٣/ ١٥١) الإحسان (٥/ ٢٥٥) تحقيق صلاة الرسول ﷺ (ص: ٢٨٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر لیا اور جنت پائی، مجھے سجدے کا حکم ہوا اور میں نے انکار کیا جس سے میرا ٹھکانا جہنم ہو گیا ہے۔''[1]

3 رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ:

سجدے کی ادائیگی جہاں انسان کے لیے ذریعۂ نجات و باعثِ جنت ہے، وہیں سجدے کی وجہ سے قیامت کے روز رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ کی ضمانت بھی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم و نسائی، ابو عوانہ و بیہقی، شرح السنہ و مسند احمد میں حضرت ربیعہ بن کعب سُلَمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ''اصحابِ صفہ'' میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر نبی ﷺ کے خادمِ خاص کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ نمازِ تہجد کے لیے اُٹھے تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا! آپ ﷺ یہ سب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''(اے ربیعہ!) کچھ مانگو!''

میں نے عرض کی: ''جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے پوچھا: اور کچھ؟ جب تین مرتبہ آپ ﷺ نے پوچھا اور میں نے اُسی ایک ہی چیز کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اپنے اس مطالبے کے حصول کے لیے سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔''[2]

نبی کریم ﷺ کا ان سے کثرتِ سجود کے ساتھ تعاون کا مطالبہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی ڈاکٹر یا حکیم یا طبیب اپنے مریض سے کہے کہ حصولِ شفا کے لیے

1. صحيح مسلم (١/ ٢/ ٦٩) سنن البيهقي (٢/ ٢١٢) شرح السنة (٣/ ١٤٧) و تحقيق (ص: ٢٩٠)
2. صحيح مسلم (٢/ ٤/ ٢٠٥ و ٢٠٦) سنن البيهقي (٢/ ٢٨٦) شرح السنة (٣/ ١٤٩) و مسند أحمد (٤/ ٥٩) بسند ضعيف و تحقيق (ص: ٢٩٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تیرے لیے کوشش کرتا ہوں، تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے میری ہدایات کے مطابق دوا کے بر وقت استعمال اور پرہیز کرنے کے ساتھ میری مدد کرو۔

معالج کا سا انداز ہی نبی ﷺ نے بھی اختیار فرمایا کہ جنت میں تمھارے لیے اپنی رفاقت کی دعا تو میں کیے دیتا ہوں، البتہ حصولِ مدعا کے لیے تم بکثرت سجود کرنے کو اپناؤ۔ اگر کوئی شخص پانچوں اوقات کی فرض نمازیں پڑھے تو وہ فرائض سے سبکدوش ہو جاتا ہے، لیکن جب وہ تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، اشراق وضحیٰ اور تہجد وغیرہ نفلی نماز بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا رہے تو وہ ''کثرتِ سجود'' بھی حاصل ہو جاتی ہے، جس پر جنت میں نبی ﷺ کی رفاقت ممکن ہے۔

سجود کے اذکار و تسبیحات:

ان تمام اور ایسے ہی دیگر فضائل و برکات پر مشتمل سجود میں کیا کیا تسبیحات اور اذکار ہیں، اس سلسلے میں عرض ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ سے سجدے کی تسبیحات اور اذکار کے ضمن میں رکوع کی طرح ہی دو ایک نہیں بلکہ دس بارہ اذکار و تسبیحات ثابت ہیں، جن میں چند درجِ ذیل ہیں:

(1) ابو داود و ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی وطیالسی، شرح السنہ بغوی اور مسند امام شافعی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی و مسند بزار میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی و ابن خزیمہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور مسند بزار میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی معروف تسبیح والی حدیث میں ہے کہ رکوع میں کم از کم تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' اور سجدے میں کم از کم تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہیں۔

یہ تسبیحات طاق یعنی تین، پانچ، سات، نو (۹) رہیں تو بہتر، ورنہ لمبے سجدے کی شکل میں اگر جفت یعنی دس، بیس، تیس چالیس بھی ہو جائیں تو کوئی قباحت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

② حضرت عقبہ، حذیفہ، ابن مسعود، ابو جحیفہ اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہم سے ابو داود، دارقطنی، بیہقی، مستدرک حاکم، معجم طبرانی کبیر اور مسند احمد میں صحیح سند سے تین مرتبہ یہ کہنا بھی مروی ہے: «سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَ بِحَمْدِہٖ»

''پاک ہے میرا ربّ برتر و اعلیٰ اپنی تعریفوں کے ساتھ۔''

③ ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، ابو عوانہ، مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ سورۃ النصر میں وارد ارشادِ الٰہی: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ کی عملی تفسیر بیان کرتے ہوئے وفات سے قبل اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ ذکر و دعا کیا کرتے تھے:

«سُبُحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیُ»

''پاک ہے تُو اے اللہ، اے میرے پروردگار ساتھ اپنی تعریفوں کے! اے اللہ! میری بخشش فرما دے۔''

④ اسی طرح صحیح مسلم، ابو داود، نسائی، ابو عوانہ، مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ رکوع و سجود میں یہ دعا و ذکر فرمایا کرتے تھے:

«سُبُّوُحٌ قُدُّوُسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوُحِ»

''پاک ہے تُو اور مقدّس ہے۔ تُو ہی روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام اور تمام فرشتوں کا بھی ربّ ہے۔''

⑤ صحیح مسلم، ابو داود، ابو عوانہ، ابن خزیمہ، مستدرک حاکم، شرح السنہ بغوی اور سنن بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں سجود کے لیے یہ دُعا و ذکر بھی وارد ہوا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجُلَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ»[1]

''اے اللہ! میرے چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے اور ظاہر و پوشیدہ تمام گناہ معاف فرما دے۔''

سجود میں قراء ت کی ممانعت:

یہاں یہ بات بھی مختصر انداز سے دہرا دیں کہ رکوع کی طرح ہی سجدے میں بھی صرف اَذکار و دعا ہی کرنا چاہیے۔ دورانِ سجدہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا منع ہے، نماز فرض ہو یا نفلی۔ جیسا کہ ممانعت کا پتا دینے والی احادیث ''رکوع کے مسائل'' میں بیان کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔[2]

سجدے میں کمر سیدھی کرنا:

سجدے میں کمر سیدھی کرنا بھی سخت ضروری ہے، جیسا کہ ''رکوع کی کیفیت'' کے ضمن میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے۔ ابنِ ماجہ، ابنِ خزیمہ اور ابنِ حبان میں حضرت علی بن شیبان سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے مسلمانو! اس کی کوئی نماز نہیں جو رکوع یا سجدوں میں اپنی کمر کو صحیح طرح سے برابر اور سیدھا نہ کرے۔''[3]

سننِ اربعہ، دارقطنی، دارمی، بیہقی، ابن حبان، ابنِ خزیمہ، مسند طیالسی و حمیدی

---

[1] صحیح مسلم (۲/ ٤/ ۲۰۱) ابن خزیمة (۱/ ۳۳٥) الإحسان (٥/ ۲٥۸) سنن البیهقي (۲/ ۱۱۰) مستدرك حاکم (۱/ ۲٦۳)

[2] دیکھیں: صحیح مسلم مع للنووي (۲/ ٤/ ۱۹٦) شرح السنة (۳/ ۱۰۷) مشکاة (۱/ ۲۷٦) المنتقی مع النیل (۲/ ۳/ ۹۱) بلوغ المرام مع سبل السلام (۱/ ۱/ ۱۷۷۔ طبع مصر) صفة الصلاة (ص: ۷۷)

[3] ابن حبان، الموارد و ابن خزیمة (۱/ ۳۰۰۔ ۳۳۲) صحیح ابن ماجه.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مصنف عبدالرزاق و ابنِ ابی شیبہ میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اس کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع و سجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔''

ان احادیث کی رو سے رکوع اور سجدے میں کمر کو بالکل سیدھی کرنا واجب ہے۔ کمر سیدھی کرنے سے مراد یہ ہے رکوع و سجدہ میں اتنا ٹھہریں کہ جسم کے تمام اعضا اور ہڈیوں کے جوڑ ایک جگہ پر رُک جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلسہ بَین السجدتین

جب نمازی (پہلے) سجدے کے اذکار وتسبیحات سے فارغ ہو جائے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے اپنا سر اٹھائے اور پورے اطمینان سے بیٹھ جائے۔ اسے ''جلسہ بَین السجدتین'' کہا جاتا ہے۔

چنانچہ صحیحین وسننِ اربعہ، ابوعوانہ اور ابنِ خزیمہ میں وارد اچھی طرح سے نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کے واقعہ سے تعلق رکھنے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: «ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا»[1]

''پھر تم سجدے سے سر اٹھاؤ اور پورے اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔''

نیز ابوداود ومستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ...آگے طریقۂ نماز کے ضمن میں سجدۂ اولیٰ کے بعد کے لیے ارشاد ہے: ''پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھائے اور خوب اچھی طرح سنبھل کر بیٹھ جائے۔''

جلسہ کی کیفیت:

اس جلسہ کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث ثابت ہیں، جن میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ دونوں سجدوں کے مابین کس طرح بیٹھا جائے؟ چنانچہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین نماز پڑھ کر مسنون طریقہ

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٢٤٦)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بتانے والی حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جو ابو داود، دارمی، ابنِ حبان، ابن خزیمہ، بیہقی، مسند احمد اور محلّی ابنِ حزم میں ہے، اس میں ہے:

«ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَهُ وَیَثْنِی رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْهَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی تَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا»[1]

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے سر اٹھاتے، بائیں پاؤں کو موڑ کر اس کے اوپر خوب اچھی طرح یوں بیٹھ جاتے کہ جسم کی ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پر پہنچ جائے۔''

عموماً دیکھا گیا ہے کہ نمازی اپنا بایاں پاؤں تو بچھاتے ہی ہیں، بعض لوگ دایاں بھی بچھا دیتے ہیں، وہ چاہے پیچھے کی جانب ہو یا دائیں بائیں جانب، جبکہ یہ خلافِ سنت فعل ہے، کیوں کہ صحیح بخاری و سنن کبریٰ بیہقی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے: «... وَکَانَ یَنْصِبُ رِجْلَهُ الْیُمْنٰی»[2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔''

دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھنا چاہیے، کیوں کہ سنن نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے: «... وَیَسْتَقْبِلُ بِاَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ»[3]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھتے تھے۔''

ایڑیوں پر بیٹھنا:

دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی معروف کیفیت و طریقہ تو یہی ہے جو ذکر کیا گیا ہے، البتہ بعض احادیث میں بائیں پاؤں کو بچھانے اور دائیں کو کھڑا رکھنے والے اس

[1] ابن خزیمة (۱/ ۳۳۷) التلخیص (۱/ ۱/ ۲۵۷) مشکاة (۱/ ۲۵۰)

[2] صفة الصلاة (ص: ۸۹) التلخیص (۱/ ۱/ ۲۶۰)

[3] صفة الصلاة (ص: ۸۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقے کے علاوہ ایک دوسرا انداز بھی مروی ہے کہ نمازی کبھی کبھی اپنے دونوں پاؤں جوڑ کر کھڑے رکھے اور ان کی ایڑیوں پر (اقعاء) بیٹھے۔ چنانچہ صحیح مسلم، ابو داود و ترمذی، بیہقی اور ابنِ خزیمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ طاؤس رحمہ اللہ نے ان سے اقعاء کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا:

"یہ سنت ہے۔" ہم نے ان سے کہا: یہ تو پاؤں پر ظلم لگتا ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "نہیں، یہ تمھارے نبی کی سنت ہے۔"[1]

امام ابنِ خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب ہی یوں قائم کیا ہے کہ "دو سجدوں کے مابین اقعاء کے جائز و مباح ہونے کا بیان" اور یہ بھی مباح اختلاف کی قبیل سے ہے کہ نمازی کے لیے یہ جائز ہے کہ کبھی کبھار دونوں سجدوں کے درمیان اپنے قدموں کو کھڑا کر کے ان کے اوپر بیٹھ جائے اور چاہے تو بائیں کو بچھا لے اور دائیں کو کھڑا کر لے۔ پھر انھوں نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حمید رضی اللہ عنہ والی دونوں احادیث روایت کی ہیں۔[2]

الغرض اس اقعاء کو جائز مانتے ہوئے بھی نمازی کو اکثر اوقات عمل دوسرے طریقے پر ہی کرنا چاہیے، جس میں بائیں پاؤں کو بچھایا اور دائیں کو کھڑا رکھا جاتا ہے، کیوں کہ وہ کثرتِ رواۃ کی وجہ سے افضل ہے، نمازی کے لیے آسان بھی ہے اور ہیئت وصورت کے اعتبار سے بھی اچھا نظر آتا ہے، البتہ جائز یہ بھی ہے۔

اس جلسہ میں وجوبِ اطمینان:

جلسہ بَین السجدتین کے سلسلے میں گفتگو کے آغاز ہی میں ہم صحیحین وسننِ اربعہ،

---

(1) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٨، ١٩) سنن أبي داوٗد مع العون (٣/ ٧٩) و أبي داوٗد مع معالم السنن (١/ ١/ ١٨٠) ابن خزيمة (١/ ٣٣٨، ٣٣٩) سنن البيهقي (٢/ ١١٩)

(2) ابن خزيمة (١/ ٣٣٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو عوانہ اور ابنِ خزیمہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کر چکے ہیں جس میں ہے: «...... ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا»

اسی مفہوم کی دیگر احادیث سے اس جلسے میں اطمینان کا وجوب اخذ کیا گیا ہے اور ان دونوں سجدوں کے درمیان کم از کم اتنا بیٹھنا چاہیے کہ جسم کے تمام جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں، کیوں کہ ابو داود و بیہقی میں نبی ﷺ کی نماز کے ضمن میں اس جلسہ کی نسبت مروی ہے:

«... يَطْمَئِنُّ حَتّٰی يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ»[1]

''آپ ﷺ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے، حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی اصل جگہ پر آ جاتی۔''

بین السجدتین کی دُعائیں:

1. پہلی دعا ابو داود، ترمذی، ابنِ ماجہ، بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ»

''اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت و عافیت دے اور مجھے رزق سے نواز۔''

ابن ماجہ میں « وَاجْبُرْنِيْ وَارْفَعْنِيْ » (میرے گناہ مٹا دے اور میرے درجات بلند کر دے) کے الفاظ آئے ہیں اور ''وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ مستدرک حاکم میں یہ سبھی الفاظ موجود ہیں، سوائے ''عَافِنِيْ'' کے اور امام حاکم کی سند بھی متکلم فیہ ہے۔[2]

---

1. صفة الصلاة (ص: ٩٠)
2. سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١١٧٩)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"اَللّٰھُمَّ" کے بعد اِن ساتوں الفاظ کے مجموعے سے بھی دعا کی جا سکتی ہے اور مختلف روایات میں ثابت کم و بیش الفاظ سے بھی۔

۲ جبکہ صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ اور ابنِ خزیمہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ایک دوسری دعا وارد ہوئی ہے:

《 رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ 》[1]

"اے اللہ! مجھے بخش دے، اے اللہ! مجھے بخش دے!"

دوسرا سجدہ:

جب پہلے سجدے سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں اور بَین السجدتین کی کوئی دعا بھی کر لیں تو پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کریں، جس کا طریقہ و کیفیت، وجوبِ اطمینان اور اذکار و تسبیحات پر مشتمل تمام تر ضروری تفصیلات ذکر کی جا چکی ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

[1] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، رقم الحدیث (۲۰۳) المنتقیٰ (۲/ ۳/ ۱۰۹) و ابن خزیمة (۱/ ۳٤۰، ۳٤۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلسۂ اِستراحت

جب دوسرے سجدے سے بھی فارغ ہو جائیں تو اب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو عام معمول بہٖ طریقہ یہی ہے کہ سجدے سے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سجدے سے اٹھ کر پہلے بالکل اسی طرح بیٹھ جائیں جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان والے وقفے میں دایاں پاؤں کھڑا رکھ کر اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے اور لمحہ بھر بیٹھ کر پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس بیٹھنے کو ''جلسۂ استراحت'' کہا جاتا ہے۔

قائلین کے دلائل:

اس جلسہ کے قائلین کا استدلال متعدد صحیح احادیث سے ہے:

1. ایک تو وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے باقاعدہ نماز پڑھ کر دکھاتے ہیں جو صحیح و جزء رفع الیدین امام بخاری، سننِ اربعہ، دارمی، بیہقی، شرح معانی الآثار طحاوی، منتقٰی ابن الجارود اور مسند احمد کے حوالے سے پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ اس میں پہلی رکعت کے سجدۂ ثانیہ کے بعد والی نماز کے سلسلے میں یوں آیا ہے:

«ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ ثَنَىٰ رِجْلَهٗ وَقَعَدَ وَاعْتَدَلَ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهٖ، ثُمَّ نَهَضَ »[1]

[1] وقد مرّ في بداية الصلاة وليس في البخاري في هذا الحديث ذكر هذه الجلسة و انظر الإرواء (٢/ ١٣ـ ١٤ـ ٨٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پھر اللہ اکبر کہا اور پاؤں کو موڑ کر اس پر بیٹھ گئے اور اس طرح سیدھے بیٹھ گئے کہ جسم کی ہر ہڈی اپنی جگہ لوٹ گئی اور پھر وہ قیام کے لیے اٹھے۔“

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے یہ الفاظ واضح طور پر جلسۂ استراحت کی مشروعیت و سنیّت کا پتا دے رہے ہیں۔

٢ صحیح بخاری، ابو داود، ترمذی، نسائی، بیہقی، دار قطنی، کتاب الام شافعی، ابن حبان، ابن خزیمہ، شرح السنہ بغوی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد و سراج، محلّی ابن حزم اور معانی الآثار طحاوی میں متعدد طُرق سے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”میں نماز تو نہیں پڑھنا چاہتا، البتہ میں اس لیے نماز پڑھتا ہوں، تاکہ تمھیں دکھاؤں کہ نبی ﷺ کیسے نماز پڑھا کرتے تھے۔“

پھر انھوں نے جو نماز پڑھ کر دکھائی اس میں جلسۂ استراحت کے تعلق سے مروی ہے:

((يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَبْلَ أَنْ يَّنْهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولٰى)) [1]

”پہلی رکعت سے اٹھنے سے پہلے اور سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد بیٹھ جاتے تھے۔“

یہ جلسۂ استراحت صرف پہلی رکعت سے دوسری کے لیے اٹھتے وقت ہی نہیں بلکہ تیسری رکعت سے چوتھی کے لیے اٹھتے وقت بھی ہے۔ مسند احمد و معانی الآثار طحاوی میں تو بڑی صراحت سے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

[1] صحيح البخاري (٢/ ١٦٣، ٢٨٨، ٣٠٢، ٣٠٣) الارواء (٢/ ٨٢، ٨٣) وقد مرّ مفصلًا۔ المنتقىٰ مع النيل (٢/ ٣/ ١١٧) سنن أبي داؤد مع العون (٣/ ٧٦۔ ٧٨) سنن البيهقي (٢/ ١٢٣) ابن أبي شيبة (١/ ٤٣٢) الإحسان (٥/ ٢٦١) ابن خزيمة (١/ ٣٤١) شرح السنة (٣/ ١٦٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''جب آپ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت جن کے بعد قعدہ نہیں ہے، ان سے اٹھنے لگتے تو پہلے بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہوتے تھے۔''

٣ اس جلسۂ استراحت کا ذکر تو ''صحیح البخاري، کتاب الإستئذان، باب من ردّ فقال: علیك السّلام'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کے معروف واقعہ پر مشتمل حدیث میں بھی آیا ہے، جس کے دوسرے سجدے کے بعد والی نماز سے متعلق الفاظ یہ ہیں:

﴿ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا﴾[1]

''پھر اٹھو اور خوب اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔''

یہ حدیث انھی الفاظ پر مشتمل مشکوۃ شریف میں بھی موجود ہے۔[2]

انھی احادیث کے پیشِ نظر امام شافعی، ایک روایت میں امام احمد بن حنبل اور علمائے حدیث کی ایک جماعت اس ''جلسۂ استراحت'' کی مشروعیّت کی قائل ہے۔ علامہ ابنِ قیم، امام ابنِ قدامہ، ابنِ حجر و شوکانی نے خلال سے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے اپنے دوسرے قول سے رجوع کر لیا تھا اور مطلقاً ''جلسۂ استراحت'' کی مشروعیت و استحباب کے قائل ہو گئے تھے۔[3]

مانعین کے دلائل:

کچھ اہلِ علم اس جلسہ کے استحباب کو نہیں مانتے۔ مانعینِ جلسۂ استراحت کا استدلال جن روایات سے ہے وہ درج ذیل ہیں:

١ ان میں سے پہلی ابو داود، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ حبان، دارقطنی و بیہقی،

---

1. صحیح البخاري مع الفتح (١١/ ٣٦)
2. مشکاة المصابیح (١/ ٢٤٦)
3. فتح الباري (٢/ ٣٠٢) نیل الأوطار (٢/ ٣/ ١١٨) المغني (١/ ٢١٣) زاد المعاد (١/ ٢٤٠، ٢٤١)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''اور جب اُٹھے تو اپنی رانوں پر ٹیک لگا کر گھٹنوں کے بل سیدھے ہی اٹھ گئے۔''[1]

مسند بزار میں ہے:

''جب آپ ﷺ دو سجدوں سے فارغ ہوتے تو سیدھے ہی کھڑے ہو جاتے تھے۔''[2]

اس حدیث کو محدّثینِ کرام نے ضعیف قرار دیا ہے، حتیٰ کہ اسے روایت کر کے خود امام ترمذی، نسائی، دارقطنی اور بیہقی نے اس کی سند پر کلام کیا ہے، لہٰذا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔

٢ ان کا استدلال ایک دوسری حدیث سے بھی ہے جو ترمذی، بیہقی و سنن سعید بن منصور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

﴿كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ﴾[3]

''نبی ﷺ نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل پر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔''

اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد بن الیاس (یا ایاس) ہے جسے خود امام ترمذی و بیہقی نے اور تمام محدّثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابنِ حجر نے اسے سنن سعید بن منصور کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[4]

---

1. سبل السلام (١/ ١/ ١٨٣) و البيهقي.
2. سنن أبي داوٗد مع العون (٢/ ٤٣٣) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١٣٤) سنن الدارقطني، المنتقىٰ مع النيل (٢/ ٣/ ٩٦ـ ٩٧)
3. سنن الترمذي (٢/ ١٦٨، ١٦٩) تحقيق زاد المعاد (١/ ٢٤٠) سنن البيهقي (٢/ ١٢٤) نصب الراية (١/ ٣٨٩)
4. فتح الباري (٢/ ٣٠٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ اس سند کے ایک دوسرے راوی صالح بن ابو صالح مولیٰ توأمہ اپنی عمر کے آخری پہر میں اختلاط میں مبتلا ہو گئے۔[1]

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں ترمذی، ابنِ عدی، بخاری، نسائی، ابنِ معین، احمد، حافظ عبدالحق اشبیلی اور ابنِ الجوزی سے اس حدیث کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔[2] لہٰذا یہ حدیث بھی قابلِ استدلال نہ ہوئی۔

③ ایک تیسری دلیل مسند احمد سے بیان کی جاتی ہے جس میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے تمام لوگوں کو بلا کر ایک جگہ جمع کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ اس میں دونوں سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد مذکور ہے: ﴿ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا﴾[3]

''پھر انھوں نے تکبیر کہی اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔''

لیکن یہ حدیث اپنی سند کے ایک راوی شہر بن حوشب کے کثیر الارسال والاوہام ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بعض آثار:

جلسۂ استراحت کی نفی یا عدمِ استحباب و عدمِ مشروعیّت پر بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین رحمہم اللہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر آثار کا انبار بھی لگا دیا جائے تو ''سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی اتباع ہی اولیٰ ہے۔ ہاں یہ جلسۂ استراحت فرض یا واجب نہیں کہ جس کے ترک سے نماز کی صحت پر حرف آتا ہو۔ بلکہ یہ مشروع و مستحب ہے۔

---

① التحفة (٢/ ١٦٩)

② نصب الراية (١/ ٣٨٩)

③ بحواله التحفة (٢/ ١٧٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاتھوں کے بل اُٹھنا:

جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر لمحہ بھر کے لیے بیٹھ لیں تو پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھیں اور انھی کے بل پر اٹھیں، کیوں کہ صحیح بخاری، مسند شافعی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ»[1]

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سجدے سے سر اٹھایا تو بیٹھ گئے اور پھر زمین پر ہاتھوں کی ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔''

ہاتھوں کا انداز:

بعض احادیث میں زمین پر ہاتھوں کو رکھنے کا انداز بھی مذکور ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح بند رکھا جائے، جس طرح آٹا گوندھتے وقت دونوں ہاتھوں کی مُٹھیاں بند ہوتی ہیں اور انھی بند مُٹھیوں کو زمین پر ٹیک کر اُن کے سہارے اٹھا جائے:

1 امام ابو اسحاق الحربی نے غریب الحدیث میں ایک روایت وارد کی ہے، جس میں ہے:

«إِنَّهُ ﷺ كَانَ يَعْجِنُ فِي الصَّلٰوةِ يَعْتَمِدُ عَلٰى يَدَيْهِ إِذَا قَامَ»[2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (اٹھتے وقت گویا) آٹا گوندھتے تھے۔ جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کے بل اُٹھتے تھے۔''

2 اسی معنیٰ و مفہوم کی ایک حدیث سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٠٣) سنن البيهقي (٢/ ١٢٣) صفة الصلاة (ص: ٩٢)

[2] بحواله الضعيفة (٢/ ٣٩٢) وقال الألباني فيه و في الصلاة: سنده صالح، وكذا قال محققو زاد المعاد (١/ ٢٤٠)

[3] سنن الكبرىٰ للبيهقى (٢/ ١٣٥) و تحقيق الزاد وصفة الصلاة و الضعيفة.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3 طبرانی اوسط میں ایک اثر بھی ہے جس میں ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں:

''میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز میں آٹا گوندھتے تھے۔ جب کھڑے ہونے لگتے تو اس طرح دونوں ہاتھوں کو بند کر کے ان کی مُٹھیوں کے بل اٹھتے تھے جس طرح آٹا گوندھنے والا مُٹھیاں بناتا ہے۔''[1]

ہاتھ نہ ٹیکنے والی احادیث اور ان کی استنادی حیثیت:

یہ تو زمین پر ہاتھوں کو ٹیک کر ان کے سہارے اٹھنے کی تفصیل ہے، جبکہ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ زمین پر ہاتھ لگنے ہی نہیں چاہییں، لیکن ان روایات کی استنادی حیثیت اس قدر مخدوش ہے کہ اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔ مثلاً:

1 ترمذی، بیہقی، سنن سعید اور کامل ابن عدی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں کے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔''[2]

یہ حدیث ناقابلِ حجت ہے اور اس کا ضعیف ہونا بھی ہم مانعینِ جلسۂ استراحت کے دلائل کے ضمن میں نمبر ② پر قدرے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

2 اسی موضوع کی ایک حدیث سنن کبریٰ بیہقی و مصنف ابنِ ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ہے:

''فرض نمازوں میں سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں جب کوئی اٹھے تو وہ زمین پر ٹیک لگا کر نہ اٹھے اِلّا یہ کہ کوئی بوڑھا ہونے کی وجہ سے سیدھا نہ اٹھ سکتا ہو۔''[3]

لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابنِ معین، بیہقی اور دیگر

---

1 بحواله التلخيص (١/ ١/ ٢٦٠) ولم يتكلم عليه.

2 سنن الترمذي (٢/ ١٦٨-١٦٩) سنن البيهقي (٢/ ١٢٤) تحقيق زاد المعاد (١/ ٢٤٠)

3 مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٤٣٢) بتحقيق سعيد اللحام، الضعيفة (٢/ ٣٩٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محدّثینِ کرام رحمہم اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

3 سنن ابو داود میں ایک روایت میں عبدالجبار بن وائل بن حجر اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں:

''جب آپ اٹھتے تو گھٹنوں کے بل اٹھتے اور اپنی رانوں پر ٹیک لگا لیتے تھے۔''[2]

جبکہ یہ روایت منقطع ہے، کیوں کہ عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت ہی نہیں ہے۔[3]

خلاصۂ کلام:

سابق میں ذکر کی گئی مدلل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر لمحہ بھر کے لیے بیٹھ جائیں۔ یہ جلسۂ استراحت مستحب ہے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر لگائیں۔ بہتر ہوگا کہ آٹا گوندھنے کے انداز کی طرح ہاتھوں کی مُٹھیاں بندھوں اور ان کے بل پر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس طرح یہاں تک پہلی رکعت سے متعلقہ ضروری احکام و مسائل مکمل ہوگئے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ!

1. دیکھیں: المجموع (٣/ ٤٤٥) الضعيفة (٢/ ٣٩٣)
2. سنن أبي داوٗد مع العون (٢/ ٤٣٣ و ٣/ ٦٩)
3. نصب الراية (١/ ٣٧٠) عون المعبود (٢/ ٤١٢ و٣/ ٦٩) تهذيب التهذيب (٦/ ٩٥) بحواله تحقيق صلاة الرسول (ص: ٢٦١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری رکعت

اب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر ثنا یا دُعائے استفتاح (''سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ'' وغیرہ) نہیں پڑھی جائے گی، کیوں کہ یہ صرف نماز کے آغاز ہی میں مسنون ہے، اس کے بعد نہیں اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔[1]

تعوّذ:

البتہ تعوّذ یا اَعوذُ باللہ پڑھنے کے بارے میں دونوں طرح کی آرا پائی جاتی ہیں:

1. پہلی تو یہی معروف رائے ہے کہ تعوّذ صرف پہلی رکعت میں ہے، اس کے بعد سلام پھیرنے تک کسی رکعت میں نہیں ہے۔ اکثر اہلِ علم نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ امام نووی نے ''المجموع شرح المهذب'' میں اور امام شوکانی نے نیل الاوطار میں امام عطاء، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا یہی قول ذکر کیا ہے۔[2]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے صرف پہلی رکعت میں تعوّذ والا قول ہی اختیار کیا ہے۔

المجد ابنِ تیمیہ کا نظریہ:

علامہ مجد الدین ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''المُنتقیٰ'' میں ''افتتاح الثانية بالقراء

[1] زاد المعاد (١/ ٢٤١)

[2] المجموع (٣/ ٢٢٦) و تحقيق زاد المعاد (١/ ٢٤٢) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ۃ من غیر تعوّذ و لا سکتۃ“ قائم کر کے اپنا نظریہ بھی بتا دیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تعوذ صرف پہلی رکعت کے شروع میں ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ کی نظر میں:

اس سلسلے میں امام شوکانی نے ”نیل الأوطار شرح منتقیٰ الأخبار“ میں علامہ ابن قیم کی طرح ہی لکھا ہے اور صرف پہلی رکعت میں تعوّذ کو اختیار کیا ہے۔

2 تعوّذ کے سلسلے میں ایک دوسری رائے یہ بھی ہے کہ صرف پہلی رکعت کی قراءت شروع کرتے وقت ہی نہیں بلکہ ہر رکعت میں قراءت شروع کرتے وقت تعوّذ بھی پڑھا جائے۔ امام عطاء، حسن بصری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ ہر رکعت میں تعوّذ کو مستحب قرار دیتے ہیں، جیسا کہ امام شوکانی نے ”نیل الأوطار“ میں نقل کیا ہے اور امام نووی نے شافعیہ اور امام ابن سیرین کا یہی مذہب لکھا ہے۔ جبکہ انھوں نے امام عطاء، حسن بصری اور ابراہیم نخعی کو صرف پہلی رکعت میں تعوّذ کے قائلین میں شمار کیا ہے۔[1] ممکن ہے کہ ان تینوں ائمہ کرام رحمہم اللہ سے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہوں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کا اختیار:

جبکہ دورِ حاضر کے معروف محدّث علامہ البانی نے بھی ہر رکعت کے شروع میں تعوّذ کی مشروعیت والا قول ہی اختیار کیا ہے۔

دوسری رکعت کے اذکار:

سابق میں ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے ہی اعوذ باللہ اور بسم اللہ یا کم از کم صرف ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ اور سورۃ الفاتحہ اور قرآنِ کریم کی کوئی سورت یا کسی سورت کا کوئی حصہ پڑھیں۔

[1] دیکھیں: المجموع (۳/ ۳۲۶) وحاشیہ زاد المعاد (۱/ ۲۴۲) و نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۳۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دوسری رکعت کی مقدارِ قراءت:

یہاں یہ بات بھی دہرا دیں کہ نبی ﷺ کی قراءت کے ضمن میں ہم بالتفصیل ذکر کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ پہلی رکعت کی نسبت دوسری رکعت میں ذرا تھوڑی قراءت فرماتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کی دوسری رکعت پہلی سے کچھ چھوٹی ہوتی تھی۔[1]

قراءت کے بعد بدستور رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ اور سجدہ ثانیہ کے بعد بیٹھ جائیں۔

تشہّدِ اوّل یا قعدۂ اُولیٰ:

دوسری رکعت سے فارغ ہوں تو تشہد یا قعدہ کریں، جس کے لیے اگر نمازِ فجر و جمعہ وغیرہ دو رکعتوں والی نماز ہے تو حنابلہ کے نزدیک یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بائیں کو بچھا کر اُس پر بیٹھ جائیں، جیسا کہ صحیح بخاری اور دیگر متعدد کتب ابو داود و ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى»[2]

''جب آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرتے تو بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔''

دو رکعتوں والی نماز کے لیے تو ظاہر ہے کہ یہی قعدۂ اخیرہ ہے۔ اس میں تشہّد یعنی «اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ.. الخ»، پھر درود شریف اور دُعا کی جائے گی اور سلام پھیر لیں گے۔ لیکن اگر یہ تین یا چار رکعتوں والی نماز ہو تو اس کی نسبت یہ قعدۂ اولیٰ یا وُسطیٰ ہے، جس کے بعد سلام نہیں، بلکہ ایک یا دو رکعتیں ابھی باقی ہیں۔

---

[1] زاد المعاد (۱/ ۲۴۲) و صفة الصلاة (ص: ۹۲)

[2] صحيح البخاري (۲/ ۳۰۵) وقد مرّ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1 دو رکعتوں والی نماز کا قعدۂ اخیرہ ہو یا تین اور چار رکعات والی نماز کا قعدۂ اولیٰ و وسطیٰ، ان ہر دو کے لیے بیٹھنے کا انداز مشہور قول میں امام احمد کے نزدیک ایک ہی ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں۔[1]

جیسا کہ ابھی ابھی ذکر کی گئی بعض احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ابو داود اور سنن کبریٰ بیہقی میں اچھی طرح سے نماز نہ پڑھنے والے صحابی کے بارے میں جو حدیث ہے، اس میں اسے بھی نبی ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا تھا:

« فَاِذَا جَلَسْتَ فِي وَسْطِ الصَّلٰوةِ فَاطْمَئِنَّ وَافْتَرِشْ فَخِذَكَ الْيُسْرىٰ ثُمَّ تَشَهَّدْ »[2]

''جب تم نماز میں بیٹھو تو اطمینان سے بائیں ران کو بچھا لو اور پھر تشہّد پڑھو۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس انداز کو ذکر کر کے لکھا ہے:

''اس جلسہ (قعدہ) میں اس شکل کے سوا دوسرا کوئی طریقہ آپ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔''[3]

2 البتہ امام شافعی کے نزدیک دو رکعتوں والی نماز کا قعدہ بھی تین اور چار والی کے دوسرے قعدے کی طرح تورّک کے انداز ہی کا ہوگا۔ ان کا استدلال بھی صحیح بخاری اور دوسری کئی کتب میں وارد حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی اسی معروف حدیث سے ہے، جس میں ہے:

« وَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ وَنَصَبَ الْأُخْرىٰ وَقَعَدَ عَلىٰ مَقْعَدِهِ »[4]

---

1. فتح الباري (٢/ ٣٠٩)
2. سنن أبي داوٗد، بيهقي، المنتقىٰ مع النيل (٢/ ٣/ ١٢١) صفة الصلاة (ص: ٩٣)
3. زاد المعاد (١/ ٢٤٢)
4. صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٩٤)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

”جب آپ ﷺ آخری رکعت کے لیے بیٹھتے تو بایاں پاؤں (اپنی دائیں پنڈلی کے نیچے سے) آگے نکال دیتے اور سرین کے بل بیٹھتے تھے۔“

اس حدیث میں «وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ» کے الفاظ میں عموم ہے جو دو رکعتوں والی نماز کے قعدہ کو بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح تین اور چار والی کے آخری یا دوسرے قعدہ کو شامل ہے۔[1]

مالکیہ کے نزدیک قعدۂ اُولیٰ و ثانیہ دونوں ہی میں تورّک ہے اور حنفیہ میں یہ بالکل ہی نہیں۔ بہرحال تورّک کی مشروعیت، اس کا طریقہ اور اس کی حکمت وغیرہ امور قعدۂ ثانیہ یا تشہدِ اخیر کے ضمن میں چل کر قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔ إن شاء اللّٰه!

ممنوع اِقعاء:

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ قعدہ میں، وہ اولیٰ ہو یا اخیرہ، اس میں اقعاء ممنوع ہے، جیسا کہ ترمذی میں اشارتاً اور مسند احمد و طیالسی، ابو یعلیٰ و بیہقی، معجم طبرانی اوسط اور مصنف ابن ابی شیبہ میں تفصیلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«نَهَانِي خَلِيلِي ﷺ عَنْ ثَلَاثٍ: عَنْ نُقْرَةٍ كَنُقْرَةِ الدِّيكِ، وَإِقْعَاءٍ كَإِقْعَاءِ الْكَلْبِ وَالْتِفَاتٍ كَالْتِفَاتِ الثَّعْلَبِ»[2]

”میرے خلیل ﷺ نے مجھے تین کاموں سے منع فرمایا۔ کوّے کی طرح ٹھونگے مارنا، کتے کی طرح بیٹھنا اور لومڑی کی طرح جھانکنا۔“

جلسہ بین السجدتین کے ضمن میں ذکر گزرا ہے کہ اقعاء دو طرح کا ہے، ایک جائز و مشروع ہے جو دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے والے وقت کے لیے خاص ہے

[1] فتح الباري (٢/ ٣٠٩)

[2] المنتقیٰ مع النیل (٢/ ٣/ ١٢٧) صفة الصلاة (ص: ٩٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کہ دونوں پاؤں کو جوڑ کر پنجوں کے بل کھڑے کیا اور ان کے اوپر بیٹھ گئے۔ جبکہ ایک دوسرا اقعاء ممنوع ہے جس سے نبیِ اکرم ﷺ نے اس حدیث میں منع فرمایا ہے اور اسے کتّے کی طرح بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے، اس ممنوع اقعاء سے مراد ابو عبیدہ اور دوسرے اہلِ علم کے نزدیک یہ ہے:

''(ممنوعہ) اقعاء یہ ہے کہ آدمی اپنے سرین (چوتڑ) زمین سے لگا لے اور دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کر لے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر لگا لے، جس طرح کہ کتا کرتا ہے۔''[1]

یہ وہ اندازِ اقعاء ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور یہی انداز کتے کے بیٹھنے سے مشابہ ہے۔ دونوں ایڑیوں پر بیٹھنے والا انداز ایسا نہیں، اسی لیے اِسے مشروع قرار دیا گیا ہے اور اُسے ممنوع کہا گیا ہے۔

صحیح مسلم، ابو داود اور مسند احمد ہی میں اسے ''عَقبة الشیطان'' کہا گیا ہے۔

''عَقُبَة الشَّيْطَان'' کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی نے شرح مسلم میں ابو عبیدہ وغیرہ کے کلمات نقل کیے ہیں جو ممنوع اقعاء کے تعارف کے طور پر ذکر کیے جا چکے ہیں۔

ہاتھ اور کلائیاں کہاں ہوں؟

اب رہا معاملہ دونوں ہاتھوں اور کلائیوں کو رکھنے کا تو اس سلسلے میں صحیح مسلم و ابو عوانہ، دارمی و بیہقی، شرح السنہ بغوی اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب تشہّد کے لیے بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر

[1] شرح النووي (٢/ ٤/ ٢١٤) و بحواله صفة الصلاة أيضًا، نیز دیکھیں: لغات الحدیث (حرف: ق، ٥/ ١٣٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے تھے۔‘‘[1]

جبکہ صحیح مسلم و بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں دونوں ہاتھوں کا دونوں رانوں پر رکھنا بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى﴾[2]

’’نبی ﷺ جب دُعا کے لیے بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔‘‘

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نمازی چاہے تو بوقتِ قعدہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لے اور چاہے تو گھٹنوں سے تھوڑا پیچھے رانوں پر رکھ لے، دونوں میں اسے اختیار ہے اور دونوں طرح ہی صحیح ہے۔

قعدہ میں دونوں ہاتھوں کی کیفیت:

اب یہاں یہ بات بھی واضح کرتے جائیں کہ ہاتھوں کو گھٹنوں یا گھٹنوں سے ملتے ہوئے رانوں کے حصوں پر رکھنے کے انداز کے بارے میں کتبِ حدیث میں صراحت موجود ہے۔

بائیں ہاتھ کی کیفیت:

اس سلسلے میں بائیں ہاتھ کے بارے میں تو سبھی نمازیوں کا انداز صحیح ہوتا ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہوتی ہیں جو صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد اور بعض دیگر

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨٠)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٧٩، ٨٠) سنن البيهقي (٢/ ١٣١) مصنف ابن أبي شيبة.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کتبِ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کے اس طرح بائیں ہاتھ کو رکھنے کا انداز مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

«……وَيَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلىٰ رُكْبَتِهِ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا»[1]

''بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر، انگلیاں کھول کر رکھا ہوتا تھا۔''

دائیں ہاتھ کی کیفیت:

لیکن دائیں ہاتھ کے بارے میں اکثر لوگوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے بھی بائیں کی طرح ہی کھلا رکھ دیتے ہیں، حالانکہ حدیثِ رسول ﷺ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

① بلکہ چاہیے یہ کہ تشہّد کے لیے بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کو ڈھیلی سی مُٹھی کی شکل میں بند کر کے رکھا جائے اور صرف انگشتِ شہادت کو کھلا رکھا جائے۔ اس کیفیت کی تعبیر حدیثِ نبوی ﷺ میں مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے۔

مثلاً صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ جب تشہّد کے لیے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اس طرح رکھتے کہ جیسے ترپّن (۵۳) بنا ہوا ہو اور انگلی (انگشتِ شہادت) سے اشارہ کرتے تھے۔''[2]

ایک روایت میں ہے:

«وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنىٰ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ يَدْعُو بِهَا»[3]

''آپ ﷺ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھائی اور آپ ﷺ دعا کر رہے تھے۔''

---

① صحيح مسلم، مشكاة (١/ ٢٨٥) و مع المرعاة (٢/ ٤٦٨)

② صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٨٠) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٤٦٦ـ ٤٦٨)

③ صحيح مسلم أيضاً، ترمذي، نسائي، مسند أحمد، مشكاة مع المرعاة (٢/ ٢٦٦ـ ٢٦٨) سنن البيهقي (٢/ ١٣٠) ابن خزيمة (١/ ٣٥٥) أبو عوانة (٢/ ٢٢٥) مسند أحمد (٢/ ١٤٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ سے ترپّن (۵۳) بنانے سے مراد یہ ہے کہ عربوں میں ہاتھوں کی انگلیوں سے حساب کا جو طریقہ مروّج تھا، اس کی رو سے ترپّن (۵۳) بنایا۔ اس طریقۂ حساب میں ترپّن بنانے کا انداز و طریقہ یہ ہے کہ چھنگلی، اس کے ساتھ والی اور درمیان والی تینوں ہی انگلیوں کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھلا رہنے دیا جائے اور انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کی جڑ کے ساتھ جوڑ لیا جائے۔

جبکہ ”التلخیص الحبیر“ میں حافظ ابن حجر نے انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کی جڑ سے جوڑنے کی بجائے لکھا ہے:

”انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کے نیچے سے گزار دیا جائے۔“[1]

قعدہ میں دائیں ہاتھ کو اسی طرح رکھنا چاہیے۔ شروع قعدہ سے لے کر آخر قعدۂ اولیٰ و وسطیٰ یا سلام پھیرنے تک۔

(۲) ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن خزیمہ، مسند احمد، سنن کبریٰ بیہقی اور ابن حبان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے دائیں ہاتھ کو رکھنے کی ایک اور کیفیت بھی وارد ہوئی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

((... وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً، ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَاَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا))[2]

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کو بند کر لیا، درمیان والی انگلی و انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا اور انگشتِ شہادت کو اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مسلسل ہلا رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔“

---

[1] التلخیص الحبیر (۱/ ۱/ ۲۶۳) نیز دیکھیں: المرعاة (۲/ ٤٦٧) و سبل السلام (۱/ ۱/ ۱۸۹) وتحقيق المشكاة (۱/ ۲۸٥)

[2] صحيحه محققو زاد المعاد (۱/ ۲٥٥) مشكاة (۱/ ۲۸۷ وصححه، مع المرعاة (۲/ ٤٧٨ ـ ٤٧٩) سنن البيهقي (۲/ ۱۳۲) المنتقىٰ مع النيل (۲/ ۳/ ۱۳٥) ابن خزيمة (۱/ ۳٥٤) ابن حبان، الموارد (٤٨٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مَرد وزن کے قعدہ میں عدمِ فرق:

جس طرح سجدے کے احکام و مسائل اور کیفیت وطریقے کے ضمن میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ مَرد وزن کے مابین کسی صحیح حدیث سے کوئی فرق ثابت نہیں، اسی طرح قعدہ میں بھی مَرد وزن کے مابین چنداں فرق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مطلقاً حدیث تو کوئی ہے ہی نہیں، البتہ بعض آثار ہیں اور وہ بھی ضعیف ہیں، مثلاً مسائل الامام احمد میں ان کے فرزندِ ارجمند عبداللہ نے اپنے والد کے حوالے سے روایت بیان کی ہے، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آیا ہے:

”وہ اپنی عورتوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ وہ نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھا کریں۔“[1]

جبکہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن عمر العمری ہے جس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ اثر ناقابلِ حجت ہے۔[2]

اس کے برعکس صحیح بخاری میں تعلیقاً اور التاریخ الصغیر امام بخاری و مصنف ابن ابی شیبہ میں موصولاً بسند صحیح، حضرت اُمّ درداء رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے:

”وہ نماز میں مَردوں کی طرح ہی بیٹھا کرتی تھیں، جبکہ وہ ایک فقیہہ عورت تھیں۔“[3]

معلوم ہوا کہ حدیث: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»[4] (تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح نماز پڑھتے ہوئے مجھے تم نے دیکھا ہے) کا عموم عورتوں کو بھی شامل ہے اور نماز کے کسی بھی حصے میں مرد وزن کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ نماز کے

---

1. بحواله صفة الصلاة (ص: ١١٤)
2. حوالہ سابقہ۔
3. التاريخ الصغير (ص: ٩٥) صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٣٠٥) وصححه الألباني في صفة الصلاة (ص: ١١٤)
4. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لیے جگہ اور لباس کے سلسلے میں مَرد و زن کے مابین جو فرق ہے، وہ ایک الگ بات ہے۔[1]

③ بوقتِ قعدہ دائیں ہاتھ کو رکھنے کا ایک تیسرا طریقہ صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد اور بعض دیگر کتب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں یوں آیا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور ساری انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے (اور دعا مانگ رہے ہوتے)۔''[2]

اس حدیث کی رو سے سب انگلیوں کو بند کر کے رکھنا اور صرف انگشتِ شہادت کو کھلا رکھنا اور اس سے اشارہ کرتے رہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ پہلے طریقے سے ملتا جلتا ہی ہے۔

④ بوقتِ قعدہ دائیں ہاتھ کو رکھنے کی ایک چوتھی کیفیت بھی ہے جو صحیح مسلم و سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قعدہ میں دعا کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر، اور انگشتِ شہادت سے اشارہ فرماتے اور ہاتھ کے انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔''[3]

اس حدیث میں انگلیوں میں سے کسی کو بند کرنے کا ذکر نہیں سوائے درمیانی انگلی کے، کیوں کہ اسے بند کیے بغیر اس پر اپنا انگوٹھا رکھا ہی نہیں جا سکتا۔

⑤ جبکہ صحیح مسلم ہی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: ہماری ایڈٹ کردہ کتاب ''مرد و زن کی نماز میں فرق؟''

[2] صحیح مسلم (۳/ ۵/ ۸۰) المنتقیٰ مع النیل (۲/ ۳/ ۱۳۶ الریاض) و مشکاۃ (۱/ ۲۸۵) ومع المرعاۃ (۲/ ٤٦٨)

[3] صحیح مسلم (۳/ ۵/ ۷۹۔ ۸۰) مشکاۃ مع المرعاۃ (۲/ ٤٦٨۔ ٤٦٩)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کچھ دوسرے الفاظ ہیں:

”آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور انگلی سے اشارہ کیا۔“

جن سے ایک پانچویں کیفیت کا پتا چلتا ہے اور وہ اس طرح کہ تمام انگلیوں کو بلا استثنا کھلا رکھیں اور صرف انگشتِ شہادت سے اشارہ کریں۔[1]

ان پانچوں کیفیتوں میں سے پہلی چار کو نقل کر کے علامہ عبیداللہ رحمانی نے المرعاۃ میں لکھا ہے کہ ان کے مابین کوئی اختلاف و منافاۃ نہیں، کیوں کہ ان سب کیفیتوں کا مختلف اوقات میں ہونا جائز و ممکن ہے، لہٰذا یہ سب انداز جائز ہیں اور علامہ رافعی سے نقل کیا ہے کہ ان سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور نبی ﷺ کبھی ایک طرح ہاتھ کو رکھتے تھے تو کبھی دوسری طرح۔ امیر یمانی نے ”سبل السلام“ میں کہا ہے کہ نمازی ان تمام صورتوں میں مخیّر ہے کہ جسے چاہے اختیار کر لے۔[2]

جبکہ علمائے احناف و حنابلہ کے نزدیک درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند رکھنے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے والی کیفیت مختار و حسن ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے پانچ مختلف اندازوں کا پتا دینے والی احادیث کو ایک ہی قرار دیا ہے اور جمع و تطبیق بھی زاد المعاد میں ذکر کی ہے۔ ان کی بیان کردہ تفصیل کی رو سے بھی پہلا انداز ہی افضل ثابت ہوتا ہے۔[3]

علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری نے المرعاۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اور ترپّن بنانے والے انداز پر مشتمل حدیث دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما والی حدیث کے الفاظ: « وَوَضَعَ اِبهَامَهُ عَلىٰ اِصْبَعِهِ

---

1. صحیح مسلم (۳/ ۵/ ۸۱) النیل (۲/ ۳/ ۱۳٦)
2. المرعاۃ (۲/ ٤٦۷) سبل السلام (۱/ ۱/ ۱۸۹)
3. زاد المعاد (۱/ ۲۵۵۔ ۲۵٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الوُسطیٰ» سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا انگوٹھا درمیانی انگلی کی جڑ کے قریب رکھا۔ اس طرح چار پانچ کے بجائے کل تین انداز ہی بنتے ہیں جو شروع میں ذکر کیے گئے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔ حضرت ابن عمر و ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی بعض احادیث میں جو انگلیوں کو بند کرنے کا ذکر تک وارد نہیں ہوا تو ان سے کسی الگ کیفیت کا پتا ہی نہیں چلتا، بلکہ وہ احادیث مطلق ہیں۔ انھیں ان احادیث پر محمول کیا جائے گا، جن میں انگلیوں کو بند رکھنے کی قید وارد ہوئی ہے۔[1]

افضل انداز:

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم اس حدیث میں مذکور کیفیت کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی پہلی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی انداز کو مانتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں پر مشتمل احادیث اور ان کی اسناد قوی ہیں۔[2]

ایک تصحیح:

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قعدہ کے شروع میں بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کو اس انداز سے رکھنا چاہیے نہ کہ صرف کلمۂ شہادت کے وقت اور پھر ہاتھ کو کھولنا بھی نہیں چاہیے۔

علمائے احناف میں سے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب ''بہشتی زیور'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے لکھا ہے:

''عقد و حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے۔''[3]

---

1. المرعاة (٢/ ٤٦٧۔ ٤٦٨)
2. سنن البيهقي (٢/ ١٣١)
3. بہشتی زیور (ص: ١٦، حصہ دوم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ تو کلمۂ شہادت کے وقت بھی دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بند نہیں کرتے، بلکہ اسی طرح شہادت کی انگلی سے نیم جان سا اشارہ کر دیتے ہیں۔

انگلی سے اشارہ:

اس سے بڑھ کر وہ لوگ ہیں جو اشارہ بھی نہیں کرتے۔ ہماری ذکر کی گئی احادیث پر غور کرنے سے ان تمام حضرات کی غلط فہمیاں دور ہو جانی چاہئیں۔ وَاللّٰہ الموفِّق

بسم اللہ کے بغیر:

قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ میں تشہّد والتحیات شروع کرنے سے پہلے بعض لوگ بسم اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ التحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ احادیثِ صحیحہ سے اسی بات کا پتا چلتا ہے کہ بیٹھتے ہی ((اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ)) سے تشہد شروع کر دیا جائے۔

بعض احادیث میں التحیات کے شروع میں بسم اللہ کے الفاظ آئے ہیں، لیکن وہ ضعیف ہیں۔[1]

① چنانچہ موطأ امام مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بوقتِ تشہّد بسم اللہ کہا کرتے تھے۔ علامہ زرقانی شرح موطا میں لکھتے ہیں کہ اس موقوف اثر کے شروع میں بسم اللہ آئی ہے (لیکن یہ موقوف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ استدلال ہے)۔[2]

② اسی طرح سنن سعید بن منصور اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تشہّد کے شروع میں بھی ہے، جبکہ موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تشہّد کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے، گویا یہ دونوں باہم متعارض ہوئیں۔

① نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٣٢، طبع الرياض، ١/ ٢/ ٢٨١ طبع بيروت) و شرح الزرقاني (١/ ١٨٧)

② موطأ مع الزرقاني (١/ ١٨٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

③ اُدھر ترمذی میں تعلیقاً اور سنن نسائی و ابن ماجہ اور علل ترمذی و مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موصولاً و مرفوعاً مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات اس طرح سکھلایا کرتے تھے جس طرح کوئی قرآنی سورت سکھلاتے تھے اور وہ یوں تھا: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ، التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ... الخ۔''

اسے اگرچہ امام حاکم نے صحیح کہا ہے (جو تصحیح میں متساہل مشہور ہیں) لیکن امام بخاری، ترمذی، نسائی اور بیہقی جیسے کبار حفاظ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اس میں راوی سے خطا ہوگئی ہے اور اس کی دلیل مسلم، ابوداود، نسائی و ابن ماجہ، ابوعوانہ، دارمی و دارقطنی، بیہقی اور مسند احمد کی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات سے تشہّد شروع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔[1]

مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں:

''تم میں سے جب کوئی قعدہ کرے تو وہ ''التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ... الخ'' سے شروع کرے۔''

سنن کبریٰ بیہقی، نیز بعض دیگر کتب میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ ''التَّحِيَّاتُ'' سے پہلے ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھنے پر نکیر کیا کرتے تھے۔ الغرض بسم اللہ والی روایات صحیح نہیں، جیسا کہ حفاظِ حدیث نے کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ المدونہ میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کسی حدیث میں تشہّد سے پہلے بسم اللہ نہیں پائی، حدیث سے مراد صحیح و مرفوع حدیث ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والا اثر اس بات کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ یہ موقوف ہے۔[2]

[1] صحيح مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ١٢١، ١٢٢) الإرواء (٢/ ٣٨) صحيح الجامع (١/ ١/ ٢٤٤)

[2] سنن الترمذي (٢/ ٨٣) سنن النسائي (١/ ١٧٥ و ١٨٨) الزرقاني (١/ ١٨٧) و انظر ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشہّد کا حکم:

تین یا چار رکعتوں والی فرض نماز میں بعض کے نزدیک قعدۂ اولیٰ یا تشہّدِ اوّل غیر واجب اور بعض دیگر کے نزدیک واجب ہے۔

دلائلِ وجوب:

1 صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ، موطا امام مالک، مسند احمد و شافعی، صحیح ابن حبان و ابن خزیمہ، ابی عوانہ، شرح السنہ بغوی، معانی الآ ثار طحاوی، بیہقی و دارمی، مصنف عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور منتقیٰ ابن الجارود میں حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نے انھیں ظہر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد آپ ﷺ قعدۂ اولیٰ کیے بغیر کھڑے ہوگئے۔ لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اٹھ گئے۔ جب آپ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو لوگوں کو انتظار تھا کہ اب آپ ﷺ سلام پھیریں گے، مگر آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے (سہو کے) دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔''[1]

ایک روایت میں ہے:

''آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ ﷺ نے قعدہ کرنا تھا۔''

2 اسی طرح صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد و شافعی، ابن حبان، ابن خزیمہ، طبرانی کبیر، دارقطنی، ابی عوانہ، شرح معانی الآ ثار طحاوی،

← النيل (٢/ ٣/ ١٣٢ الرياض، ١/ ٢/ ٢٨١، بيروت) تحقيق المشكاة للألباني (١/ ٢٨٩) المرعاة شرح المشكاة (٢/ ٤٨٣، ٤٨٤) فتح الباري (٢/ ٣١٦) التعليق الممجد (ص: ٩٠٩۔ ٩١١) وهناك بسط في الموضوع.

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٠٩۔٣١١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٧٠) صحيح ابن حبان (٥/ ٢٦٤۔ ٢٦٦) صحيح ابن خزيمة (٢/ ١١٥) سنن البيهقي (٢/ ٣٣٣ و ٣٣٤) شرح السنة (٣/ ١٢٢٤ و٣/ ٧٥٧) مصنف ابن أبي شيبه (٢/ ٣٠) مصنف عبدالرزاق (٥۔ ٤٩/ ٣٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیہقی، ابن ابی شیبہ اور شرح السنہ بغوی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ»[1]

''رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھلاتے تھے، جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھلاتے تھے۔''

۴ ایسے ہی سنن نسائی، مسند احمد و طیالسی، صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ، معجم طبرانی کبیر اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھو تو یہ کہو: «التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ...... الخ»[2]

ان احادیث کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم نے قعدۂ اولیٰ کو واجب قرار دیا ہے۔ امام لیث، اسحاق بن راہویہ، مشہور روایت میں امام احمد اور امام شافعی اور ایک روایت میں احناف کا یہی قول ہے۔[3] امام داود ظاہری، امام ابو ثور اور امام نووی کے بقول جمہور محدّثینِ کرام رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[4]

دلائلِ عدمِ وجوب اور ان کا جائزہ:

دوسرے ائمہ و فقہا کے نزدیک یہ تشہّدِ اوّل غیر واجب ہے۔ ان کا استدلال

---

1. صحيح مسلم (٢/ ٤) ابن حبان (٥/ ٢٨٢۔ ٢٨٤) ابن خزيمة (١/ ٣٤٩) سنن البيهقي (٢/ ٣٧٧) مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٢٩٤) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٥٠) شرح السنة (٣/ ٦٧٩) صفة صلاة النبي ﷺ (ص: ٩٥)
2. مسند أحمد (١/ ٤٣٧) الفتح الرباني (٣/ ٥) و ابن حبان (٥/ ٢٨١) وصححه أحمد البنّا والأرناؤوط والألباني في الصلاة (ص: ٩٥) ابن خزيمة (١/ ٣٥٦)
3. فتح الباري (٢/ ٣١٠)
4. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٢٠، طبع الرياض)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اس موضوع کے ضمن میں ذکر کی گئی سہو والی حدیث ہی سے ہے اور وہ یوں کہ اگر یہ تشہّدِ اوّل واجب ہوتا تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تشہّد پڑھے بغیر نبی ﷺ کو تیسری رکعت کے لیے اٹھتے دیکھ کر سبحان اللہ کہا تو آپ ﷺ اسی وقت بیٹھ جاتے، مگر آپ ﷺ کا ایسے نہ کرنا اس کے عدمِ وجوب کی دلیل ہے۔

امام بخاری اور خصوصاً امام ابن حبان کی تبویبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تشہّدِ اوّل کے عدمِ وجوب کی رائے رکھتے تھے۔[1]

حدیثِ سہو سے استدلال کی تردید کرتے ہوئے امام شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ تو تب ہے جب یہ مان لیا جائے کہ سجدۂ سہو سے صرف سنتوں کے چھوٹنے ہی کا مداوا ہوتا ہے واجبات کا نہیں، جبکہ یہ بات غیر مسلّم ہے۔[2]

اسی طرح عدمِ وجوب کے قائلین کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نماز اچھی طرح سے نہ پڑھنے والے صحابی کو آپ ﷺ نے اس کا حکم نہیں فرمایا تھا، تو اس کے جوابات بھی کئی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صرف یہ تشہّد ہی نہیں بعض دوسرے امور بھی اس میں نہیں آئے جن کے وجوب پر اجماع ہے، لہٰذا یہ دلیل نہیں بن سکتی۔

اخفائے تشہّد:

نمازی اکیلا ہو یا امام و مقتدی ہر شکل میں، اور نماز بلند آواز سے قراءت والی جہری ہو یا آہستگی سے قراءت والی سرّی تمام صورتوں میں تشہّدِ اول و اخیر کو سرّی انداز

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب من لم ير التشهّد الأول واجبًا لأن النبي ﷺ قام من الركعتين ولم يرجع (٢/ ٣٠٩) صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب ذكر البيان بأنّ جلوس المرء في الصلاة للتشهّد الأوّل غير فرض عليه، و باب ليس بفرض على المصلي۔ و باب غير فرض على المصلين (٥/ ٢٦٤، ٢٦٦، ٢٦٧، ٢٦٨) الروضة الندية صديق حسن خان (١/ ١/ ٨٦) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٢٠، ١٢١)

[2] النيل (٢/ ٣/ ١٢١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی سے پڑھنا سنت ہے، اسے بلند آواز سے پڑھنا صحیح نہیں، کیوں کہ ابو داود، ترمذی و مستدرک حاکم اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تُخفَی التَّشَهُّدُ»[1]

''سنت یہ ہے کہ تشہد بلا آواز پڑھا جائے۔''

تشہّد کے مختلف صیغے:

تشہّد کے مختلف صیغے کتبِ حدیث میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں ہی سے موسوم ہیں، مثلاً تشہّدِ ابن مسعود، تشہّدِ ابن عباس، تشہّدِ ابن عمر، تشہّدِ ابوموسیٰ اشعری، تشہّدِ عمر بن خطاب اور تشہّدِ عائشہ رضی اللہ عنہم۔

① تشہدِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

تشہّد کا پہلا اور معروف صیغہ تشہّدِ ابن مسعود کہلاتا ہے، جو صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند سراج و ابو یعلی اور مسند احمد میں ان سے مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد اس انداز سے سکھایا کہ میرا ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا اور اہتمام کا یہ عالم تھا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قرآنِ کریم کی کوئی سورت سکھا رہے ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز و اہتمام سے جو تشہّد سکھایا وہ یہ تھا:

«اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ»

[1] صحیح أبي داوٗد (۱/ ۱۸۵) مستدرك حاكم (۱/ ۳۵۴۔ ۴۰۰) ابن خزیمة (۱/ ۳۵۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''(میری ساری) قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ پر اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکتیں نازل ہوں، اور ہم پر اور اللہ کے (دوسرے) نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

اس حدیث کے آخر میں بعض روایات میں یہ بات بھی وارد ہوئی ہے کہ ''جب نبی ﷺ ہمارے مابین موجود تھے تو ہم «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ» کہا کرتے تھے اور جب نبی ﷺ وفات پا گئے تو ہم نے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' کی جگہ) یہ کہنا شروع کر دیا: «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ» (نبی ﷺ پر سلام ہو)۔''

ان الفاظ کی رو سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ اس کی کچھ مزید تفصیل بھی ہم اس موضوع کے آخر میں جا کر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ!

② تشہدِ ابن عباس رضی اللہ عنہما:

صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، سنن نسائی، مسند امام شافعی، احمد، ابی عوانہ اور صحیح ابن حبان و طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تشہّد کے شروع میں وہ بھی فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ ہمیں تشہّد یوں سکھلاتے تھے، جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھلا رہے ہوں۔''

اس تشہّد کے الفاظ یہ ہیں:

«اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ وَالصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ»

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

’’تمام مبارک زبانی، بدنی عبادات اور پاکیزہ مالی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے سلامتی و رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ ہم پر بھی اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔‘‘

ایک روایت میں ہے:

«وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ»[1]

’’اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔‘‘

③ تشہّدِ ابن عمر رضی اللہ عنہما:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ابو داود، سنن دارقطنی اور معجم طبرانی میں مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ تشہّد کے طور پر یہ پڑھا کرتے تھے:

«اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ»[2]

’’ہر قسم کی زبانی، بدنی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔ سلامتی و رحمت اور اللہ کی برکتیں نازل ہوں آپ پر اے نبی ﷺ! ہم پر اور تمام نیک بندوں پر سلامتی ہو۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق

---

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١١٨ ـ ١١٩) سنن أبي داوٗد، سنن الترمذي، سنن النسائي، المنتقیٰ مع النيل (٢/ ٤/ ٢٨١) صلاة النبي ﷺ (ص: ٩٧)

[2] سنن أبي داود، سنن الدارقطني و صححه. النيل (٢/ ٤/ ٢٧٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

ان کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیثِ تشہّد ملتی ہے، جن کی مجموعی تعداد بقول امام بزار بیس سے بھی زیادہ ہے۔[1]

''اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ'' کہنے کا جواز:

① صحیح بخاری و مسلم، مسند سراج و ابی یعلی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی پہلے نمبر والے صیغہ کے آخر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ زندہ تھے تو ہم تشہّد میں «اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ» کہا کرتے تھے کہ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر سلامتی ہو اور جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو ہم حاضر و مخاطب کے اس صیغہ کی بجائے غائب کے صیغہ سے سلام بھیجتے اور یہ کہتے تھے: ''اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ'' ''نبی ﷺ پر سلام ہو۔''

اس میں شک کی کوئی گنجایش نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا محض اپنی مرضی سے نہیں کر لیا تھا، بلکہ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا کوئی ارشاد ان کے سامنے ہوگا۔

② اس بات کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ، مسند سراج اور الفوائد للمخلص میں مروی اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی ہوتی ہے، کیوں کہ وہ بھی لوگوں کو تشہّد میں ''اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ'' کے الفاظ ہی سے سلام سکھلایا کرتی تھیں۔[2]

اسی طرح اس بات کا پتا مصنف عبدالرزاق میں امام عطاء رحمہ اللہ سے مروی اثر سے بھی چلتا ہے، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک قوی متابع قرار دیا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

---

[1] النیل (۲/ ٤/ ۲۷۸۔ ۲۷۹)

[2] مصنف ابن أبي شیبة (۱/ ۲۹۳) سنن البیهقي (۲/ ۱٤٤) صفة الصلاة للألباني.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

’’نبی ﷺ جب زندہ تھے تو صحابہ «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ» کہتے تھے اور جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو وہ یہ کہنے لگے: «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ»۔‘‘[1]

سلام کے ان دونوں صیغوں میں بظاہر تو معمولی سا فرق ہے کہ ایک میں خطاب کا صیغہ ہے تو دوسرے میں غائب کا، جبکہ اہلِ نظر کے لیے اس بظاہر معمولی فرق میں معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے، جن کی روشنی میں نبی ﷺ کے بارے میں ’’حاضر و ناظر‘‘ کا عقیدہ رکھنے والوں کی اس دلیل کی بھی قلعی خوب کھل جاتی ہے، اسی لیے اس کی کچھ اور تفصیل بھی ضروری ہے۔

چنانچہ علامہ سبکی نے ’’شرح المنهاج‘‘ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کو صرف ابو عوانہ کے حوالے سے ذکر کر کے لکھا ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نبی ﷺ کی وفات کے بعد «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ» کے الفاظ کہنے ثابت ہو جائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ» کہنا واجب نہیں، بلکہ «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ» بھی کہا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ سبکی کا یہ کلام نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث بلا شک و شبہہ صحیح و ثابت ہے (کیوں کہ یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے)۔

ایک وضاحت:

آگے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اشکال کا حل اور ایک اعتراض کو وارد کر کے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’’اب رہی وہ حدیث جو سنن سعید بن منصور میں ہے، جس میں ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود کے طریق سے ان کے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

[1] فتح الباري (٢/ ٣١٤) و صححه.

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یہ تشہّد سکھایا تھا۔ پھر آگے خطاب کے صیغے والا تشہّد ذکر کیا۔ اس میں ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿اِنَّا کُنَّا نَقُوْلُ : اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا کَانَ حَیًّا﴾

”نبی ﷺ جب زندہ تھے تو ہم کہتے تھے: ”اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ“۔“

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿هٰکَذَا عُلِّمْنَا وَهٰکَذَا نُعَلِّمُ﴾ [1]

”ہمیں ایسے ہی سکھلایا گیا اور ہم بھی ایسے ہی سکھلائیں گے۔“

اس حدیث سے یہ شک پڑتا ہے کہ شاید غائب کے صیغہ کا استعمال جائز نہ ہوگا، اسی لیے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں ﴿اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ﴾ کے بجائے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ ہی سکھلانے کی بات کی ہے، جبکہ درحقیقت ایسی کوئی بات نہیں، کیوں کہ صحیح بخاری شریف میں وارد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے غائب کے صیغے سے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ﴾ بھی ثابت ہے، جو ابو معمر کی روایت ہے اور یہ ابو عبیدہ والی سنن سعید بن منصور کی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کیوں کہ ابو عبیدہ کا تو اپنے والدِ گرامی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سند ہی اس انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہوئی۔ بھلا کوئی ایسی روایت صحیح بخاری کی حدیث کے مقابلے میں کیسے پیش کی جا سکتی ہے!

حافظ ابن حجر کی بیان کردہ اس تفصیل کو علامہ قسطلانی و زرقانی اور علامہ عبدالحی لکھنوی جیسے کبار محقّقین علما نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کا کوئی تعاقب نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ موافقت کی ہے جس سے ان کے اس کلام کا وزن معلوم ہو جاتا ہے۔ [2]

[1] فتح الباري وبحواله سابقه أيضاً.

[2] دیکھیں: شرح الزرقاني (١/ ١٨٨) فتح الباري (٢/ ٣١٤) صفة صلاة النبي ﷺ (ص: ٩٦ - ٩٧)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عمل محض ذاتی اجتہاد نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیف پر مبنی تھا، کیوں کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں خود اپنی طرف سے کوئی تصرّف کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ ایسا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے قاطع شرکیات و قامع بدعات شخصیت سے سرزد ہو۔ سنن دارمی اور بعض دیگر کتب میں ان کا وہ واقعہ معروف ہے کہ جب کچھ لوگوں نے مسجد میں حلقہ بنا کر ایک شخص کی آواز پر سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا تھا اور ان میں سے ہر شخص کے سامنے کنکریاں رکھی تھیں جنھیں وہ گن رہا تھا تو انھوں نے سختی کے ساتھ اس کی تردید فرمائی تھی۔[1]

خصوصاً جبکہ "مصنف ابن أبي شيبة" (١/ ٢٩٤) اور "معاني الآثار للطحاوي" (١/ ١٥٧) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ وہ جب اپنے ساتھیوں کو تشہّد سکھلاتے تو "الف" اور "واؤ" تک میں باقاعدہ مواخذہ کرتے تھے۔ یعنی باریک باریک چیزوں پر بھی توجہ دیتے کہ زیر کا زبر نہ ہونے پائے۔

﴿اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ کے تعلیمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند سے امام عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ﴿اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سند بھی حافظ ابن حجر کے بقول صحیح ہے اور علامہ قسطلانی، علامہ زرقانی اور عبدالحی لکھنوی نے بھی ان کی تصحیح پر موافقت کی ہے۔[2]

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بھی مصنف ابن ابی شیبہ، مسند سراج اور فوائد للمخلص میں دو صحیح سندوں سے مروی ہے، جس میں ہے کہ وہ بھی اسی طرح تشہّد سکھلایا کرتی تھیں، جس میں ﴿اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ کے الفاظ ہوتے تھے:

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: سنن الدارمي (١/ ٦٧۔ ٦٩)

[2] فتح الباري (٢/ ٣١٤) زرقاني (١/ ١٨٨) صفة الصلاة (ص: ١٦٢، المعارف)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ کو) نماز میں تشہّد یوں سکھلایا کرتی تھیں: «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ»۔''[1]

یہ آثار بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل توقیف پر مبنی تھا نہ کہ اجتہاد پر۔ کیوں کہ یہ خالص تعبّدی عمل ہے، جس میں اجتہاد کا دخل ہی نہیں ہوتا۔

اسی طرح موطا امام مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

''وہ تشہد میں بیٹھتے تو یہ کہتے: «اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات نازل ہوں)۔''[2]

---

[1] النیل (۲/ ٤/ ۲۷۹) الإرواء (۲/ ۲۷ وقد مرّ)

[2] موطأ مع الزرقاني (۱/ ۱۸۷) الإرواء (۲/ ۲۷) وصححه على شرط الشيخين. مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمة صفة الصلاة (ص: ۱۷۔ ۲۵) طبع جديد مكتبة المعارف الرياض.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف

قعدۂ اولیٰ میں تشہّد یا التحیّات کے متعدد صیغے ذکر کیے جا چکے ہیں، جو صحیح احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیے ہیں۔

یہیں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ معروف تو یہی ہے کہ تشہّد پڑھتے ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس میں درود شریف نہیں پڑھتے، بلکہ پڑھ لینے پر سجدہ سہو کرنے کا بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے، یا یہ کہ یہ بھی جائز ہے اور سجدۂ سہو لازم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دونوں طرف ہی دلائل بھی موجود ہیں۔

تحقیقاتِ جدیدہ اور ایک اصولی قاعدہ:

یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ مختلف وسائل و ذرائع کا انسان کی تحقیق پر اثر پڑتا ہے۔ شریعت نے بھی انسان کو اختیار دیا ہے کہ از روئے دلیل صحیح تر بات کو زیرِ عمل لایا جائے، وہ چاہے جب بھی ثابت ہو جائے۔ صحیح تر کے ثابت ہو جانے کے بعد مرجوح کو ترک کر دینا ہی اہلِ تحقیق کی شان ہے۔

یہ بات مسئلہ زیرِ بحث میں بڑی آسانی کے ساتھ سمجھی جا سکتی ہے کہ خود علمائے حدیث خصوصاً علمائے برصغیر پاک و ہند کا بعض مسائلِ نماز میں جو تعامل تھا، موجودہ دَور کے بعض علما اور خصوصاً عرب علما کی تحقیق اُن سے مختلف ہے اور علمی میدان میں ایسا ہونا فطری عمل ہے۔ ایسے مسائل ہی میں سے ایک ''قعدۂ اولیٰ میں درود شریف'' بھی ہے۔ جبکہ دورِ حاضر تک متعدد کتبِ حدیث کے شائع ہو جانے اور بعض اہلِ علم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے فنِ حدیث میں غیر معمولی تبحّر حاصل کر لینے سے بعض مسائل کی قدیمی شکل میں فرق متحقّق ہوا ہے۔ اگر یہ فرق محض قیاس و رائے کی رُو سے پیش کیا جاتا تو قابلِ التفات و لائقِ اعتناء نہ ہوتا، لیکن ان مسائل میں عموماً ان کی بنیاد کسی نہ کسی نص پر ہے، اس لیے ان کی رعایت کیے بغیر بھی چارہ نہیں۔[1]

لہٰذا محض متقدّمین علما کی تحقیق پر اڑے رہنے کے بجائے تحقیقاتِ جدیدہ میں وارد نصوصِ صحیحہ سے ثابت شدہ مسائل کو اپنا لینا چاہیے، کیوں کہ ائمہ اربعہ سمیت کبار فقہا اور تمام علمائے حدیث کا یہی مسلک ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو اسے لے لیا جائے اور اس پر عمل کر لیا جائے، یہ انتظار نہ کیا جائے کہ ہم سے پہلے اس پر کسی نے عمل کیا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ حدیث و سنت کسی کے عمل سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ثبوت پر عمل کیا جاتا ہے اور یہی اصولی قاعدہ ہے۔

قائلینِ درود شریف کے دلائل:

امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دیگر ائمہ و فقہا قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے کے قائل ہیں۔ دورِ حاضر کے معروف محدّث علامہ محمد ناصر الدین البانی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ سید محبّ اللہ شاہ راشدی، شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہما اللہ اور معروف محقّق و مفسّر حافظ صلاح الدین یوسف (صاحب تفسیر احسن البیان) نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔ ان سب کا استدلال بعض قرآنی آیات اور متعدد احادیث سے ہے:

پہلی دلیل:

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا

[1] ماہنامہ ''محدّث'' بنارس (ص: ۴۳، عدد مسلسل ۱۰۵، جلد ۹، شمارہ ۱۰، ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۱ء ملخصاً)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴿56﴾ [الأحزاب: ٥٦]

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجو۔''

یہ آیت اگرچہ عام ہے، لیکن اس کا تعلق نماز سے بھی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، موطا امام مالک، ابن خزیمہ و ابن حبان، سنن کبریٰ بیہقی، مستدرک حاکم، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو مسعود عقبہ بن عَمر و انصاری رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ہمیں سلام کا تو پتا چل چکا ہے:

«فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ (إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا) صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ؟»

''(جب ہم نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھنا چاہیں) تو ہم آپ ﷺ پر کیسے درود پڑھیں؟ اللہ آپ ﷺ پر رحمتیں نازل کرے!''

آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا:

«إِذَا أَنْتُمْ صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ... الخ» [1]

جب تم مجھ پر درود پڑھنا چاہو تو یہ کہو: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّد... الخ»

ایک دوسری حدیث بھی اسی مفہوم و معنیٰ کی ہے، جو حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی میں ہے۔[2]

---

[1] صحيح مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ١٢٥) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٢٥٥) الفتح الرباني (٤/ ١٩ـ ٢١) جلاء الأفهام علامه ابن قيم (ص: ٥ و ردّ على من أعلّ الزيادة) صفة الصلاة للألباني (ص: ٩٩) شرح الشفاء ملا علي قاري (٣/ ٧٦٨)

[2] الفتح الرباني (٤/ ٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجہِ استدلال:

ان احادیث میں دورانِ نماز (قعدہ میں) درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ قعدۂ اولیٰ یا ثانیہ کا کوئی فرق مذکور نہیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیت میں درود اور سلام دونوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ اگر صرف تشہّد ہی پڑھ کر اُٹھ کھڑے ہوں تو سلام بھیجنے پر تو عمل ہو گیا، مگر درود بھیجنے پر عمل نہ ہوا۔ پوری آیت پر عمل تبھی ہوگا، جب درود شریف بھی پڑھا جائے۔

دوسری دلیل:

مذکورہ قرآنی آیت اور تفسیری احادیث کے علاوہ بعض دیگر احادیث سے بھی اس بات کا پتا چلتا ہے کہ پہلے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ سنن نسائی، بیہقی اور صحیح ابی عوانہ میں نبی ﷺ کے قیام اللیل کا ذکر کرتے ہوئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نو رکعت نماز میں صرف آٹھویں رکعت کے بعد قعدہ کرتے:

«... فَيَدْعُوْ رَبَّهٗ وَيُصَلِّيْ عَلٰى نَبِيِّهٖ، ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ...»[1]

”آپ ﷺ اپنے ربّ سے دعا کرتے، اس کے بعد اس کے نبی ﷺ پر درود پڑھتے اور پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے تھے۔“

خلاصہ:

اس آیت اور ان احادیث کی وجہ ہی سے امام شافعی، امام نووی، الوزیر ابن ہبیرہ اور ابن رجب جیسے ائمہ و علما نے یہی رائے اپنائی ہے کہ قعدہ میں درود شریف کی احادیث بکثرت ہیں اور ان میں پہلے اور دوسرے کی بھی کوئی تفریق نہیں، بلکہ وہ عام ہیں، لہٰذا وہ دونوں قعدوں ہی کو شامل ہیں۔

[1] سنن النسائي مع التعليقات السلفية (١/ ٢٠٢) سنن البيهقي (٢/ ٤٩٩۔ ٥٠٠) الفتح الرباني (٤/ ٢٩٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ غزنویہ امرتسر کے شیخ الحدیث مولانا نیک محمد رحمہ اللہ، علامہ سید محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ، شیخ البانی رحمہ اللہ (سابقہ مفتیِ اعظم سعودی عرب) علامہ ابن باز رحمہ اللہ، استاذی شیخ الحدیث جناب حافظ ثنا اللہ خان (مفتیِ الاعتصام و شیخ الحدیث جامعہ لاہور اسلامیہ) شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ اور حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ (سابق مدیر الاعتصام و سابق مدیر شعبہ تحقیق و تالیف دار السلام، لاہور) جیسے کبار علمانے بھی لکھا ہے کہ پہلے قعدہ میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح پاک و ہند، سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے بکثرت اہلِ علم اسی کے قائل ہیں۔ غرض پہلے قعدہ میں درود شریف پڑھنا جائز و مستحب اور دوسرے میں واجب ہے۔[1]

علامہ ابن حزم تو دونوں میں وجوب کے قائل ہیں،[2] جبکہ احناف پہلے میں درود شریف پڑھنے والے پر سجدۂ سہو کے قائل ہیں۔ یہ دونوں ہی افراط و تفریط پر مبنی رائیں ہیں۔ مسلکِ اعتدال پہلے میں جواز و استحباب اور دوسرے میں وجوب والا ہے۔[3]

مانعین کے دلائل:

فقہائے احناف اور ان کے ہمنوا فقہائے مالکیہ قعدۂ اولیٰ میں درود شریف کے قائل نہیں اور ان کا استدلال بھی متعدد احادیث سے ہے:

پہلی دلیل:

صحیح ابن خزیمہ و مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] کتاب الأم للشافعي (١/ ١٢١) المجموع شرح المهذب للنووي (٣/ ٤٦٠) ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب (١/ ٢٨٠) الإفصاح للوزير كما في الذيل، صفة صلاة النبي ﷺ للألباني (ص: ٩٨) كيفية صلاة النبى ﷺ لابن باز.

[2] المحلى لابن حزم (٣/ ٢٧١)

[3] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ''درود شریف: فضائل و مسائل''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

«... ثُمَّ اِنْ كَانَ فِيْ وَسَطِ الصَّلَاةِ نَهَضَ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهٖ...»[1]

"پھر اگر آپ ﷺ درمیان والے قعدہ میں ہوتے تو تشہد پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے۔"

جواب:

علامہ سید محبّ اللہ شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ نے اپنے مقالہ "التحقيق المتحلّى في ثبوت الصلاة على النبي ﷺ في القعدة الأولى" میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف نہ پڑھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں اور ان کا یہ بیان بھی شروع اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ بعد میں نبی ﷺ نے پہلے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھنے کا حکم فرما دیا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث شاہد ہیں (جو قائلین کے دلائل میں گزری ہیں)۔

نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ مختلف اوقات میں مختلف انداز اختیار فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھ لیتے اور بعض اوقات چھوڑ دیتے۔[2]

دوسری دلیل:

سننِ اربعہ، مسند احمد و شافعی، مستدرک حاکم اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت

---

[1] صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٥٠) مسند أحمد (١/ ٤٥٩) وصححه أحمد شاكر (٦/ ١٤٨ وما بعد) الفتح الرباني (٤/ ٢، ٣) مجمع الزوائد (٢/ ١٤٢ ووثق رجاله)

[2] ملخصاً از مقالہ سید راشدی بحوالہ "الاعتصام" لاہور (جلد ۴۱، شمارہ ۴۷، بابت ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۸۹ء) و مضمون حافظ عبدالستار الحماد، ہفت روزہ "اہلِ حدیث" لاہور (جلد ۲۰، شمارہ ۴۲، ۱۹۸۹ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہی سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضَفِ»[1]

”نبی ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرتے تو یوں بیٹھتے گویا آپ ﷺ گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔“

اس حدیث سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ صرف التحیات ہی پڑھتے ہوں گے اور درود شریف نہیں، ورنہ گرم پتھر پر بیٹھنے کا کیا معنیٰ؟

جواب:

اول تو یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کے ظاہری الفاظ سے نہ صرف درود شریف بلکہ التحیات بھی نہ پڑھنے کا پتا چلتا ہے، کیوں کہ جس گرم پتھر پر بیٹھ کر درود شریف نہیں پڑھا جا سکتا، اس پر بیٹھ کر پورا التحیات کیسے پڑھا جا سکتا ہے؟ جس جگہ التحیات کا پڑھنا ممکن ہے، وہاں درود شریف پڑھ لینا بھی ممکن ہے۔ پھر یہ حدیث بھی منقطع ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔[2]

امام شافعی نے ”كتابُ الأم“ میں اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہّد اور درود شریف پڑھا جائے اور دعائیں وغیرہ کر کے اس قعدہ کو زیادہ لمبا نہ کیا جائے۔ اسی سے ملتی جلتی بات امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود مع معالم السنن خطابي و تهذيب السنن ابن قيم (١/ ١/ ٢٠٢) و مع العون (٣/ ٢٨٦) الفتح الرباني (٤/ ١٧) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ٣٦١) مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٢٣٩) التلخيص الحبير لابن حجر (١/ ١/ ٢٦٣)

[2] حوالا جات سابقه و فتح الباري (٢/ ٣١٤) و ہفت روزہ ”اہل حدیث“ مذکورہ سابقہ و ”الاعتصام“ لاہور (جلد ۴۵، شمارہ ۱، ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۲ء)

[3] كتاب الأم للشافعي (١/ ١٢١) نيل الأوطار للشوكاني (٢/ ٤/ ٢٨٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تیسری دلیل:

مسند ابو یعلی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يَزِيْدُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ»[1]

''نبی ﷺ دو رکعتوں کے بعد تشہّد سے زیادہ کچھ نہیں پڑھتے تھے۔''

جواب:

یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں انقطاع ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنی مستقل کتاب ''درود شریف'' میں ذکر کر دی ہے۔[2]

غرض قعدۂ اولیٰ میں درود شریف کی ممانعت کا پتا دینے والی کل تین احادیث میں سے دو تو صحیح ہی نہیں اور جو ایک صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہے، اس سے اس مسئلے پر کئی وجوہات کی بنا پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا ممانعت کی کوئی خاص وجہ نہ ہوئی اور نہ قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے والے کے لیے سجدۂ سہو کی کوئی ضرورت رہی۔

درود شریف کے صیغے:

درود شریف کے متعدد صیغے نبی ﷺ سے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں، جنھیں ہم آگے چل کر درود شریف کے غیر مختلف فیہ مقام ''قعدۂ ثانیہ'' میں ذکر کریں گے۔ إن شاء اللّٰه!

قعدۂ اُولیٰ بھول جانا:

جو شخص نمازِ فجر یا کوئی بھی دو رکعتوں والی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کا تو یہی

---

[1] مجمع الزوائد (١/ ٢/ ١٤٢) مسند أبي يعلى بتحقيق إرشاد الحق الأثري (٤/ ٢٤٨) و بتحقيق حسين سليم أسد (٧/ ٣٣٧)

[2] دیکھیں: کتاب ''درود شریف: فضائل و مسائل'' زیرِ عنوان ''درود شریف پڑھنے کے مقامات'' (پہلا مقام)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قعدۂ اخیرہ بھی ہے، لہٰذا وہ درود شریف اور دعا کرنے کے بعد سلام پھیر دے۔ لیکن جو شخص مغرب کی تین رکعتیں یا کسی نماز کی چار رکعتیں پڑھ رہا ہو، اسے قعدۂ اولیٰ یا تشہّدِ اوّل بھول جائے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونے لگے تو اب اس کے سامنے دو ہی صورتیں ہوں گی۔

پہلی یہ کہ پورے طور پر اٹھ کھڑے ہونے سے پہلے ہی اسے یاد آ جائے کہ میں نے تشہّدِ اوّل کے لیے قعدہ کرنا یا بیٹھنا تھا تو وہ وہیں سے واپس بیٹھ جائے۔ اس سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ پوری طرح کھڑا نہ ہونے سے کیا مراد ہے! اس کو یوں سمجھ لیں کہ اس نے قعدۂ اولیٰ کیے بغیر بھول سے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونا چاہا اور وسطِ قیام یا رکوع کی سی کیفیت تک پہنچ گیا، لیکن ابھی نہ تو اس کے گھٹنے قیام کی طرح سیدھے ہوئے تھے اور نہ کمر سیدھی ہوئی تھی، بلکہ نیم قیام کی سی حالت ہی تھی کہ اسے قعدہ یاد آ گیا تو وہ وہیں سے بیٹھ جائے، اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پوری طرح کھڑے ہو جانے تک اسے یاد نہیں آیا اور جب سیدھا کھڑا ہوگیا تو یاد آیا کہ مجھے تو قعدہ کرنا تھا، وہ اب بیٹھے نہیں بلکہ بقیہ نماز مکمل کرے اور تشہّد و درود شریف اور دعا کرنے کے بعد، لیکن سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لے اور پھر سلام پھیر لے۔ جیسا کہ نبیِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابن خزیمہ و مستدرک حاکم، تاریخ دمشق ابن عساکر، ابن حبان، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، شافعی، موطا امام مالک، تاریخ امام بخاری، شرح السنہ بغوی، منتقیٰ ابن الجارود، معانی الآثار طحاوی اور صحیح ابی عوانہ میں حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ، ثُمَّ سَلَّمَ»[1]

''نبی ﷺ نے انھیں ظہر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرنا بھول کر سیدھے کھڑے ہو گئے، لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ جب نماز پوری کر لی اور لوگ سلام پھیرنے کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور پھر (سہو کے) دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔''

اس حدیث کی بعض روایات مثلاً ابن خزیمہ، نسائی اور مستدرک حاکم میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہہ کر نبی ﷺ کو اس بھول پر متنبہ کیا، لیکن آپ ﷺ نہیں بیٹھے، کیوں کہ آپ ﷺ پوری طرح کھڑے ہو چکے تھے۔[2]

جبکہ ابو داود، ابن ماجہ، دارقطنی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَّسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ، فَإِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ...»[3]

''اگر امام دو رکعتوں کے بعد بیٹھے بغیر کھڑا ہونے لگے اور ابھی پوری طرح سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو وہیں سے بیٹھ جائے، لیکن اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کر لے۔''

---

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٣٠٩، و ٣/ ٩٢) صحيح ابن خزيمة (٢/ ١١٥) صحيح ابن حبان ـ الاحسان ـ (٥/ ٢٦٤) سنن البيهقي (٢/ ٣٤٠)
2. ابن خزيمة حواله سابقه وفتح الباري (٣/ ٩٢)
3. سنن أبي داود (١٠٣٦) سنن ابن ماجه (١٢٠٨)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت میں ہے:

«اِذَا اسْتَتَمَّ اَحَدُكُمْ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَاِنْ لَّمْ يَسْتَتِمَّ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ» [1]

''اگر کوئی پوری طرح کھڑا ہو جائے تو نماز پڑھتا رہے اور آخر میں بھول کے دو سجدے کر لے، لیکن اگر وہ پوری طرح کھڑا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور اس پر کوئی سجدۂ سہو نہیں۔''

تیسری رکعت کے لیے اٹھنا اور رفع یدین کرنا:

جب قعدۂ اولیٰ سے فارغ ہو جائیں تو اللہ اکبر کہتے ہوئے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ لیکن ہاتھ باندھنے سے پہلے رفع یدین کرنا یہاں بھی سنت و ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں امام صاحب نے ایک باب یوں قائم کیا ہے:

''باب رفع اليدين إذا قام من الرّكعتين''

''دو رکعتوں سے اٹھنے کے بعد رفع یدین کرنے کا بیان۔''

پھر اس باب کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث لائے ہیں، جو صحیح بخاری کے علاوہ جزء رفع الیدین امام بخاری، سنن ابی داود اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے، جس میں حضرت نافع اور عبیداللہ بن عمر رحمہما اللہ بیان فرماتے ہیں:

«اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَاِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ. وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ» [2]

---

[1] حوالہ جاتِ سابقہ۔

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٢٢) المشكاة مع المرعاة (٢/ ٢٨٩) سنن أبي داود مع العون (٢/ ٤٤٢) سنن النسائي (١/ ١/ ١٥١ مع التعليقات السلفية) ابن خزيمة (١/ ٣٤٤) مشكاة المصابيح بتحقيق الألباني (١/ ٢٤٨) تحقيق زاد المعاد (١/ ٢٤٥) جزء إمام بخاري.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو رفع یدین کرتے، جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے، جب رکوع سے اٹھتے ہوئے ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ“ کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب دو رکعتیں مکمل کر کے اٹھتے تو بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اپنے اس عمل کو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دیا ہے۔‘‘

ایسے ہی جزء رفع الیدین بخاری، ابو داود اور بقول امام منذری سننِ اربعہ نیز مسند احمد، دارقطنی، بیہقی، طحاوی، ابن حبان اور ابن خزیمہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آغازِ نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والی رفع یدین کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

«وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ وَ كَبَّرَ»[1]

’’اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے۔‘‘

یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اسی طرح ابو داود، ترمذی، ابن حبان اور ابن خزیمہ و دارمی میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کرنے والی معروف حدیث میں بھی ہے:

«ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا صَنَعَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ......»[2]

---

1. سنن أبي داوٗد مع العون (٢/ ٤٤٢) فتح الباري (٢/ ٢٢٢) سنن الترمذي مع العون (٢/ ١٠٠۔ ٩/ ٣٨٠ بالإشارة مطولا) مسند أحمد، الفتح الرباني (٣/ ١٦٤) ابن خزيمة (١/ ٢٩٤ و٣٤٤، المرعاة (٢/ ٢٩٠) ابن ماجه (١/ ١٤٣) جزء رفع اليدين إمام بخاري (ص: ٢٩۔ ٣٩) سنن البيهقي (٢/ ٧٤، سنن الدار قطني (١/ ١/ ٢٨٧) التلخيص (١/ ١/ ٢١٩) نصب الراية (١/ ٤١٢)
2. صحيح ابن حبان ۔الاحسان۔ (٥/ ١٨٣) سنن أبي مع العون (٢/ ٤٤٣) مشكاة (١/ ٢٥١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’پھر جب دو رکعتوں کے بعد اٹھے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اسی طرح اٹھایا جس طرح افتتاحِ نماز کے وقت کیا تھا۔‘‘

امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں لکھا ہے:

’’مَا زَادَهُ ابْنُ عُمَرَ وَعَلِيٌّ وَأَبُو حُمَيْدٍ فِي عَشْرَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الرَّفْعِ عِنْدَ الْقِيَامِ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ صَحِيحٌ، لِأَنَّهُمْ لَمْ يَحْكُوا صَلٰوةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا فِيهَا، وَإِنَّمَا زَادَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، وَالزِّيَادَةُ مَقْبُولَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ‘‘[1]

’’حضرت ابن عمر و علی اور ابو حمید رضی اللہ عنہم نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دو رکعتوں کے بعد والی رفع یدین والا جو اضافی جملہ روایت کیا ہے، وہ صحیح ہے، کیوں کہ انھوں نے کسی ایک نماز کی حکایت بیان کر کے اس میں اختلاف نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ایک دوسرے سے زیادہ امور ذکر کیے ہیں اور اہلِ علم کی طرف سے مروی اضافی جملہ مقبول ہوتا ہے۔‘‘

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں:

’’هُوَ سُنَّةٌ وَإِنْ لَّمْ يَذْكُرْهُ الشَّافِعِيُّ فَالْإِسْنَادُ صَحِيحٌ، وَقَدْ قَالَ: قُولُوا بِالسُّنَّةِ وَدَعُوا قَوْلِي‘‘[2]

’’یہ سنت ہے، اگرچہ امام شافعی نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اس کی سند صحیح ہے اور ان کا اپنا قول ہے کہ سنت کے مطابق فتویٰ دو، میرا قول (سنت کے مخالف ہو تو اسے) چھوڑ دو۔‘‘

دورِ حاضر کے فقیہِ اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے ’’فتح الباري‘‘ پر بھی تعلیقات

---

[1] جزء رفع اليدين إمام بخاري، وفتح الباري والمرعاة أيضًا.

[2] فتح الباري (٤/ ٢٢٢)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

میں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے اس قول کو بہت سراہا ہے۔

رفع یدین کا مسئلہ مختلف فیہ تو ضرور ہے، لیکن دلائل کی رو سے یہ سنتِ ثابتہ و غیر منسوخہ ہے، جیسا کہ رکوع سے پہلے اور بعد والی رفع یدین کے ضمن میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

مسبوق کے لیے مقاماتِ رفع یدین:

انھی احادیث کے پیشِ نظر مسبوق (وہ نمازی جو بعد میں آ کر جماعت میں شامل ہوا ہو) جب پہلی رکعت کے نہ پا سکنے کی صورت میں صرف ایک ہی رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ پہلا قعدہ کرے گا تو اس قعدہ سے اٹھ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی رفع یدین کرے، اگرچہ اس کی یہ دوسری رکعت ہے۔ یہ رفع یدین چونکہ قعدہ سے اٹھنے کے بعد ہے اور یہ بھی قعدہ کر کے اٹھا ہے، لہٰذا رفع یدین کرے گا، رکعت چاہے ابھی اس کی دوسری ہی شروع ہو رہی ہے۔

اسی طرح جب امام سلام پھیرے اور مسبوق اٹھ کر بقیہ رکعت یا رکعتیں پڑھنے لگے تو بھی رفع یدین کر کے ہاتھ باندھے۔ یوں اسے چاہے جتنے بھی قعدے کرنے پڑیں، ہر قعدہ کے بعد رفع یدین کرے۔ کبھی مغرب کی تین رکعتوں کے چار قعدے بھی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نمازی اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب کہ امام قعدۂ اولیٰ میں ہے۔ اس نمازی کی رکعت تو ابھی کوئی ہوئی نہیں لیکن قعدہ ایک ہو گیا۔

پھر امام نے تیسری رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کیا تو اس کے دو قعدے ہوئے اور رکعت ایک۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ دوسری رکعت کے لیے اٹھا اور دو رکعتیں پوری کر کے اس نے قعدۂ اولیٰ کی جگہ قعدہ کیا، کیوں کہ ہر دو رکعت کے بعد قعدہ ہے۔ اس طرح اس کی رکعتیں دو اور قعدے تین ہو گئے۔ پھر اس نے تیسری رکعت کے بعد آخری قعدہ کیا تو رکعتیں تین اور قعدے چار ہو گئے۔ غرض قعدۂ اخیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سوا ہر قعدہ سے اٹھنے کے بعد رفع یدین کرے گا۔

مسئلہ رفع یدین کی تفصیلات کا اصل موقع تو رکوع کے مسائل ہیں، جہاں اسے قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور اس موضوع پر ہماری مفصل کتاب بھی شائع ہوچکی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

لیکن چونکہ تیسری رکعت کے لیے ہاتھ باندھنے سے قبل بھی یہ رفع یدین مسنون و ثابت ہے، اس لیے اس کے ثبوت کے طور پر بھی بعض احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔

شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

مسلمانانِ پاک و ہند کے یہاں برابر قابلِ احترام اور معروف پیر شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ جنھیں نہ صرف پیر بلکہ پیرِ پیراں (یا پیرانِ پیر) بھی کہا اور مانا جاتا ہے اور جن کے نام کی گیارھویں بھی پکائی اور بانٹی جاتی ہے، انھوں نے بھی اپنی کتاب "غُنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے: ''نماز میں پچیس ہیئتیں ہیں۔'' پھر انہی میں سے اس رفع یدین کو بھی شمار کیا ہے اور تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ والی، رکوع سے پہلے والی اور رکوع کے بعد والی رفع یدین کا بطورِ خاص تذکرہ کیا ہے۔[1]

ایک افسانہ:

اس موضوع کے آخر میں یہاں آپ کی توجہ اس افسانے کی طرف بھی مبذول کروانا ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے۔ اور وہ یوں کہ رفع یدین کی سنّیت و مشروعیت کو مشکوک بنانے کے لیے کہا جاتا ہے کہ رفع یدین شروعِ اسلام میں اس لیے مشروع ہوئی تھی کہ لوگ اپنی بغلوں میں بت چھپا کر لے آتے تھے اور نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ بات نہ تو قرآنِ کریم میں ہے اور نہ کسی

[1] دیکھیں: غنیۃ الطالبین (ص: ۲۲۔۲۳، عربی، اردو، نفیس اکیڈمی کراچی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے، یہ نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کہی ہے اور نہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔ تابعینِ کرام، تبع تابعینِ عظام اور چاروں ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں سے بھی کسی نے یہ بات نہیں کہی۔ جب ان سب میں سے کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں تو پھر یہ ایک بے سروپا کہانی اور طبع زاد افسانہ ہی ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خود مانعینِ رفع یدین میں سے بھی کسی محقّق عالم کی کتاب یا خطاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا صحیح بخاری شریف جیسی کتب میں وارد احادیث کے مقابلے میں ایسے افسانوں سے دل کو بہلانا اس دَورِ علم و ضیا کے لوگوں کی شان نہیں۔ ویسے بھی ایسے قصے اور کہانیاں مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافی ہیں، کیوں کہ اس طرح تو ان کی نسبت بدظنی کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

پھر یہ بات تو عقلی نقطۂ نظر سے بھی درست نہیں۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص تکبیرِ اولیٰ کے وقت کانوں تک ہاتھ لے جانے کے باوجود اپنی بغلوں میں سے بت گرنے نہیں دیتا تو وہ بعد والے مواقع پر بھی تو وہی تدابیر اختیار کرسکتا ہے جو اُس نے تکبیرِ تحریمہ کے وقت اختیار کی تھیں۔

اگر چھپا کر لانے والی بات مان لی جائے تو نبی ﷺ کو عالمِ غیب ماننے والوں کے اس نظریے کا محل بھی مسمار اور زمین بوس ہوجاتا ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس مسئلے میں دیگر کئی مسائل کی طرح ائمہ کرام کے مابین عہدِ قدیم سے اختلافِ رائے چلا آ رہا ہے، مگر ان میں سے کسی کے یہاں بھی ایسے ''پادر ہوا'' دلائل کی مثال نہیں ملتی۔

تیسری رکعت:

بہرحال اب تیسری رکعت کو یوں مکمل کریں کہ تعوّذ وتسمیہ یا صرف ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھ کر سورۃ الفاتحہ پڑھیں۔ چار سنتیں یا نفل ہوں تو ان چاروں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہی رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ دوسری کوئی سورت بھی پڑھی جاتی ہے، جبکہ فرضوں کا معاملہ ان سے کچھ مختلف ہے۔ مغرب کی تیسری اور ظہر و عصر اور عشا کی چوتھی رکعت میں صرف سورۃ الفاتحہ ہی پڑھی جاتی ہے، ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ یا دوسری کوئی سورت نہیں ملائی جاتی، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داود، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ (وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: وَالْعَصْرِ) فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ... الخ»[1]

''نبی ﷺ نمازِ ظہر (اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: اور نمازِ عصر) میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور دوسری کوئی دو سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ ہی پڑھتے تھے۔''

سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»[2]

''ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر میں پہلی دو میں سے ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی سورت اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھا کرتے تھے۔''

طبرانی اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسے ہی مرفوعاً مروی ہے۔[3]

---

[1] المنتقیٰ مع النیل (٢/ ٣/ ٦٤) زاد المعاد (١/ ٢٤٧) نصب الریة (١/ ٤٢٢)

[2] صححه في الإرواء (٢/ ٢٨٨)

[3] انظر: نصب الراية (١/ ٤٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع وسجود:

اب تیسری رکعت کے قیام سے فارغ ہو کر حسبِ سابق رفع یدین کرتے ہوئے رکوع جائیں، قومہ کریں اور پھر سجود کریں۔ اس طرح آپ کی تین رکعتیں مکمل ہو گئیں۔ اگر نمازِ مغرب پڑھ رہے ہیں تو تشہّدِ ثانی کے لیے بیٹھ جائیں، جس کا طریقہ تشہّدِ اوّل یا قعدۂ اولیٰ کی طرح ہی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ آخری تشہّدِ میں تورّک کرنا یعنی بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھنے کی بجائے اس کو دائیں پنڈلی کے نیچے لانا اور بائیں سرین کے بل بیٹھنا ہے۔ یہ احادیث سے ثابت ہے، جس کی تفصیل بھی تھوڑا آگے چل کر ہم ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

دعائے قنوت:

اگر کوئی وتر پڑھ رہا ہو تو تیسری رکعت میں صحیح تر احادیث کی رو سے رکوع جانے سے قبل یا بعض روایات کے پیشِ نظر رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں دعائے قنوت کی جاتی ہے۔ نمازِ وتر چونکہ الگ تھلگ ایک مستقل موضوع ہے، لہٰذا یہاں ہم اس کی تفصیل سے قطع نظر کر رہے ہیں۔ نمازِ وتر اور تہجد سے متعلقہ تفصیلات اپنے مقام پر آئیں گی۔ إن شاء اللّٰہ۔ غرض اس طرح رکوع وسجود، تشہّد و درود شریف اور دعا کے بعد سلام پھیر لیں۔

جلسۂ استراحت:

اگر کوئی نمازی چار رکعتوں والی نماز پڑھ رہا ہو تو تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد قعدہ کرنے کی بجائے چوتھی رکعت کا آغاز کر دے، لیکن سجدوں کے بعد سیدھے کھڑے ہو جانے کے بجائے ایک مرتبہ لمحہ بھر کے لیے بیٹھ جائے، جسے ''جلسۂ استراحت'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مشروعیت وسنّیت کے بارے میں دوسری رکعت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسائل کے ضمن میں قدرے تفصیل سے بحث گزر چکی ہے، لہٰذا یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

چوتھی رکعت:

اس جلسۂ استراحت کے بعد کھڑے ہو جائیں اور ہاتھ باندھ کر تعوّذ و تسمیہ یا صرف " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم" اور سورۃ الفاتحہ پڑھیں۔

کبھی کبھی تیسری اور چوتھی رکعت میں جوازِ قراءت:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کرتے جائیں کہ بعض اوقات نبی ﷺ تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کچھ قراءت فرما لیا کرتے تھے، جیسا کہ بعض احادیث سے اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، ابو داود، نسائی، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں مختلف طُرق سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الظُّهْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ (فِي كُلِّ رَكْعَةٍ) قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ آيَةً وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ قِرَاءَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ آيَةً، أَوْ قَالَ: نِصْفَ ذٰلِكَ...... الخ»[1]

"نبی ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو میں سے ہر رکعت میں تیس کے قریب آیات پڑھتے تھے اور آخری دو میں سے ہر رکعت میں اس کا نصف یا پندرہ آیات کے برابر تلاوت کرتے تھے۔"

اس حدیث سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں جو تیس تیس آیات کی قراءت ہے اور آخری دو میں اس کا نصف یعنی پندرہ پندرہ آیات کی، جبکہ سورۃ الفاتحہ کی کل سات ہی آیتیں ہیں۔ یہ چیز اس بات کا پتا دیتی ہے کہ آپ ﷺ

[1] المنتقیٰ مع النيل (٢/ ٣/ ٦٦) صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٥٦) سبل السلام (١/ ١/ ١٧٥) تحفة الأحوذي (٢/ ٢١٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخری دو رکعتوں میں بھی سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کچھ قراءت فرما لیا کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پندرہ آیات کیسے بنتیں؟ یہ حدیث آخری دو رکعتوں میں بھی قراءت کے جواز کا پتا دیتی ہے۔ جبکہ صحیح مسلم، ابو داود اور مسند احمد میں ہی ایک اور روایت یا حدیث ہے جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنَّا نَحرِزُ قِيَامَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الظُّهرِ وَالْعَصرِ فَحَرَزْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُولَيَيْنِ فِي الظُّهرِ قَدرَ: الٓمّٓ تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ وَفِي الْاُخرَيَيْنِ قَدرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ...... الخ»[1]

”ہم نبی ﷺ کی نماز ظہر و عصر کی قراءت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں کا اندازہ سورۃ السجدۃ کے برابر لگایا اور آخری دو رکعتوں میں اس کا نصف۔“

اس حدیث سے بھی پہلی حدیث کی طرح ہی استدلال کیا جاتا ہے، کیوں کہ سورۃ السجدہ کی تیس آیات ہیں۔ پہلی دو رکعتوں میں جب تیس تیس آیات ہوں گی تو آخری دو میں پندرہ پندرہ، اور یہ سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کچھ مزید قراءت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق و ابن عمر اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، امام شافعی و احمد بن حنبل، علامہ ابن قیم، شوکانی، علامہ صنعانی، البانی، عبد الحی لکھنوی، ابراہیم حلبی اور ابن امیر الحاج کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہی ہے۔[2]

---

[1] مسند أحمد (٣/ ٢) صحيح مسلم (٢/ ٤) سنن أبي داود مع العون بلوغ المرام مع السبل (١/ ١/ ١٧٤) زاد المعاد (١/ ٢٤٦)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: زاد المعاد (١/ ٢٤٦ـ٢٤٧) المغني (١/ ٥٠١) سبل السلام (١/ ٧٥) نيل الأوطار (٣/ ٦٦) التعليق الممجد (ص: ١٠٤) صفه الصلاة (ص: ٦١) فقه الصلاة (٣/ ٥٩٦ـ ٦٠٦) ماہنامہ ”محدث“ بنارس (ج ۱۵، شمارہ ۵)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رکوع:

قیامِ سے فارغ ہو کر رفع یدین کرتے ہوئے رکوع کر لیں۔

قنوتِ نازلہ:

یہاں اس بات کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرواتے جائیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ناگہانی آفات، سخت حالات، ہنگامی مصائب اور مظالم و مشکلات میں اگر کسی کے لیے پُر زور دعا یا بددعا کرنا ہوتی تو آپ ﷺ پانچوں ہی فرض نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع سے اُٹھ کر ﴿ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ... الخ﴾ کے بعد ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا یا بددعا کرتے اور آپ ﷺ کے مقتدی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آمین کہتے تھے۔ ان خاص حالاتِ دُعا و بد دعا کے علاوہ عام ایام میں آپ ﷺ سے قنوتِ نازلہ ثابت نہیں ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ جن احادیث میں ہے، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حالات و مقامِ قنوت:

1 پہلی حدیث صحیح بخاری و مسلم اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

﴿قَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلٰى رِعْلٍ وَ ذَكْوَانَ﴾[1]

”نبی ﷺ نے پورا ایک مہینہ قنوتِ نازلہ فرمائی اور قبائل رعل و ذکوان کے خلاف بددعا کرتے رہے۔“

2 حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی صحیحین کی دوسری حدیث میں عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ: قَدْ كَانَ

[1] صحيح البخاري (٢/ ٤٩٠) كتاب الجمعة باب القنوت قبل الركوع وبعده.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الْقُنُوتُ، قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ اَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قُلْتُ: فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ اَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ، اِنَّمَا قَنَتَ الرَّسُولُ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا أَرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلاً اِلٰى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ دُونَ اُولٰٓئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ»[1]

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: قنوتِ نازلہ کی جاتی تھی۔ میں نے عرض کیا: رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ فرمایا: پہلے۔ میں نے عرض کیا: فلاں شخص کہتا ہے کہ آپ رکوع کے بعد دعا کرنے کا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا: اُس نے غلط کہا ہے، نبی ﷺ نے پورا ایک مہینا رکوع کے بعد دعا کی، کیوں کہ نبی ﷺ نے مشرکین کی ایک قوم کی طرف ستّر کے قریب قاری (برائے تعلیم) بھیجے۔ (انھوں نے ان سب کو قتل کر دیا) حالانکہ ان کے اور نبی ﷺ کے مابین معاہدہ بھی تھا، تو ان کے خلاف پورا مہینا نبی ﷺ نے بددعا کی۔''

3 سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ فجر میں قنوت کا مقام کون سا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: «كُنَّا نَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ»[2]

''ہم رکوع سے پہلے اور بعد میں بھی دعائے قنوت مانگا کرتے تھے۔''

4 امام ابن منذر رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت بیان کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

---

1 صحيح البخاري، رقم الحديث (٩٤٦)

2 صحيح ابن ماجه للألباني (١/ ١٩٥) وقوّاه الحافظ في الفتح (٢/ ٤٩١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَنَتُوا فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْضُهُمْ بَعْدَ الرُّكُوعِ ﴾[1]

''نبی ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فجر میں رکوع سے پہلے اور بعض نے رکوع کے بعد قنوت کی دعا مانگی۔''

5 قیام اللیل مروزی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ جَعَلَ الْقُنُوتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ ... اَيْ دَائِمًا... عُثْمَانُ، لِكَيْ يُدْرِكَ النَّاسُ الرَّكْعَةَ ﴾[2]

''رکوع سے پہلے (ہمیشہ) قنوت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی، تاکہ لوگ اس رکعت کو پاسکیں۔''

6 صحیح بخاری کتاب المغازی میں ہے:

﴿ سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسًا عَنِ الْقُنُوتِ، أَبَعْدَ الرُّكُوعِ أَوْ عِنْدَ فِرَاغٍ مِنَ الْقِرَاءَةِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ عِنْدَ فِرَاغٍ مِنَ الْقِرَاءَةِ ﴾[2]

''ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ یہ رکوع کے بعد ہے یا قراءت سے فارغ ہوتے ہی رکوع سے پہلے ہے؟ انھوں نے کہا: قراءت سے فارغ ہوتے ہی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناگہانی آفت، ہنگامی صورت اور مصائب و مشکلات کی شکل میں جو دعا ''قنوتِ نازلہ'' کی شکل میں مانگی جاتی ہے، اس کا مقام رکوع کے بعد قومہ میں ہے۔ البتہ عام حالات

1 فتح الباري (٢/ ٤٩١)

2 أيضًا.

3 صحيح البخاري، كتاب المغازي (٧/ ٣٨٥)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میں جو دعائے قنوتِ وتر کی جاتی ہے، وہ رکوع سے پہلے بھی صحیح و ثابت ہے، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کے بارے میں بھی قبل و بعد دونوں طرح کا عمل موجود تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

”وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ مِنَ الْاِخْتِلَافِ الْمُبَاحِ“[1]

”یہ جائز و مباح اختلاف میں سے ہے۔“

سجود:

رکوع سے فارغ ہوں اور عام حالات ہوں، قنوتِ نازلہ نہ کرنی ہو، تو (رفع یدین کرتے ہوئے) رکوع سے اٹھیں اور قومہ کے ذکر سے فارغ ہوں تو سیدھے سجدے میں چلے جائیں اور دو سجدے کریں۔ قومہ سے سجدہ جاتے وقت پہلے زمین پر ہاتھ رکھیں اور پھر ساتھ ہی گھٹنے، جیسا کہ پہلی رکعت کے ضمن میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

قعدۂ اخیرہ:

دونوں سجدوں سے فارغ ہوں تو بیٹھ جائیں۔ اس بیٹھنے کو قعدۂ اخیرہ یا تشہّدِ اخیر کہا جاتا ہے اور اس قعدہ کی کیفیت تقریباً وہی ہے جو قعدۂ اولیٰ یا تشہّدِ اوّل کے ضمن میں بالتفصیل ذکر کی جا چکی ہے سوائے تورّک کے۔

تورّک کے طریقے:

تورّک کے بارے میں واردہ احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں تورّک کے تین طریقے ذکر کیے ہیں اور تینوں کو احادیث سے ثابت کیا ہے:

پہلا طریقہ:

ان میں سے پہلا طریقہ اس حدیث میں ہے جو صحیح بخاری، ابو داود، ترمذی،

[1] فتح الباري (٢/ ٤٩١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ، مسند احمد، اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جبکہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ بتا رہے تھے، صحیح بخاری شریف ”كتاب الأذان باب سنة الجلوس في التشهد“ کی حدیث میں وہ بیان کرتے ہیں:

« ... فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ »[1]

”...پھر جب آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد درمیانے تشہّد کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کیے رکھا۔ پھر جب آخری رکعت کے بعد قعدہ کیا تو بائیں پاؤں کو آگے گزار دیا اور دائیں کو کھڑا رکھا اور سرین کے بل بیٹھے۔“

دوسرا طریقہ:

تورّک کا دوسرا طریقہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ ابو داود، نسائی، بیہقی، ابن خزیمہ و مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

« وَإِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى، وَإِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ أَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ »[2]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٠٥) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٢٤٩، ٢٥٢) زاد المعاد (١/ ٢٥٣) مشكاة (١/ ٢٤٨ للألباني) سنن أبي داود مع العون (٣/ ٢٤٢ـ ٢٤٣)

[2] سنن النسائي (١/ ١/ ١٤٨) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٣٠٥) و بتحقيق الألباني (١/ ٢٥٠) التحفة (٢/ ١٨٠) زاد المعاد (١/ ٢٥٢، قوّاه الأرناؤوط لطرقه) مسند أحمد (٥/ ٤٢٤) ابن خزيمة (١/ ٣٤٧) وعزاه إلى البخاري، كتاب الأذا (١٤٥) الموارد، رقم الحديث (٤٩١) سنن البيهقي.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”جب دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرتے تو بائیں پاؤں (کو موڑ کر اُس) پر بیٹھتے اور دائیں کو کھڑا رکھتے، پھر جب چوتھی رکعت (آخری) ہوتی تو بائیں سرین پر بیٹھتے اور دونوں قدموں کو ایک (دائیں) طرف نکال دیتے تھے۔“

تیسرا طریقہ:

تورّک کا تیسرا طریقہ صحیح مسلم و ابوعوانہ، ابوداود، نسائی اور دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث میں ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ فِي الصَّلٰوةِ جَعَلَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى بَيْنَ فَخِذِهٖ وَسَاقِهٖ وَفَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى... الخ»[1]

”نبی ﷺ جب آخری قعدہ کرتے تو اپنے بائیں پاؤں کو دائیں ران اور پنڈلی کے درمیان کر دیتے اور دایاں پاؤں بھی بچھا لیتے تھے۔“

جبکہ ان تینوں میں سے معروف طریقہ وہی ہے جو صحیح بخاری اور دیگر کتب کے حوالے سے ہم نے پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے۔

جزئیات میں اختلافِ رائے:

امام احمد، مالک اور شافعی رحمہم اللہ سمیت (سوائے احناف کے) جمہور اہلِ علم اس تورّک کی مشروعیت بلکہ سنّیت کے قائل ہیں، البتہ جزئیات میں کچھ اختلاف ہے۔

مانعینِ تورّک:

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور فقہائے احناف کے نزدیک بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھنا ہی افضل ہے۔

[1] صحیح مسلم (٣/ ٥/ ٧٩) سنن أبي داود (٣/ ٢٧٨) سنن النسائي (١/ ١/ ١٤٩) زاد المعاد (١/ ٢٥٣) المغني (١/ ٤٧١) ابن خزيمة (٢/ ٢٢٥) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٤٦٩) صفة الصلاة (ص: ١٠٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تین یا چار رکعتوں والی نماز کے دونوں ہی قعدوں میں اور دو رکعتوں والی نماز کے قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اُس کے اوپر ہی بیٹھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک یہی افضل ہے۔ ان کے یہاں تورّک ثابت ہی نہیں اور اگر ثابت ہے تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضعف و کمزوری کے ایام پر محمول کیا جاتا ہے۔

احناف کے دلائل:

ان کا استدلال ان احادیث سے ہے:

1 پہلی حدیث تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داود، سنن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، سنن سعید بن منصور اور معانی الآثار طحاوی میں مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

”فَلَمَّا جَلَسَ ـ يَعْنِيْ ـ لِلتَّشَهُّدِ، اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى ـ يَعْنِيْ ـ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى، وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى“[1]

”پھر جب تشہّد کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا۔“

سنن سعید بن منصور میں ہے:

«فَلَمَّا قَعَدَ وَتَشَهَّدَ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى»[2]

”پھر جب تشہّد کے لیے قعدہ کیا تو بائیں پاؤں کو بچھا لیا۔“

جواب:

اس حدیث میں یہ تو واقعی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں پاؤں کو بچھایا اور

1 سنن أبي داوٗد (٢/ ٢٣٦) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١٧٧) سنن النسائي (١/ ١/ ١٤٨ـ ١٤٩ مع التعليقات السلفية)

2 التحفة (٢/ ١٨٠) العون (٣/ ٢٤٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دائیں کو کھڑے رکھا۔ لیکن یہ حالت کس قعدہ میں تھی؟ اس کا ذکر نہیں ہے۔ نہ پہلے کا ذکر ہے نہ دوسرے کا۔ گویا یہ ایک مطلق حدیث ہے، جبکہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری اور دیگر کتب والی حدیث مقیّد ہے۔ اس میں پہلے قعدہ اور دوسرے قعدہ کا باقاعدہ تذکرہ اور دونوں میں الگ الگ انداز سے بیٹھنے کا ذکر وارد ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی اس مطلق حدیث کو حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی مقیّد حدیث پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس میں قعدۂ اولیٰ کا ذکر وارد ہوا ہے۔ اس بات کی تائید سنن نسائی میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

((وَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ اضْطَجَعَ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى))[1]

''اور جب دو رکعتوں کے بعد قعدہ کیا تو بائیں پاؤں کو بچھا لیا اور دائیں کو کھڑا کر لیا۔''

ان الفاظ سے واضح ہو گیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث سے مراد پہلا قعدہ ہے نہ کہ دونوں قعدے۔ اسی طرح دونوں طرح کی حدیثیں یکجا معمول بہٖ بھی ہو جاتی ہیں اور ان کے مابین مطابقت پیدا ہو جاتی ہے، جو یہاں ضروری بھی ہے، تاکہ ان کے مابین پیدا ہونے والا تعارض ختم کیا جا سکے۔

2 اسی طرح صحیح مسلم، ابی عوانہ، ابو داود، ابن ماجہ، بیہقی، طیالسی، ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں مروی اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے ان الفاظ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جن میں وہ فرماتی ہیں:

((وَكَانَ يَقُوْلُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ... الخ))[2]

---

1 سنن النسائي (١/ ١/ ١٣٦)

2 صحيح مسلم مع النووي (٢/ ٤/ ٢١٣) الإرواء (٢/ ٢٠ ـ ٢١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''آپ ﷺ ہر دو رکعتوں کے بعد ''التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ...'' پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ بائیں پاؤں کو بچھا لیتے اور دائیں کو کھڑا کر لیتے اور عقبۂ شیطان (دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ایڑیاں ملا کر ان کے اوپر بیٹھنے) سے منع فرماتے تھے۔''

علامہ ابن الترکمانی نے اس حدیث سے بھی دونوں ہی قعدوں میں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنے کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔ جبکہ اس حدیث میں وارد اطلاق سے تو واقعی اس کا پتا چلتا ہے۔

پہلا جواب:

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے، جس میں تورّک وارد ہوا ہے، دوسری طرف یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے، جس سے بظاہر دونوں ہی قعدوں میں افتراش کا پتا چلتا ہے، ایسے میں ان دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس حدیث کو تشہّدِ اوّل یا قعدۂ اولیٰ پر محمول کیا جائے۔ ان دونوں حدیثوں کو یکجا و بیک وقت قابلِ عمل بنانے کے لیے یہ ضروری بھی ہے، تاکہ کسی ایک صحیح حدیث کو بلا وجہ ترک کرنے کا ارتکاب کرنے کی نوبت نہ آنے پائے، جبکہ نسخ کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرا جواب:

اس کا دوسرا جواب اصولِ حدیث کی رو سے یہ بھی دیا جاتا ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب والی حدیث تورّک کے ثبوت کے لیے ایک نص صریح ہے، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث تورّک کی نفی میں نص نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ظاہر تورّک کی نفی پر دلالت کرتا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ایسی صورت میں اصولی قاعدہ یہ ہے:

"النَّصُّ مُقَدَّمٌ عَلَى الظَّاهِرِ عِنْدَ التَّعَارُضِ" [1]

"جب ظاہر اور نص میں تعارض ہو جائے تو نص مقدّم ہوگی۔"

لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں سے تورّک کے اثبات والی نص تورّک کی نفی کرنے والے ظاہری مفہوم سے مقدّم ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ افتراش والی یہ حدیث مبہم ہے اور تورّک والی حدیثِ ابو حمید رضی اللہ عنہ مفصّل ہے:

"فَلْيُحْمَلُ الْمُبْهَمُ عَلَى الْمُفَصَّلِ" [2]

"پس مبہم کو مفصّل پر محمول کیا جائے گا۔"

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: افتراش کے بارے میں احادیث مطلق ہیں، جبکہ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ والی حدیث میں قید ہے کہ پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے یا آخری میں تورّک ہے:

"فَوَجَبَ حَمْلُ ذٰلِكَ الْمُجْمَلِ عَلَيْهِ" [3]

"لہٰذا اس مجمل کو اس (مفصّل) پر محمول کرنا ضروری ہو گیا۔"

3 افتراش کی افضلیت پر بخاری، شرح السنہ و سنن نسائی، دارقطنی، ابن ابی شیبہ اور موطأ امام مالک میں مروی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ أَنْ تَنْصِبَ الْقَدَمَ الْيُمْنٰى وَاسْتِقْبَالُهُ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ، وَالْجُلُوسُ عَلَى الْيُسْرٰى» [4]

---

1 تحفة الأحوذي (٢/ ١٧٩)

2 عون المعبود (٣/ ٢٤٩)

3 شرح النووي (٣/ ٥/ ٨١)

4 سنن أبي داوٗد، سنن النسائي، شرح السنة والإرواء، حوالہ جات سابقہ، الفتح و التحفة.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھیں اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اُس پر بیٹھیں۔“

جواب:

یہ حدیث بھی اس مسئلے میں دلیل نہیں بن سکتی۔ کیوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری حدیث موطا امام مالک میں بھی مروی ہے، جس میں تورّک کا ذکر یوں آیا ہے کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے لوگوں کو نماز پڑھتے وقت قعدہ کا طریقہ دکھایا:

« فَنَصَبَ رِجلَهُ الْيُمْنٰى وَثَنّٰى رِجلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلَى وَرِكِهِ الْأَيْسَرِ وَلَمْ يَجلِسْ عَلٰى قَدَمِهٖ »[1]

”انھوں نے دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بایاں پاؤں بچھایا اور بائیں سرین پر بیٹھے، بائیں قدم پر نہیں بیٹھے۔“

گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ان دو طرح کی احادیث میں باہم اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے، لہٰذا اسے ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نسائی والی حدیث کو قعدۂ اولیٰ پر اور موطا والی حدیث کو قعدۂ ثانیہ پر محمول کیا جائے، لہٰذا دونوں قعدوں ہی میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنے کی افضلیت اس سے بھی ثابت نہ ہوئی، کیوں کہ یہ اور اس موضوع کی دوسری احادیث اپنے موضوع میں مبہم ہیں، جبکہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی حدیث مفصّل ہے۔ فَلْيُحمَلِ الْمُبْهَمُ عَلَى الْمُفَصَّلِ.

علامہ عبدالحی لکھنوی کا فیصلہ:

اس سلسلے میں کبار علمائے احناف میں سے علامہ عبدالحی لکھنوی کا منصفانہ فیصلہ بھی سنتے جائیے۔ چنانچہ وہ ”التعليق المُمجّد علىٰ موطأ الإمام محمد“ میں

[1] مؤطا مع الزرقاني (١/ ١٨٥) و مع تنوير الحوالك (١/ ١/ ١١٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امام طحاوی رحمہ اللہ کے حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ والی حدیثِ تورّک کو ضعیف کہنے کا رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قاسم بن قطلوبغا نے اپنے رسالے ''الأسوس في کیفیة الجلوس'' میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے مسلکِ افتراش کا ثبوت کئی احادیث میں ہے۔''

پھر آگے انھوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث، اسی طرح سنن سعید بن منصور و طحاوی میں مروی حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ، ابو داود و مسند احمد میں مروی اچھی طرح سے نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کے واقعہ والی حدیث اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث (جو قاسم نے اپنے رسالے میں نقل کی ہیں اور ہم بھی ان میں سے بعض ذکر کر چکے ہیں) انھیں نقل کرنے کے بعد علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

''ذہین و فطین آدمی سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ روایات اور انھی جیسی دوسری روایات ہمارے مذہب پر صراحت کے ساتھ دلالت نہیں کرتیں، بلکہ ان میں دوسرا احتمال بھی پایا جاتا ہے اور جو کوئی صریح دال ہے، وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا ہر قعدہ کے لیے ہے، جیسا کہ (ہمارے احناف کا) دعویٰ ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھنے کے سنت ہونے کا پتا دینے والی کوئی ایک بھی صریح حدیث نہیں پائی جاتی، جبکہ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ والی حدیث مفصّل ہے۔ لہٰذا مبہم کو مفصّل پر محمول کیا جائے گا۔''[1]

غرض نہ تو دونوں قعدوں میں تورّک صحیح و صریح و غیر معارض دلیل سے ثابت ہے نہ افتراش ہی، بلکہ قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ یا اخیرہ میں تورّک مسنون و افضل ہے۔ اسے ہی کبار محدّثین کرام رحمہم اللہ نے ترجیح دی ہے۔

---

[1] التعلیق الممجد (ص: ۱۱۳) و تحفة الأحوذي (۲/ ۱۸۰)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بوقتِ تورّک بائیں ہتھیلی کی کیفیت:

تورّک کی شکل میں عام قعدہ یا افتراش کی نسبت معمولی سا فرق ہے۔ وہ یوں کہ بائیں ہاتھ کا پنجہ اس طرح گھٹنے پر ہوگا، گویا گھٹنے کو اوپر سے پکڑا ہوا ہے اور اسی کی طرف مائل رہیں، گویا اپنا بالائی بوجھ بھی اس پر ہی ڈالا ہوا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم و ابی عوانہ، ابو داود، نسائی اور دارقطنی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((... کَانَ یُلْقِمُ کَفَّهُ الْیُسْرٰی رُکْبَتَهٗ وَیَتَحَامَلُ عَلَیْهَا))[1]

”نبی ﷺ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں گھٹنے کو پکڑ کر رکھتے اور اس کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔“

رکنیتِ قعدۂ اخیرہ اور وجوبِ تشہّدِ اخیر:

یہ دوسرا تشہّد اور اس کے لیے قعدہ کرنا واجب، بلکہ نماز کا رکن ہے جس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ تشہّد کو حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہم حضرت حسن بصری، امام احمد و امام شافعی رحمہما اللہ اور ان کے موافقین اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے واجب کہا ہے اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اِخفائے تشہّد:

قعدۂ اخیرہ میں جو تشہّد وغیرہ پڑھا جاتا ہے، وہ امام و مقتدی اور منفرد سب کے لیے سرّی و جہری ہر نماز ہی میں بلا آواز پڑھنا مسنون ہے، جس کے دلائل بھی قعدۂ اولیٰ یا تشہّدِ اوّل کے ضمن میں ذکر کیے جاچکے ہیں۔

بسم اللہ کے بغیر:

قعدۂ اولیٰ ہو یا اخیرہ، اس میں تشہّد و التحیّات شروع کرنے سے پہلے بعض

[1] صحیح مسلم (۳/ ۵/ ۷۹، ۸۰) صفة الصلاة (ص: ۱۰۸)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو بسم اللہ پڑھتے سنا گیا ہے، حالانکہ التحیّات سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کا پتا چلتا ہے کہ بیٹھتے ہی ”التّحیّات للّٰہ“ سے تشہّد شروع کر دیا جائے۔ اس کے دلائل بھی بالتفصیل قعدۂ اولی کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

قعدۂ ثانیہ میں تشہّد:

قعدۂ ثانیہ میں بھی تشہّد وہی ہے جو قعدۂ اولیٰ میں ہے۔

انگلی اٹھانا:

تشہّد کے وقت دائیں ہاتھ کی کیفیّات کا پتا دینے والی احادیث ہی میں یہ بات بھی وارد ہے کہ نبی ﷺ انگشتِ شہادت کو اٹھاتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ انگلی کو ہلاتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلے کو بھی دیگر مسائل کی طرح قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دیا جائے کہ انگلی کو کیسے، کب اور کب تک اٹھانا یا اٹھائے رکھنا چاہیے یا اٹھاتے گراتے رہنا چاہیے؟

انگلی اٹھانے کی مشروعیت:

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تشہّد میں نبی ﷺ سے دائیں ہاتھ کی انگلی کو اٹھانا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے اور ان میں سے کئی احادیث ہم قعدۂ اولیٰ میں دائیں ہاتھ کی مختلف کیفیّات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں، لہٰذا یہاں ہم ان احادیث کے صرف متعلقہ الفاظ دوبارہ ذکر کر رہے ہیں، تاکہ اس مسئلے کی وضاحت ہو جائے:

پہلی حدیث:

ان میں سے پہلی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس کے وسط و آخر میں ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

«كَانَ... اِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ... عَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِينَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ»[1]

''آپ ﷺ جب تشہد کے لیے بیٹھتے......تو انگلیوں سے ترپّن (۵۳) کا عدد بناتے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔''

دوسری حدیث:

صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابن خزیمہ، ابی عوانہ، بیہقی، مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

«كَانَ اِذَا جَلَسَ... رَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا»[2]

''آپ ﷺ جب قعدہ کرتے...تو دائیں ہاتھ کی، انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور اُس وقت دعا مانگ رہے ہوتے۔''

تیسری حدیث:

تیسری حدیث ابو داود و ترمذی، نسائی و ابن ماجہ، ابن حبان، دارمی، ابن خزیمہ، مسند احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«ثُمَّ جَلَسَ... وَحَلَّقَ حَلْقَةً... ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا»[3]

---

[1] صحيح مسلم (۳/ ۵/ ۸۰) مشكاة (۲/ ٤٦٦، ٤٦٨)

[2] حوالہ جاتِ سابقہ و سنن البيهقي (۲/ ۱۳۰) ابن خزيمة (۱/ ۳۵۵) أبي عوانة (۲/ ۲۲۵) مسند أحمد (۲/ ۱٤۷)

[3] سنن البيهقي (۲/ ۱۳۲) صحيح ابن حبان۔ الموارد (۱۵/ ٤) والإحسان (۵/ ۱۷۰) مشكاة (۱/ ۲۸۷) وصححه الألباني و محققو، زاد المعاد (۱/ ۲۵۵) المنتقىٰ مع النيل (۲/ ۳/ ۱۳۵) مشكاة مع المرعاة (۲/ ٤۷۸، ٤۷۹) ابن خزيمة (۱/ ۳۵٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے ...اور ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنایا... پھر آپ ﷺ نے انگلی اٹھائی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اسے ہلا رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔“

چوتھی حدیث:

صحیح مسلم و نسائی، مسند احمد اور بعض دیگر کتب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«كَانَ اِذَا جَلَسَ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ اَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ [فَدَعٰى بِهَا]»[1]

”آپ ﷺ جب بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے اور اس کی انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے (اور دعا مانگتے)۔“

پانچویں حدیث:

صحیح مسلم، بیہقی و سنن دارقطنی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

«... كَانَ... اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ... اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى»[2]

”...آپ ﷺ جب دعا کے لیے بیٹھتے ...تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔“

---

[1] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٨٠) المنتقىٰ (٢/ ٣/ ١٣٦، ١٣٧) مشكاة المصابيح (١/ ٢٨٥) و المشكاة مع المرعاة (٢/ ٤٦٨)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٧٩، ٨٠) مشكاة (٢/ ٤٦٨، ٤٦٩) سنن البيهقي (٢/ ١٣١) مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٢٣٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چھٹی حدیث:

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے:

«... كَانَ... إِذَا قَعَدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ» [1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔''

ان تمام احادیث سے جو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ قعدہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے اشارہ کرتے، اسے اٹھاتے اور اسے ہلاتے تھے، کیوں کہ ''رَفَعَ''، ''أَشَارَ'' اور ''يُحَرِّكُ'' تینوں الفاظ واضح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم از کم اس اشارے کی مشروعیت پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ (سوائے حنفی بریلوی گروپ کے) البتہ اس کے انداز اور موقع و محل کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، جس کا تذکرہ آگے چل کر آئے گا۔

متفق علیہا سنت:

سابقہ چھے احادیث کی بنا پر ائمہ اربعہ سمیت تمام فقہا و محدّثین اور اہلِ علم اس کے قائل ہیں۔

اب ایسی سنت جس پر ائمہ اربعہ، متقدّمین فقہائے مذاہبِ اربعہ اور تمام محدّثین وعلمائے حدیث کا اتفاق ہے، ایسی سنت سے نفرت کرنا، اسے اپنانے والوں سے نفرت کرنا اور لوگوں کو اُن سے متنفّر کرنے کی سعی کرنا کس طرح عقل مندی ہوسکتی ہے!

لوہے سے بھی سخت اور شیطان کو رلا دینے والی چیز:

اس سنت سے تو صرف شیطانِ لعین کو تکلیف ہوتی ہے، مسلمان کو نہیں،

[1] صحيح مسلم، أيضًا و النيل (٢/ ٣/ ١٣٦)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ مسند احمد و بزار، بیہقی، سنن عبدالغنی مقدسی، مسند الرویانی و آمالی ابو جعفر بختری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ)) [1]

''یہ تو شیطان کے لیے لوہے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے۔''

گویا یہ رفعِ سبابہ یا انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا شیطان کے خطرناک حملوں سے بچنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نسخۂ کیمیا کے طور پر بتایا ہے۔ نیز مسند حمیدی و ابو یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

((... وَهِيَ نُذْبَةُ الشَّيْطَانِ لَا يَسْهُوْ أَحَدٌ وَهُوَ يَقُوْلُ هٰكَذَا)) [2]

''یہ شیطان کو رلانے کا ہتھیار ہے اور جب تک کوئی ایسا کرتا رہے، اس سے سہو کا صدور نہیں ہوتا۔''

امام حمیدی رحمہ اللہ نے انگلی کھڑی کر کے سمجھایا کہ یوں کرنا ہے۔

سنتِ انبیاء علیہم السلام:

مسند حمیدی میں امام صاحب مزید فرماتے ہیں کہ مسلم ابو مریم نے کہا ہے:

((حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ أَنَّهُ رَأَى الْأَنْبِيَاءَ مُمَثِّلِيْنَ فِيْ كَنِيْسَةٍ فِي الشَّامِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ قَائِلِيْنَ هٰكَذَا وَ نَصَبَ الْحُمَيْدِيُّ إِصْبَعَهُ)) [3]

''مجھے ایک آدمی نے بتایا ہے کہ اس نے شام کی ایک عبادت گاہ میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو دیکھا جو یوں کیے ہوئے تھے، پھر امام حمیدی نے

---

[1] مسند أحمد (٢/ ١١٩) مشكاة (١/ ٢٨٩) وحسنه الألباني وصفة الصلاة (ص: ٩٤)

[2] مسند الحميدي (ص: ١٨٣) بتحقيق خالد گھرجاكھی، مسند أبو يعلى (٢٧٥) مجمع الزوائد (١/ ١/ ١٤٠) وصححه الألباني في صفة الصلاة (ص: ٩٣) والتعليق الممجد (ص: ١٠٨، حاشيه نمبر ٨)

[3] مسند الحميدي (ص: ١٨٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگلی کھڑی کر کے دکھائی۔‘‘

محدّثِ عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آدمی تک اس اثر کی سند صحیح ہے اور یہ ایک انتہائی نادر علمی فائدہ ہے۔[1]

ان تفصیلات سے اشارے کا فائدہ اور اس کی اہمیت و حکمت واضح ہو گئی۔

توحید کی گواہی:

انگلی ہلانے کا فلسفہ بھی بعض اہلِ علم نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ مولانا حکیم محمد صادق صاحب رحمہ اللہ سیالکوٹی نے ’’صلاۃ الرسول‘‘ میں لکھا ہے:

’’انگلی کے ہلانے کا فلسفہ یہ ہے کہ جب انگلی کو کھڑا کیا تو اس نے توحید کی گواہی دی کہ اللہ ایک ہے۔ پھر جب انگلی کو بار بار ہلانا شروع کیا تو اس نے بار بار (اللہ کے) ایک ہونے کا اعلان کیا، مثلاً دورانِ تشہّد اگر انگلی کو سات یا آٹھ بار ہلایا تو اتنی مرتبہ انگلی نے توحید کا اعلان کیا۔ گویا انگلی کھڑی ہوئی اور بول بول کر ایک اللہ ایک اللہ کہتی رہی۔ نمازی کے کیف کا یہ عالم ہو کہ وہ نظر انگلی کے رفع اور حرکت پر رکھے، دماغ وحدانیت کی آبشار دل پر گرائے اور قلبِ عطشان یہ آبِ حیات پیتا جائے۔‘‘[2]

زبان کے ساتھ ہی انگلی سے بھی توحید کی گواہی کے بارے میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

’’گویا بارگاہِ ربّ الارباب میں غلام دو زانو بیٹھ کر اپنے قول و فعل سے اس کی وحدانیت کی صدقِ دل سے گواہی دے، تاکہ دل کی تصدیق سے زبان کی شہادت علام الغیوب کی رضا کی موجب ہو اور شہادت کی نیت سے

---

1. صفة الصلاة (ص: ٩٣)
2. صلاۃ الرسول ﷺ (ص: ٢٧٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انگلی کی تلوار بے نیام (کھڑی) ہوکر شیطان کو مجروح و مایوس کر دے۔"[1]

یہی مفہوم علامہ ابن رسلان کے قول کا ہے جسے "تحفة الأحوذي" میں علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے بھی دولفظوں میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔[2]

1 "رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِی الْإِشَارَةِ اَنَّهٗ قَالَ: هُوَ الْإِخْلَاصُ"[3]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اشارے کے بارے میں مروی ہے کہ یہ اخلاص کی نشانی و علامت ہے۔"

2 "وَقَالَ مُجَاهِدٌ: تَحْرِيْكُ الرَّجُلِ اِصْبَعَهٗ فِی الْجُلُوْسِ فِی الصَّلٰوةِ مُقْمِعَةٌ لِّلشَّيْطَانِ"[4]

"امام مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آدمی کا قعدہ میں انگلی ہلانا شیطان کے لیے بڑا رسوا کن اور ذلت ناک ہوتا ہے۔"

3 «تَحْرِيْكُ الْاِصْبَعِ فِی الصَّلٰوةِ مُذْعِرَةٌ لِّلشَّيْطَانِ»[5]

"نماز میں انگلی ہلانا شیطان کیلئے دہشت ناک واذیت ناک ہوتا ہے۔"

اشارے کے وقت نظر:

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے جائیں کہ جس طرح انگلی سے اشارہ کرنے میں صحابہ و ائمہ اور فقہا و محدّثین میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ انگلی سے اشارہ کرتے وقت نمازی کی نظر اس اشارے تک ہی

1. أیضاً (ص: ٢٦٩)
2. شرح مسلم (٣/ ٥/ ٩٢) نیز دیکھیں: سبل السلام (١/ ١/ ١٨٨) النيل (٢/ ٣/ ١٣٦)
3. سنن البيهقي (٢/ ١٣٣)
4. سنن البيهقي (٢/ ١٣٢، ١٣٣) النيل (٢/ ٣/ ١٣٦)
5. سنن البيهقي (٢/ ١٣٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنی چاہیے۔ اس بات کی دلیل صحیح مسلم و ابی عوانہ، مسند حمیدی و ابی یعلی، بیہقی اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب انگلی سے اشارہ کرتے تو وہ یوں ہوتا:

«اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ اِلَی الْقِبْلَةِ رَمٰی بِبَصَرِهٖ اِلَيْهَا اَوْ نَحْوَهَا»[1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے قبلے کی طرف اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ اشارے پر یا اشارے کی طرف رکھتے تھے۔''

جبکہ ابو داود، نسائی، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا تَشَهَّدَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ»[2]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہّد فرماتے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اشارے سے تجاوز نہ کرتیں۔''

انگلی اٹھانے کا موقع ومحل:

اس سلسلے میں اہلِ علم کی مختلف آرا ہیں:

1. تشہد میں وارد صرف کلمۂ شہادت کے جزء لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت محض ایک مرتبہ انگلی اٹھانا، جیسا کہ معمولی جزوی فرق کے ساتھ یہ احناف اور شافعیہ کا مسلک ہے۔
2. پورے تشہد یا قعدہ کے دوران میں جب جب بھی اللہ کا کوئی نام آئے، تب

[1] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٨٠) ابن خزيمة (١/ ٣٥٦) سنن البيهقي (٢/ ١٣٢) صفة الصلاة (ص: ٩٣)
[2] ابن خزيمة (١/ ٣٥٥) سنن البيهقي (٢/ ١٣٢) الفتح الرباني (٤/ ١٥) أبي داود مع العون (٣/ ٢٨٢) سنن النسائي (١/ ١/ ١٤٩) أبي عوانة (٢/ ٢٢٦) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٤٨٠)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تب انگلی اٹھانا، جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے۔

3 پورے قعدہ کے دوران وقفے وقفے سے مسلسل انگلی کو اٹھاتے گراتے رہنا، جیسا کہ مالکیہ کا مسلک ہے۔

اولاً: آغاز ہی سے اشارہ شروع کر دینے کے دلائل:

ان میں سے پہلی بات کہ آغازِ قعدہ وتشہد ہی سے انگلی سے اشارہ شروع کر دینا چاہیے، اس پر کئی احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں سے چھے احادیث ہم ''انگلی اٹھانے کی مشروعیت'' کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

اب رہا معاملہ مالکیہ کے مسلک کے جزوِ ثانی یعنی سلام پھیرنے تک انگلی سے اشارہ جاری رکھنے کے دلائل کا، تو اس سلسلے میں بھی ان کا استدلال بعض صحیح احادیث سے ہے۔ جن میں سے ''انگلی اٹھانے کی مشروعیت'' کے زیرِ عنوان گزری۔ چھے احادیث میں سے تین وہ بھی ہیں جن میں « يَدْعُوْ بِهَا »، « فَدَعَا بِهَا » اور « يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا » کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

ان تینوں حدیثوں کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ نبی ﷺ قعدہ کے آخر تک یعنی سلام پھیرنے تک انگلی سے اشارہ کرتے رہتے تھے اور اشارے کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ اسے حرکت دیتے، یعنی اٹھاتے اور گراتے تھے۔[1]

ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ اشارے کو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کے ساتھ خاص کرنے والی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، لہٰذا احادیث کے عموم کے پیشِ نظر اشارہ آغازِ تشہّد ہی سے شروع کر دینا چاہیے اور ''يُحَرِّكُهَا'' کے لفظ والی صحیح حدیث کے پیشِ نظر سلام پھیرنے تک انگشتِ شہادت کو حرکت دیتے یعنی اٹھاتے اور گراتے رہنا چاہیے۔

---

[1] للتفصيل: المغني، عون المعبود، سبل السلام، المرعاة، تحفة الأحوذي، صفة الصلاة، فقه الصلاة (٣/ ٦٣٨ تا ٦٥٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصولِ ترجیح کی رو سے یہی صحیح تر بات ہے، کیوں کہ کسی مسئلے میں جب ائمہ وفقہا کے اقوال مختلف ہوں تو ترجیح اس قول کو دی جاتی ہے جو اقرب الی النصوص ہو نہ کہ اسے جو "أقرب إلى العقل و الرأی" ہو۔ اس میں شک نہیں کہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد تو باعثِ اجر وثواب ہے اور نصوص سے مسائل کے استنباط میں بھی نتائج مختلف ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اس اشارہ والے مسئلے میں ہے، ایسی صورت میں جو بات راجح ہو، اس پر عمل کرنا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ ایسے مسائل میں کسی ایک صورت کو اپنانے پر اصرار کرنا اور اسی مسئلے کے دوسرے رخ کو باطل قرار دینا تحقیقِ علمی کے خلاف ہے، کیوں کہ ایسا صرف منصوص مسائل ہی میں ہونا چاہیے۔

درود شریف سے متعلقہ مسائل:

جب تشہدّ سے فارغ ہوں تو پہلے قعدہ کی طرح ہی دوسرے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے، جس کے متعدد صیغے صحیح اَسناد کے ساتھ نبی ﷺ سے ثابت ہیں، جن میں سے بعض صیغے ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں اور صیغوں کے آخر میں یہ بھی ذکر آ رہا ہے کہ ان میں سے کسی بھی صیغے کو پڑھ لیں صحیح ہے، البتہ مختلف ائمہ وعلما کے نزدیک افضل صیغہ بھی الگ الگ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قعدۂ ثانیہ میں درود شریف

قعدۂ ثانیہ میں درود شریف پڑھنے یا نہ پڑھنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، بلکہ سبھی پڑھنے کے قائل ہیں، البتہ اس کے حکم میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہاں یہ واجب ہے یا فقط سنت؟ جب اس سلسلے میں جانبین کے دلائل کا مطالعہ کریں تو خلاصۂ بحث دو لفظوں میں یہ ہے کہ دلائل کی قوت درود شریف کو واجب قرار دینے والوں کے ساتھ ہے، اگرچہ جمہور اس کے سنّت ہونے کے قائل ہیں، لیکن پیروی جمہور کی نہیں بلکہ دلیل کی ہونی چاہیے اور وہ قائلینِ وجوب کی مؤیّد ہے۔ حُبِّ رسول ﷺ کا تقاضا بھی وجوب ہی چاہتا ہے۔[1] وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ.

درود شریف کے صیغے:

درود شریف کے متعدد صیغے نبیِ اکرم ﷺ نے سکھلائے ہیں، جو صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

پہلا صیغہ:

ان میں سے پہلا صیغہ تو وہی ہے جو مشہور و معروف اور زبان زدِ خاص و عام ہے جسے صلاۃِ ابراہیمیہ یا درودِ ابراہیمی بھی کہا جاتا ہے، جو صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ، مسند حمیدی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى

[1] للتفصيل: فقه الصلاة (٣/ ٦٥٧ تا ٦٦٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى) آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى (اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى) آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»[1]

''اے اللہ ! ہمارے نبی محمد (ﷺ) پر درود بھیج اور آپ (ﷺ) کی آل پر بھی، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر درود بھیجا، یقیناً تو تمام تعریفوں والا اور صاحبِ مجد و ثنا ہے۔ اے اللہ! ہمارے نبی محمد (ﷺ) پر اور آپ ﷺ کی آل پر برکتیں نازل فرما، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکتیں نازل کیں، یقیناً تو صاحبِ حمد و مجد ہے۔''

دوسرا صیغہ:

سنن نسائی، مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ میں صرف درمیان والے دو ایک الفاظ کے فرق سے یہ صیغہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے یوں وارد ہوا ہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ (وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ) اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى (اِبْرَاهِيْمَ وَ) آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»[2]

''اے اللہ! ہمارے نبی محمد (ﷺ) پر درود بھیج اور آپ (ﷺ) کی آل پر بھی، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر درود بھیجا، یقیناً تو تمام تعریفوں والا اور صاحبِ مجد و ثنا ہے اور (اے اللہ!) ہمارے

[1] صحيح البخاري (٦/ ٤٠٨) صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٢٦) الفتح الرّباني (٤/ ٢٣/ ٢٤) تفهيم القرآن (٤/ ١٢٥) وجلاء الأفهام (ص: ٧، ١٠) شرح الشفاء (٣/ ٧٦٨)

[2] سنن النسائي (١٢٩٠) الفتح الرّباني (٤/ ٢٥) صفة الصلاة (ص: ٩٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی محمد (ﷺ) پر اور آپ ﷺ کی آل پر برکتیں نازل فرما، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکتیں نازل کیں، یقیناً تو صاحبِ حمد و مجد ہے۔“

تیسرا صیغہ:

ان میں سے تیسرا صیغہ مسند احمد و معانی الآثار طحاوی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے وارد ہوا ہے، جو خود نبی ﷺ پڑھا کرتے تھے اور وہ یوں ہے:

« اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ »[1]

”اے اللہ! درود بھیج حضرت محمد (ﷺ) پر، آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر اور آپ ﷺ کی ازواج و اولاد پر، جس طرح کہ تو نے آلِ ابراہیم (علیہ السلام) پر درود بھیجا، یقیناً تو حمید اور مجید ہے، اور برکتیں نازل کر حضرت محمد (ﷺ) پر، آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر اور ازواج و اولاد پر، جس طرح کہ تو نے برکتیں نازل کیں آلِ ابراہیم (علیہ السلام) پر، یقیناً تو بڑا صاحبِ حمد و مجد ہے۔“

چوتھا صیغہ:

درود شریف کا چوتھا صیغہ صحیح مسلم، ابی عوانہ، ابو داود، ترمذی، نسائی، دارقطنی، مستدرک حاکم، ابن حبان، ابن خزیمہ، موطا امام مالک، مسند احمد، بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور وہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ہے:

[1] الفتح الرّباني (٤/ ٢٦۔ ٢٧) و صفة الصلاة (ص: ٩٨۔ ٩٩)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ) وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (آلِ) اِبْرَاھِیْمَ، وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ (النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ) وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی (آلِ) اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ»[1]

''اے اللہ! ہمارے نبی محمد (ﷺ) (اَن پڑھ نبی) پر درود بھیج اور آپ (ﷺ) کی آل پر بھی، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) (اور ان کی اولاد) پر درود بھیجا۔ اور اے اللہ ! (نبی اُمّی) محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر برکتیں نازل فرما، جس طرح کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام اور ان کی اولاد) پر برکتیں نازل فرمائیں دونوں جہانوں میں، بے شک تو تمام تعریفوں والا اور صاحبِ مجد وثنا ہے۔''

ایسے ہی پانچ صیغے اور بھی ہیں، لیکن ہم یہاں انھی پر اکتفا کر رہے ہیں۔[2]

افضل ترین صیغہ:

یہ درود شریف کے چند صیغے مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور یہ سب نبیِ اکرم ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ ان میں سے نماز میں اور نماز کے باہر ہر ایک کو پڑھا جا سکتا ہے۔ البتہ ان میں سے افضل کون سا ہے؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے معروف ترین صیغہ تو وہی ہے جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ تیسرا اور چوتھا صیغہ ایسا ہے کہ انھیں نبیِ اکرم ﷺ خود پڑھا کرتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے صلوٰۃ یا درود شریف کے بارے میں سوال و استفسار

[1] صحیح مسلم (١/ ٣٠٥) مع النووي (٢/ ٤/ ١٢٥) سنن أبي داوٗد (٣/ ٢٧٠) المنتقیٰ (٢/ ٤/ ٢٨٤۔ ٢٨٥) و الفتح الرباني (٤/ ١٩۔ ٢١) شرح الشفاء (٣/ ٧٦٨) صفة الصلاة (ص: ٩٩)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: فقه الصلاة (٣/ ٦٦٢۔ ٦٦٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بھی آپ ﷺ نے انھیں انہی کی تعلیم فرمائی تھی، جیسا کہ ان صیغوں پر مشتمل احادیث میں صراحت آئی ہے، لہٰذا ان دونوں کو انہی وجوہات کی بنا پر افضل ترین درود قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنے لیے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے وہی درود اختیار کیا ہے جو سب سے افضل و اشرف ہے، البتہ جائز سبھی ہیں۔ لیکن ان میں سے کبھی ایک اور کبھی کوئی دوسرا پڑھ لینا چاہیے، تا کہ ہر حدیث پر ہی عمل ہوتا رہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قعدۂ اخیرہ کی دعائیں

جب درود شریف پڑھ چکیں تو دعا کی باری آتی ہے۔ اس موقع کے لیے نبیِ اکرم ﷺ سے متعدد دعائیں صحیح احادیث میں مروی و ثابت ہیں، جن میں سے کوئی بھی دعا کی جا سکتی ہے، مثلاً:

① صحیح بخاری و مسلم اور ابی عوانہ، سنن ابی داود، نسائی، ابن خزیمہ اور منتقیٰ ابن الجارود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ الْآخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ: مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»[1]

”تم میں سے جب کوئی شخص تشہدِ اخیر سے فارغ ہو جائے تو (درود شریف کے بعد) ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے: عذابِ جہنم، عذابِ قبر، فتنۂ موت و حیات اور مسیحِ دجّال کے شر سے۔“

صحیح مسلم و ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ان اشیا سے اللہ کی پناہ مانگنے کا طریقہ بھی وارد ہوا ہے کہ نمازی تشہد میں یوں کہے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٣/ ١٩١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨٨) مع النووى (٣/ ٥/ ٨٧) سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٩٨٣) صحيح النسائي (١/ ٢٨٢) صحيح ابن خزيمة (١/ ٣٥٧) الأذكار للنووي (ص: ٥٥) صفة الصلاة (ص: ١٠٩)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور موت وحیات کے فتنے سے اور مسیحِ دجال کے فتنے کے شر سے۔''

② صحیح بخاری ومسلم اور بعض دیگر کتب میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں اس دعا کے آخر میں دو کلمات اور بھی ہیں، جبکہ عذابِ جہنم کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ»

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیحِ دجّال کے فتنے سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں موت وحیات کے فتنے سے، اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔''

نبیِ اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

«مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ؟»

''آپ اکثر قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ»[1]

''آدمی جب مقروض ہو جاتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافیاں کرتا ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٢٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨٩) مع النووي (٣/ ٥/ ٨٧) صحيح النسائي (١/ ٢٨٢) مشكاة (١/ ٢٩٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ان چار پانچ اشیا سے تعوّذ پر مشتمل دعا کی تشہّد میں بہت اہمیت ہے، حتیٰ کہ بعض اہلِ علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ دوسری کوئی بھی دعا کرنے سے پہلے ان چار اشیا سے اللہ کی پناہ مانگنا واجب ہے۔ اس پر انھوں نے انھی اور ان جیسی دوسری احادیث کے الفاظ سے استدلال کیا ہے۔[1]

③ صحیح بخاری و مسلم، نسائی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

((عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْ بِهٖ فِیْ صَلٰوتِیْ))

''مجھے کوئی دعا سکھلائیں جسے میں نماز میں مانگا کروں۔''

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا کیا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ))[2]

''اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی بخشنے والا بھی نہیں۔ پس تُو میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم فرما! بے شک تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

④ ابو داود، ابن ماجہ اور مسند احمد و ابن خزیمہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے پوچھا کہ تم نماز میں کیسے دعا کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں تشہّد پڑھ کر یہ دعا کرتا ہوں:

---

1. صفة الصلاة (ص: ١٠٩)
2. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٦٥) صحيح مسلم (٤/ ٢٠٧٨) صحيح سنن النسائي (١/ ٢٨٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ»

’’اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔‘‘

پھر وہ کہنے لگا:

«اَمَا اِنِّیْ لَا اُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ»

’’مجھے آپ ﷺ کی طرح اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرح دعائیں کرنا تو نہیں آتا۔‘‘

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ»[1] ’’ہم بھی ایسے ہی دعائیں کرتے ہیں۔‘‘

⑤ صحیح مسلم، ابن خزیمہ، مسند احمد اور بعض دیگر کتب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی ﷺ تشہّد وسلام کے درمیان یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ»[2]

’’اے اللہ! تو میرے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ معاف کر دے، اور میں نے جو زیادتی کی اور وہ گناہ جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے (وہ بھی معاف فرما دے) اور تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے کرنے والا

[1] سنن أبي داوٗد، رقم الحديث (٧٩٢، ٧٩٦) سنن ابن ماجه وصححه البوصيري والنووي في الأذكار (ص: ٥٦) مسند أحمد (٣/ ٤٧٤) الفتح الرباني (٤/ ٣١) ابن خزيمة (١/ ٣٥٨ـ ٣٥٩)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٦٠) ابن خزيمة (١/ ٣٥٨) مسند أحمد (١/ ٩٥) الأدب المفرد (ص: ٢٩٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے، تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے۔''

⑥ اسی سلسلے کی ایک اور دعا الادب المفرد امام بخاری، سنن ابی داود و نسائی، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر اور کتاب التوحید ابن مندہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو یہ دعا کرتے سنا:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ)، (الْمَنَّانُ)، (يَا) بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ»

''اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں اس بنا پر کہ ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تُو یکتا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، تو انعام کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے، تو جلال والا ہے، اے ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم کی آگ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

یہ دعا سن کر نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«أَتَدْرُوْنَ بِمَا دَعَا» ''جانتے ہو اس نے کس کے ساتھ دعا کی ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ، لَقَدْ دَعَا بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ (وَفِیْ رِوَايَةٍ: الْاَعْظَمِ) الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی»[1]

''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے

[1] الأدب المفرد وصححه الألباني في الصلاة (ص: ١١٢) صحيح النسائي (١/ ٢٧٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے اسمِ عظیم (اور ایک روایت میں ہے: اسمِ اعظم) کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب وہ اس نام سے پکارا جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس نام سے اس سے کچھ مانگا جائے تو وہ دیتا ہے۔''

⑦ جبکہ مسند احمد و مستدرک حاکم میں اس موقع کے لیے یہ دعا بھی آئی ہے:

((اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا))[1]

''اے اللہ! میرا حساب آسان کر دے۔''

⑧ سنن نسائی میں صحیح سند سے اور کتاب السنہ میں ابن ابی عاصم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ))[2]

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان برائیوں کے شر سے جو مَیں نے کی ہیں اور ان (نیکیوں) کی برائی سے بھی جو مَیں نہیں کر سکا۔''

⑨ ایسے ہی اس موقع پر قرآنِ کریم کی دعائیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک دعا تو اس مقام کے لیے بہت معروف اور معمول بہ ہے، جو سورت ابراہیم کی [آیت: ۴۰۔۴۱] میں ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿40﴾ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿41﴾﴾

''اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز پڑھنے والا بنا دے، اور اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا قبول کر۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو روزِ حساب (یومِ قیامت) بخش دیجیو!''

[1] صححه الحاكم و وافقه الذهبي و لم يعقبهما الألباني في الصلاة (ص: ١١٠)

[2] صحيح النسائي (١/ ٢٨١) السنة (٣٧٠) بتحقيق الألباني وصححه الألباني في الصفة (ص: ١١٠) أيضًا.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑩ اسی طرح دنیا و دین ہر دو کی بھلائی کے سوال پر مشتمل ایک دعا سورۃ البقرۃ [آیت: ۲۰۱] میں ہے:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں نارِ جہنم سے بچا۔''

قرآنِ کریم میں ایسی ہی بکثرت دعائیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے نصف صد کے قریب دعائیں ہم نے اپنی مطبوعہ کتاب ''سوئے حرم'' میں اور نصف صد سے بھی زیادہ دعائیں ''مسنون ذکرِ الٰہی'' کے ضمیمہ طبع دوم میں جمع کر دی ہیں، لہٰذا ان سب کو یہاں ذکر کرنے سے ہم صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

ایک اہم وضاحت:

یہاں ایک اہم بات کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر دعا کرنا بالاتفاق مشروع ہے۔ وہ دعائیں جو اس مقام کے لیے نبی ﷺ سے ثابت ہیں ان کا مانگنا سب سے افضل ہے اور وہ دعائیں جو اس مقام کے ساتھ تو خاص نہیں لیکن قرآنِ کریم میں اور نبیِ اکرم ﷺ سے کسی بھی مقام وغرض کے لیے ثابت ہیں، ان کا مانگنا بھی جائز ہے۔ غیر ماثور دعاؤں کے مقابلے میں ماثور دعاؤں کا مانگنا ہی افضل ہے، اگرچہ اکثر ائمہ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک اپنی طلب و حاجت کے مطابق غیر ماثور دعا کر لینا بھی جائز ہے۔

اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں ہے:

((... ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو [بِمَا بَدَا لَهُ، مِن

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الْمَسْأَلَةِ، مِنَ الْكَلَامِ مَا شَاءِ] »[1]

''پھر جو دعا چاہے [جو جی میں آئے، جو دعا اچھی لگی] کر لے۔''

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا اعتراف:

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایۃ'' میں بڑے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہمارے فقہائے احناف میں سے صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ دعا کا قرآن وسنّت کے الفاظ کے مشابہ یعنی ماثور ہونا ضروری ہے، ان کی اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بات سے قبل انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی وہ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن سے نمازی کو اپنی مرضی کی دعا اختیار کرنے کا پتا چلتا ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ ان احادیث میں امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے حجت و دلیل پائی جاتی ہے کہ لوگوں کے کلام جیسی دعائیں مانگنا بھی مباح ہے۔ مثلاً یہ کہنا:

''اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِي اِمْرَاَةً حَسْنَاءَ، وَاَعْطِنِي بُسْتَانًا اَنِيقًا''

''اے اللہ! مجھے خوب صورت بیوی عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ایک بہترین باغ عطا فرما۔''

لیکن مانعین نے کلام الناس سے دعا مانگنے والے الفاظ کو مسنون و ماثور دعاؤں پر محمول کیا ہے۔[2]

سلام پھیرنے کا حکم اور وجوب کے دلائل:

قعدہ میں درود شریف اور دعاؤں سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے جو واجب ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٣٥)

[2] نصب الراية (١/ ٤٢٨) اس موضوع ''نماز میں غیر عربی (مادری) زبان میں دعا'' کرنے کی تفصیل روزنامہ اردو نیوز کے اسبوعی ملحق ''روشنی'' کے دو صفحات پر مشتمل ہمارے ایک مضمون میں شائع ہو چکی ہے اور ہمارے ویب سائیٹ پر بھی موجود ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

① سنن ابی داود و ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور معجم طبرانی کبیر و اوسط، معانی الآثار طحاوی، دارقطنی، بیہقی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، المختارۃ للضیاء، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم، تاریخ الخطیب اور مسند احمد و بزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مِفْتَاحُ الصَّـلَاةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ))[1]

”نماز کی چابی طہارت و وضو ہے، اس کی تحریم (آغاز) اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کی تحلیل (انتہا) سلام پھیرنا ہے۔“

اس حدیث کے کئی شواہد بھی ہیں اور ان شواہد کی بنا پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ”المجموع“ (٣/ ٢٨٩) میں، حافظ ابن حجر نے ”فتح الباري“ (٢/ ٢٦٧) میں اور شیخ البانی نے ”إرواء الغليل“ (٢/ ٩) میں اس کو صحیح کہا ہے۔[2]

② ایسے ہی سلام پھیرنے کے وجوب پر صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب میں وارد اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے، جس میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ...))[3]

”نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرا کرتے تھے...“

---

1. سنن أبي داوٗد، ترمذي، ابن ماجه، مسند أحمد (١/ ١٢٣) وصححه النووي في المجموع (٣/ ٢٨٩) والحافظ في الفتح (٢/ ٢٦٧) الإرواء (٢/ ٨، ٩) نصب الراية (١/ ٣٠٧) سنن البيهقي (٢/ ١٧٣) صفة الصلاة (ص: ١١٣) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٥٩)
2. حوالہ جاتِ مذکورہ در متن۔
3. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٣٢٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عربی دان طبقہ جانتا ہے کہ ”کَانَ اِذَا“ استمرار اور دوام کے لیے ہوتے ہیں۔ گویا نبی ﷺ نے سلام پھیرنے پر دوام و ہمیشگی اختیار کی اور جس عمل پر آپ ﷺ ہمیشگی فرمائیں، اس کی اہمیت واضح ہے۔

ان صحیح احادیث کے پیشِ نظر سلام پھیرنے کو واجباتِ نماز میں شمار کیا جاتا ہے، بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو الاذکار میں سلام پھیرنے کو ”رُکْنٌ مِنْ اَرْکَانِ الصَّلٰوۃِ وَفَرْضٌ مِنْ فُرُوْضِھَا لَا تَصِحُّ اِلَّا بِهٖ“ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے اور صحیح احادیث سے اسی بات کی صراحت ہوتی ہے۔[1]

عدمِ وجوب کے دلائل اور ان کا جواب:

احناف کے نزدیک سلام پھیرنا فرائض و واجبات میں سے نہیں، بلکہ ان کے یہاں اگر کوئی شخص «اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ...... وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ» تک پڑھ چکے اور پھر وہ حادث ہو جائے، مثلاً اس کی ہوا خارج ہو جائے تو ان کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہے، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اس بات پر استدلال کے لیے ان کی طرف سے جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ وہی ہیں جو درود شریف کے عدمِ وجوب کے لیے بھی پیش کی جاتی ہیں اور ہم اس موقع پر ذکر بھی کر چکے ہیں، جن میں سے بعض مدرج و الحاقی اور بعض ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ استدلال ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح تو ہیں لیکن اس مسئلے میں وہ صریح نہیں کہ ان کو دلیل قرار دیا جا سکے اور بعض میں تعادل ہے کہ وہ جس قدر ایک طرف کی دلیل بن سکتی ہیں، اسی قدر وہ دوسری طرف کی دلیل بھی بن جاتی ہیں۔ لہٰذا ان سے محض ایک جانب کا استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ صحیح دلائل جس طرف ہوں ایسی حدیث

[1] الأذکار (ص: ٥٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کو انھی کی تائید میں ذکر کیا جا سکتا ہے اور وہ قائلینِ وجوب ہیں۔

بعض روایات میں عدمِ ذکر ہے جو عدمِ وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ان تمام امور کو عدمِ وجوبِ درود شریف کے دلائل کے طور پر ذکر کر کے ان کے جوابات کے ضمن میں ہم بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا انھیں یہاں دہرانا تحصیلِ حاصل ہے۔

غرض سلام پھیرنے کو واجب ماننا ہی احادیث سے ثابت ہوتا ہے جو تین ائمہ اور جمہور اہلِ علم کا مسلک ہے اور تعاملِ امت بھی یہی ہے کہ سلام پھیرے بغیر کوئی نمازی اپنی نماز کو مکمل نہیں سمجھتا اور علمی اختلافات سے قطع نظر ہونا بھی یہی چاہیے۔

سلام پھیرنا:

الغرض نمازی امام ہو یا مقتدی، یا چاہے وہ منفرد و اکیلا ہو، جماعت چھوٹی ہو یا بڑی، نماز فرض ہو یا نفل، وقت دن کا ہو یا رات کا، ہر موقع پر نمازی کو دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے۔ پہلے دائیں طرف منہ پھیر کر کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو)

پھر بائیں طرف منہ پھیر کر کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» یہ دونوں طرف سلام پھیرنا مستحب اور سنت ہے، جبکہ بقول امام نووی رحمہ اللہ صرف ایک سلام واجب ہے، اور اس کا طریقہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر کوئی صرف واجب ہی پر عمل کر لے اور سنت کو ترک کر دے تو کوئی حرج نہیں، اس کی نماز ہو جائے گی۔[1]

جیسا کہ عرب ممالک میں عموماً نمازِ جنازہ میں ایک طرف ہی سلام پھیرا جاتا ہے۔ اور حدیث میں صحیح و ثابت بھی یہی ہے۔ البتہ امیر صنعانی نے ''سبل السلام'' میں عام نماز کے لیے دونوں طرف سلام پھیرنے کو واجب لکھا ہے۔

[1] الأذكار (ص: ٥٧ و تحقيق زاد المعاد (١/ ٢٦٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلام پھیرنے کے چار طریقے:

1. دونوں طرف (دائیں اور بائیں جانب) چہرہ کر کے «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کہا جائے۔
2. کبھی کبھی دائیں جانب منہ کر کے «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ» ''تم پر سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں'' کہا جائے، تا کہ تسلیم بابرکات ہو جائے۔
3. کبھی کبھار دائیں طرف «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کہیں اور بائیں طرف صرف ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' کہنے پر اکتفا کریں۔
4. کبھی صرف ایک ہی سلام کہیں، جبکہ منہ سامنے کی جانب ہی رہے، البتہ اسے معمولی سا دائیں جانب پھیرا جائے۔[1]

اب آیئے ان چاروں طریقوں کے دلائل کا بھی مطالعہ کریں۔

پہلے طریقے کے دلائل:

① دائیں اور بائیں دونوں طرف چہرے کو پھیرتے ہوئے ہر دو طرف ہی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہنے کا پتا پندرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات سے چلتا ہے۔ چنانچہ سنن ابی داود، ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ کَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِینِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّهٖ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ»[2]

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة (١/ ٥٦٦)

[2] سنن أبي داود (٣/ ٢٨٨) و صحيح أبي داود (١/ ١٨٦) مشكاة المصابيح (١/ ٢٩٩) صحيح النسائي (١/ ٢٨٤، ٢٨٥) سنن الدارقطني (١/ ١/ ٣٥٦۔ ٣٥٧) نصب الراية (١/ ٤٣١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”نبی ﷺ دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرتے تو آپ ﷺ کے رخسار کی سفیدی نظر آ جاتی اور آپ ﷺ دونوں طرف کہتے: «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ»

نسائی شریف و دارقطنی میں اس مرفوع حدیث کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَرَاَیْتُ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہما یَفْعَلَانِ ذٰلِكَ»[1]

”میں نے دیکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمرِ فاروق رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی سلام پھیرتے تھے۔“

② ایسے ہی سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نبیِ اکرم ﷺ کے سلام پھیرنے کے بارے میں مروی ہے۔

بعض دوسری کتب میں دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی دیگر احادیث بھی مروی ہیں لیکن ہم انھی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پندرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ”زاد المعاد“ میں ذکر کیے ہیں۔[2] نو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کا تذکرہ اور ان کے اسمائے گرامی تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیے ہیں۔[3]

دوسرے طریقے کے دلائل:

کبھی کبھی دائیں جانب ”السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ“ کہنے کا پتا سنن ابی داود، صحیح ابن خزیمہ، سنن دارقطنی، معجم طبرانی کبیر اور مسند ابو یعلیٰ میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے چلتا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَکَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

[1] أيضًا.

[2] زاد المعاد (١/ ٢٥٨۔ ٢٥٩)

[3] سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ١٨٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، وَعَنْ شِمَالِهِ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ»[1]

''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے دائیں طرف منہ پھیر کر کہا: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» اور بائیں طرف منہ پھیر کر کہا: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ»

البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ مشہور روایات کی بنا پر اکثر اوقات صرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' ہی کہا جائے، لیکن اس صحیح حدیث کی رو سے کبھی کبھی دائیں جانب سلام پھیرتے وقت ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کے ساتھ ''وبرکاتہ'' کا اضافہ بھی کر لیا جائے، تاکہ اس صحیح حدیث پر بھی عمل ہو جائے، اور اسے بھی کئی علما و فقہا نے اختیار کیا ہے۔

تیسرے طریقے کے دلائل:

سلام پھیرنے کا تیسرا طریقہ یعنی کبھی کبھار دائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' اور بائیں طرف صرف ''السلام علیکم'' کہنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنن نسائی و مسند احمد اور مسند السراج میں صحیح سند سے واسع بن حبان کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی نماز کے طریقے سے پہلے تکبیر اور پھر آگے چل کر سلام کا طریقہ ذکر کیا اور بتایا:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَنْ يَمِينِهِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ عَنْ يَسَارِهِ»[2]

''دائیں طرف «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» اور بائیں طرف «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ»''

[1] صحيح أبي داوٗد (١/ ١٨٦) و مع العون (٣/ ٢٩٦) ابن خزيمة (١/ ٣٦٠) سنن الدارقطني.

[2] صحيح النسائي (١/ ٢٨٥) صفة الصلاة (ص: ١١٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس صحیح السند حدیث میں بائیں جانب صرف ''السلام علیکم'' کے الفاظ آئے ہیں، ''ورحمۃ اللہ'' نہیں آئے۔ چونکہ مشہور روایت کے مطابق دونوں طرف ہی ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' کے الفاظ ہیں، لہٰذا اس صرف ''السلام علیکم'' کے الفاظ کا پتا دینے والی حدیث پر بھی ''وبرکاتہ'' کے اضافے والی حدیث کی طرح کبھی کبھار عمل کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

چوتھے طریقے کے دلائل:

کبھی صرف ایک ہی سلام پر اکتفا کرنا بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے، جبکہ نمازی اپنا منہ سامنے سے معمولی سا دائیں جانب پھیر لے اور کہے: السلام علیکم۔

چنانچہ اس سلسلے میں سنن ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان، سنن کبریٰ بیہقی، المختارۃ للضیاء المقدسی، السنن لعبدالغنی المقدسی، معجم طبرانی اوسط، مستدرک حاکم اور مسند احمد و سراج میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کئی طُرق سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ تَسْلِيْمَةً وَاحِدَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، ثُمَّ يَمِيْلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا»[1]

''نبی ﷺ نماز میں (کبھی کبھار) صرف ایک ہی سلام کہتے تھے جو کہ سیدھے منہ ہی کہہ دیتے، صرف تھوڑا سا دائیں جانب چہرے کو مائل کرتے تھے۔''

اس حدیث کی سند پر امام عقیلی اور علامہ ابن عبدالبر نے کلام کیا ہے اور اسے

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٩٥) مع التحفة (٢/ ١٨٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٩١٩) مستدرك حاكم (١/ ٢٣٠۔ ٢٣١ قديم و ١/ ٣٥٤ جديد) نصب الراية (١/ ٤٣٣) الإرواء (٢/ ٣٣) وصححه بشواهده ابن خزيمة (١/ ٣٦٠) سنن البيهقي (٢/ ١٧٩) مشكاة المصابيح (١/ ٣٠٢) ابن حبان، رقم الحديث (٦٦٩)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معلول قرار دیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تو اس کی سند پر بڑی طویل بحث کی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اشارہ کیا ہے۔[1]

جبکہ دیگر کثیر علما و محدّثین نے اس حدیث کو شواہد و طُرق کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے، امام حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں، اور انھی کی طرح علامہ ابن الملقّن نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

علامہ البانی نے بھی ان کی تصحیح کو نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔[2] اسی طرح "سلسلة الأحاديث الصّحيحة" (١/ ٥٦٦) پر بھی ایک سلام والی حدیث کو صحیح شمار کیا ہے۔ ایسے ہی انھوں نے "تحقيقِ مشكاة" (١/ ٣٠٢) میں بھی سنن ترمذی کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اس پر کلام کیا ہے، جبکہ اس کتاب کے محقّقین شیخ شعیب الارناؤوط اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کے کئی طُرق اور شواہد بھی ذکر کیے ہیں، جن کی بنا پر یہ حدیث سند کے بعض رواۃ پر کلام ہونے کے باوجود بھی درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں متعدد آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے بھی ایک سلام کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سلمہ بن اکوع اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم، تابعین میں سے حضرت حسن بصری، ابن سیرین، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، اوزاعی اور ایک روایت میں امام شافعی اور دیگر ائمہ وفقہاء رحمہم اللہ ایک سلام کے قائل تھے۔[3]

---

[1] فتح الباري (٢/ ٣٢٣)

[2] صفة الصلاة (ص: ١١٣)

[3] المغني (١/ ٤٨١) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٩٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمازِ جنازہ کا سلام:

یہ تو ہوا عام نمازوں کے تعلق سے، جبکہ نمازِ جنازہ میں بھی ایک سلام کے قائلین کے بارے میں امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ ایک ہی سلام پر اکتفا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی نے ان کی اس بات پر موافقت کی ہے اور امام بیہقی نے ان آثار میں سے اکثر کو باسند بیان کیا ہے اور ان میں حضرت واثلہ بن اسقع اور ابو امامہ بن سہل کا تذکرہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔[1]

اگر ان صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کے باسند آثار کو بھی نقل کیا جائے تو ان سب کی مجموعی تعداد سولہ (۱۶) ہو جائے گی، جن میں صرف ایک سلام کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا اس پر بھی عمل کر لینا چاہیے۔ یوں ان ہر دو طرح کی احادیث میں باہم کوئی تعارض بھی نہیں رہتا ہے۔

امام ابو داود فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے جنازے کے سلام کے بارے میں سنا کہ وہ یوں ہے:

﴿... السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾[1]

دو سلاموں کے قائلین:

عام نمازوں کی طرح ہی نمازِ جنازہ کے معاملے میں بھی دونوں طرح کی احادیث پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے، اگرچہ "المبسوط للسرخسي" (۲/ ٦٥)

---

1. مستدرك حاكم (١/ ٣٦٠ قديم و ١/ ٥١٣ جديد) و سنن البيهقي (٤/ ٤٣) الجنائز للألباني (ص: ١٢٩) و الإرواء (٢/ ٣٤)
2. المغني (١/ ٤٨١) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٩٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق احناف کا، ”الإنصاف“ (۲/ ۵۲۵) کے مطابق ایک روایت میں امام احمد کا، اور ”شرح ابن قاسم الغزي“ (۱/ ۴۳۱۔ باجوری) کے مطابق شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ جنازے میں دو سلام ہیں۔[1]

جبکہ دیگر ائمہ و فقہا کے نزدیک ایک سلام پر اکتفا بھی جائز ہے، جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔ جبکہ جنازہ کے علاوہ عام نمازوں کے سلسلے میں جمہور اہلِ علم دو سلاموں کے ہی قائل ہیں، البتہ جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ وفقہا رحمہم اللہ ایک ہی سلام پر کفایت کے قائل تھے۔ اور یہ عمل بھی مسلسل نہیں بلکہ غالب اوقات میں دو سلام اور کبھی کبھی ایک کی صورت میں ہے۔ بقول امام بیہقی یہ اختلاف مباح کی قبیل اور جائز پر اکتفا کی قسم سے ہے۔

دو سلاموں کے قائلین میں سے حضرت ابوبکر صدیق، علی بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم، اسی طرح نافع بن عبدالحارث، علقمہ، ابو عبدالرحمن سلمی، عطاء، شعبی، ثوری، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابن المنذر رحمہم اللہ اور اہل رائے (احناف) بھی ہیں۔[2]

وجوباً یا استحباباً دونوں طرف ہی پھیرنا چاہیے۔ یہی امام احمد کے نزدیک محبوب ترین بات ہے۔ ہاں اگر کبھی کبھی صرف ایک ہی سلام پر اکتفا کر لیں تو بھی نماز صحیح ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ کے بقول ایک سلام واجب اور دوسرا سنت ہے۔[3]

مقتدی کے سلام پھیرنے کا وقت:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ جب نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہو اور امام سلام پھیرے تو مقتدیوں کو کب سلام پھیرنا چاہیے؟

---

[1] بحواله أحكام الجنائز (ص: ۱۲۸)

[2] المغني (۱/ ۴۸۰) نيل الأوطار (۲/ ۳/ ۱۵۶)

[3] بحواله المغني (۱/ ۴۸۱۔ ۴۸۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری شریف اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ»

''ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر لیا۔''

ایک روایت میں ہے:

«ثُمَّ سَلَّمَ وَ سَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ» [1]

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر لیا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ابن المنیر کے بقول: (مقتدی کے سلام پھیرنے کے بارے میں) دونوں احتمال موجود ہیں:

اول: یہ کہ مقتدی بھی امام کے سلام پھیرنے کو مکمل کرنے سے پہلے ہی سلام پھیرنا شروع کر دے۔

دوم: یہ کہ مقتدی اُس وقت سلام پھیرنا شروع کرے جب امام سلام پھیرنا مکمل کر لے۔ جب حدیث شریف میں دونوں طریقوں کا احتمال موجود ہے تو پھر کسی بھی صورت کو اختیار کر لیں، جائز ہے، اگرچہ سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں مروج دوسرا طریقہ اولیٰ و احوط ہے۔

ممانعتِ اشارہ بوقتِ سلام:

شروع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب سلام پھیرتے تھے تو ساتھ ہی اپنے ہاتھوں سے بھی اشارہ کرتے تھے۔ یعنی جب دائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہتے تو

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٢٣) رقم الحديث (٨٣٨، ٨٤٠)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اپنے ہاتھوں سے دائیں جانب اشارہ بھی کرتے تھے اور جب بائیں جانب منہ پھیر کر سلام کہتے تو ساتھ ہی اپنے ہاتھوں سے بائیں جانب بھی اشارہ کرتے تھے۔ انھیں ایسا کرتے دیکھ کر نبیِ اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

چنانچہ صحیح مسلم و ابی عوانہ، سنن ابی داود و سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد و مسند سراج اور معجم طبرانی کبیر میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَأْنُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِأَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ إِذَا سَلَّمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ إِلَى صَاحِبِهِ وَلَا يُوْمِئُ بِيَدِهِ»

''کیا بات ہے کہ تم بِدکے ہوئے (سرکش) گھوڑوں کے دم ہلانے کی طرح اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو؟ تم میں سے جب کوئی سلام پھیرے تو اسے چاہیے کہ اپنے ساتھی کی طرف تھوڑا سا متوجہ ہو کر سلام کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔''

ایک روایت میں ہے:

«إِنَّمَا يَكْفِيْ أَحَدَكُمْ أَنْ يَّضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيْهِ مَنْ عَلَى يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ» [1]

''تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ ہاتھوں کو رانوں پر رکھے ہوئے ہی اپنے دائیں اور پھر بائیں والے بھائی کو سلام کہہ دیں۔''

اس حدیث کو تمام محدّثین نے باب السلام ہی میں ذکر کیا ہے اور مسلم کا باب

---

[1] صحيح مسلم (٢/ ٤/ ١٥٢) صحيح أبي داوٗد (١/ ١٨٧) صحيح نسائي (١/ ٢٨٤ ـ ٢٨٦) ابن خزيمة (١/ ٣٦١) الفتح الرباني (٤/ ٤٢ ـ ٤٤) معاني الآثار للطحاوي (ص: ١٥٨) نصب الراية (١/ ٤٣٢) صحيح الجامع (٣/ ٥/ ١٤٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا ہے، لیکن وہاں باقاعدہ سلام پھیرنے کا تذکرہ آیا ہے، حتیٰ کہ صاحبِ ہدایہ اور صاحب نصب الرایہ نے بھی اسے ذکر کیا ہے، جیسا کہ یہ بات ہم بالتفصیل رفع الیدین کے مسئلے میں بھی ذکر کر آئے ہیں، لہٰذا اس سے ممانعتِ رفع یدین کا مسئلہ نکالنا محض تحکّم اور سینہ زوری ہے۔

مسبوق کب کھڑا ہو؟

بعض کے نزدیک مسبوق اُس وقت اٹھے جب امام دونوں طرف سلام پھیر لے۔ دونوں سلاموں کو واجب ماننے والوں کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کے دونوں سلاموں کو محبوب قرار دینے کی شکل میں تو یہی صحیح ہے کہ جب تک امام دونوں طرف سلام نہ پھیر لے اس وقت تک مسبوق مقتدی بقیہ نماز مکمل کرنے کے لیے کھڑا نہ ہو۔ البتہ جن کے نزدیک پہلا سلام واجب ہے اور صرف اسی ایک پر ہی اکتفا کرنا بھی صحیح ہے اور دوسرا سلام محض سنّت و مستحب ہے، ان حضرات کے نزدیک امام کے دائیں جانب سلام پھیر لینے کے ساتھ ہی مسبوق کو کھڑے ہو جانا چاہیے۔ سلطان العلماء علامہ العزبن عبدالسلام نے اپنے فتاویٰ میں اس ثانی الذکر ہی کو اوّلیت دی ہے۔[1]

سلام پھیرنے کے بعد امام کے لیے ہدایت:

جب امام و مقتدی سب سلام پھیر لیں تو امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ مقتدیوں کی طرف منہ پھیر لے اور قبلہ رو نہ بیٹھا رہے، کیوں کہ صحیح بخاری شریف اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں اس موضوع کی کئی احادیث ہیں، جن میں سے تین تو امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب یستقبل الإمام الناس إذا سلّم" میں وارد کی ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھیں: فتاویٰ سلطان العلماء (ص: ۶۰، فتویٰ نمبر ۳۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ))[1]

''نبی ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو ہماری طرف رُخِ انور پھیر لیتے۔''

حدیث کا سیاق اس بات کا پتا دیتا ہے کہ نبی ﷺ اس عمل پر ہمیشگی فرماتے رہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو امام حضرات سلام پھیرنے کے بعد بھی قبلہ رو ہی بیٹھے رہتے ہیں، ان کا یہ فعل خلافِ سنّت ہے۔ اسی طرح جو پیش امام سلام پھیرنے کے بعد دائیں جانب منہ کر کے قبلہ رو ہونے کے بجائے شمال رو (بغداد رو) ہو جاتے ہیں، یہ بھی سنّتِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٣٣٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سجدۂ سہو

کوئی نماز فرض ہو یا سنّت و نفل، چاہے وہ نمازِ وتر ہو، سوائے نمازِ جنازہ کے، جس نماز میں بھی نمازی سے کچھ بھول چوک ہو جائے اور وہ بھول بھی ایسی ہو کہ نماز کا کوئی رکن نہ چھوٹا ہو، مثلاً قیام یا رکوع و سجود ہی نہ چھوٹ جائیں کہ جن کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی اور جن کو ادا کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں۔ بعض دیگر امور میں بھول ہو جائے تو اس کا ازالہ نماز کے آخر میں دو سجدے کرنے سے ہو جاتا ہے، جنھیں ''سجدۂ سہو'' کہا جاتا ہے۔

نماز کو پوری توجہ سے ادا کرنا اور اِدھر اُدھر کے خیالات سے بچنا باعثِ فضیلت واجر ہے، لیکن اس کے باوجود بھی انسان سے بھول چوک ممکن ہے۔ عام انسان تو کجا، خیر البشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی بعض اوقات نماز میں بھول ہو جایا کرتی تھی، جس کا اندازہ صحیح احادیث میں مذکور متعدد واقعات سے ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ» [1]

''میں بھی تمھاری طرح کا ایک انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، مَیں بھی بھول جاتا ہوں، لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔''

صحیح مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

[1] مشكاة (٣/ ٣٠) النيل (٢/ ٣/ ١١٧) الفتح الرباني (٤/ ١٢٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«إِذَا زَادَ الرَّجُلُ أَوْ نَقَصَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ»[1]

''جب کوئی شخص اپنی نماز میں کمی یا زیادتی کر جائے تو اسے چاہیے کہ (نماز کے آخر میں) دو سجدے کرے۔''

سجدۂ سہو کی چار مختلف صورتیں:

نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کے وقت اور موقع و محل کی تعیین اور اس کے طریقے سے قبل آیئے دیکھیں کہ سجدۂ سہو کن صورتوں میں کیا جائے گا؟

1 ان میں سے پہلی شکل یہ ہے کہ نمازی بھول کر نماز پوری ہونے سے پہلے ہی سلام پھیر لے اور بعد میں کسی کے بتانے سے پتا چل جائے کہ نماز پوری نہیں ہوئی، بلکہ ایک رکعت یا کم و بیش باقی ہے، ایسی صورت میں فوراً اُٹھ کر چھوٹی ہوئی نماز مکمل کر کے سجدۂ سہو کرنا چاہیے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ والی حدیث معروف ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز کی امامت کرائی اور صرف دو رکعتیں پڑھ کر ہی سلام پھیر لیا اور ایک لکڑی کے پاس آ گئے جو مسجد میں رکھی تھی اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

لوگ جلدی جلدی وہیں پہنچ گئے، مگر کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ایک صحابی حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ (جن کا اصل نام خرباق سُلمی تھا) نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تصدیق کرائی اور جب بات واضح ہوگئی کہ صرف دو ہی رکعتیں پڑھی گئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو (دو رکعت) نماز چھوٹی تھی وہ ادا فرمائی، پھر سلام

[1] فقه السنة (١/ ٢٦٦) نيل الأوطار ٢/ ٣/ ١١٢

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھیرا، پھر سہو کے دوسجدے کیے اور پھر سلام پھیرا...الخ۔[1]

2 سہو کی دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کی رکعتیں زیادہ پڑھ لی جائیں۔ جیسا کہ بخاری ومسلم، سننِ اربعہ، مسند احمد اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ نمازِ ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیا نماز زیادہ ہوگئی ہے؟ فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں، تو آپ ﷺ نے سہو کے دوسجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔[2]

3 سہو کی تیسری شکل یہ ہے کہ نمازی قعدۂ اولیٰ یا تشہّدِ اوّل کے لیے بیٹھنا بھول جائے اور بیٹھنے کے بجائے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ صحیحین و سننِ اربعہ، مسند احمد، موطأ امام مالک اور بیہقی میں ہے کہ نبی ﷺ نمازِ ظہر کی دوسری رکعت کے بعد تشہّد پڑھے بغیر (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہو گئے اور سلام پھیرنے سے پہلے آپ ﷺ نے سہو کے دوسجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔[3]

جبکہ ابو داود، ابن ماجہ، مسند احمد، دارقطنی اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص دوسری رکعت میں قعدہ کیے بغیر کھڑا ہونے لگے، لیکن اگر وہ پوری طرح کھڑا نہ ہوا ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے، اس پر کوئی سجدہ سہو لازم نہیں اور کھڑا ہو چکا ہو تو اسے چاہیے کہ پھر نہ بیٹھے، بلکہ آخر میں سہو کے دوسجدے کر لے۔[4]

---

1. صحيح البخاري (٣/ ٩٦ـ ٩٩) سنن الترمذي (٢/ ٤٢٠ـ ٤٢٩) مشكاة (٣/ ٣٣ـ ٣٧) الفتح الرباني (٤/ ١٤٠ـ ١٤٥)
2. صحيح البخاري (٣/ ٩٣ـ ٩٤) مشكاة المصابيح (٣/ ٣٠) سنن الترمذي (٢/ ٤٠٩ـ ٤١٠) الفتح الرباني (٤/ ١٥٣)
3. صحيح البخاري (٣/ ٩٢) مشكاة (٣/ ٣٨) الفتح الرباني (٤/ ١٥٠ـ ١٥١) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١١٩) شرح السنة (٣/ ٢٨٩)
4. مشكاة المصابيح (٣/ ٣٩) وصححه الألباني (١/ ٣٢٢) الفتح الرباني (٤/ ١٥٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4 سہو کی چوتھی شکل یہ ہے کہ کسی کو اس بات میں شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اس شکل کا ذکر صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان، مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کی رکعتوں کی تعداد بھول جائے اور اسے شک ہو جائے کہ نہیں معلوم اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار، تو اسے چاہیے کہ اپنا شک دُور کرے اور یقینی بات پر بنیاد رکھ کر نماز پوری کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ اس طرح اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھ لی ہوں گی تو (ان دو سجدوں کی وجہ سے) وہ شفع (جفت یا جوڑی) ہو جائیں گی اور اگر اس نے پوری نماز ہی پڑھی ہو گی تو یہ (دو سجدے) شیطان کی ذلت و رسوائی کا باعث بن جائیں گے۔[1]

ایک دوسری حدیث میں شک زائل اور یقین حاصل کرنے کا طریقہ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو، تو اسے چاہیے کہ اپنی ایک ہی رکعت سمجھے اور جب اسے یہ شک ہو جائے کہ اس نے دو رکعتیں پڑھی ہیں یا تین، تو اسے چاہیے کہ اپنی دو ہی رکعتیں سمجھے، اور جب اسے یہ شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی یا چار تو اسے چاہیے کہ اپنی تین ہی رکعتیں سمجھے، پھر نماز کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔[2]

ان دونوں حدیثوں کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ تین یا چار، دو یا تین اور دو یا ایک میں شک ہو جائے، مگر اُن دونوں میں سے کوئی ایک پہلو ظنِ غالب سے راجح ہو تو پھر

1 مشكاة (٣/ ٢٩) صحيح البخاري (٣/ ١٠٣) الفتح الرباني (٤/ ١٣٠)

2 الفتح الرباني (٤/ ١٣١ـ ١٣٢) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١١٣) سنن الترمذي (٢/ ٤١٩) شرح السنة (٣/ ٢٨٢) مشكاة (٣/ ٤١) وصححه الألباني (١/ ٣٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظنِ غالب پر ہی بنیاد رکھے، اور اگر کوئی پہلو بھی ظنِ غالب سے راجح محسوس نہ ہو تو پھر کم پر بنیاد رکھ کر نماز مکمل کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے اور بعد دونوں طرح ہی ثابت ہے اور اس بات پر تمام ائمہ وفقہا کا اتفاق ہے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ و فقہا رحمہم اللہ نے سجدۂ سہو کے وقت کے بارے میں مختلف مذاہب اختیار فرمائے ہیں۔

سجدۂ سہو کا موقع ومقام، مختلف اقوال میں:

علامہ عراقی رحمہ اللہ کی شرح الترمذی سے نقل کرتے ہوئے امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الأوطار" میں مندرجہ ذیل دس اقوال بیان کیے ہیں:

1. پہلا یہ ہے کہ سہو چاہے کیسا بھی ہو، سجدۂ سہو سلام کے بعد ہی کرنا ہوگا۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کا ذکر آیا ہے۔

2. اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہے۔ یہ بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اکثر فقہائے مدینہ، علمائے حدیث اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول (جدید) ہے۔ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کا ذکر آیا ہے۔

3. اس مسئلے میں تیسرا قول یہ ہے کہ جہاں نماز میں کمی ہو، وہاں سلام پھیرنے سے پہلے اور جہاں نماز میں زیادتی ہو، وہاں سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا جائے گا۔ یہ امام مالک، مزنی، ابو ثور اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح دونوں قسم کی احادیث پر اُن کے موقع و محل کے مطابق عمل ہو جائے گا اور کسی حدیث کے منسوخ ہونے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعوے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس مسلک کو بہت سراہا ہے۔

4 اس موضوع میں چوتھا قول یہ ہے کہ جس جس موقع پر سلام سے پہلے یا سلام کے بعد سجدۂ سہو حدیث میں ثابت ہے، وہاں اسی طرح ہی سجدہ کیا جائے گا اور سہو کی جس شکل کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں، وہاں صرف سلام سے پہلے ہی سجدۂ سہو کیا جائے۔ یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

5 پانچواں قول یہ ہے کہ جس موقع پر سجدۂ سہو حدیث سے ثابت ہے، وہاں اسی طرح ہی سجدہ کیا جائے گا اور جہاں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، وہاں نماز میں کمی کے وقت سلام سے پہلے اور زیادتی کے وقت سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا جائے گا۔ یہ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

6 اس سلسلے میں چھٹا قول یہ ہے کہ نماز میں شک ہو جانے کی شکل میں اگر ظنِ غالب پر اعتماد کر کے نماز مکمل کر لے تو وہ سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے اور اگر اس شکل میں کم مقدار پر بنیاد رکھ کر نماز مکمل کرے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کر لے۔ یہ امام ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

7 ساتواں قول یہ ہے کہ بھولنے والے کو اختیار ہے کہ نماز میں کمی ہو یا زیادتی وہ اپنی مرضی سے چاہے تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کر لے یا بعد میں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت کے مطابق یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

8 آٹھواں قول یہ ہے کہ صرف دو شکلوں کے سوا ہر شکل میں سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدۂ سہو کیا جائے گا اور اُن دو شکلوں میں نمازی کو سلام سے پہلے یا بعد سجدۂ سہو کا اختیار ہے۔ پہلی شکل وہ ہے جب نمازی دو رکعتوں کے بعد تشہّد پڑھے بغیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور دوسری شکل وہ ہے جب نمازی کو رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے۔ یہ ظاہریہ اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

9 سجدۂ سہو کے مقام و موقع کی تعیین کے سلسلے میں معروف محقق و مجتہد امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سب سے عمدہ بات تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اقوال و افعال کے تقاضے کے مطابق ہی سلام سے پہلے یا بعد سجدۂ سہو کیا جائے۔ جن شکلوں میں سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کی قید ہے، وہاں پہلے اور جہاں بعد کی ہے وہاں بعد میں کیا جائے اور جہاں ایسی کوئی قید آپ ﷺ کے کسی قول و فعل سے ثابت نہیں، وہاں کمی یا زیادتی ہر شکل میں ہی نمازی کو اختیار ہے کہ پہلے کرے یا بعد میں، کیوں کہ صحیح مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ مطلق ہے:

«اِذَا زَادَ الرَّجُلُ اَوْ نَقَصَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ»[1]

''جب انسان اپنی نماز میں کمی یا زیادتی کر جائے تو اسے چاہیے کہ سہو کے دو سجدے کر لے۔''

10 ''المرعاۃ شرح المشکاۃ'' میں امام ابو داود ظاہری کا مسلک یہ لکھا گیا ہے کہ سجدۂ سہو صرف انھی چند شکلوں میں ہے جن میں احادیث سے ثابت ہے، دیگر کسی بھول پر سجدۂ سہو نہیں۔ علامہ عبیداللہ رحمانی نے سب سے راجح مسلک اسے قرار دیا ہے کہ نمازی کو اختیار ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کر لے یا بعد میں۔

بہر حال یہ سب اقوال محض اوّلیت و افضلیت کے بارے میں ہیں، البتہ جواز کی حد تک اس بات پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کر لے یا بعد میں، ادا ہو جائے گا۔[2]

---

1 نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١١٠) شرح السنة (٣/ ٨٦) المحلّى لابن حزم (٢/ ٤/ ١٧٠)

2 المرعاة (٣/ ٣٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سجدۂ سہو کا طریقہ:

اب رہا سجدۂ سہو کا طریقہ تو وہ یوں ہے کہ اگر سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہو تو آخری تشہّد، درود اور دعا کے بعد دو سجدے کیے جائیں، جبکہ سجدہ جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہا جائے اور پھر دونوں طرف سلام پھیر لیا جائے، جیسا کہ سہو کی چوتھی شکل کے ضمن میں گزرا ہے۔ اگر سجدۂ سہو سلام کے بعد ہو تو آخری رکعت میں تشہّد، درود شریف اور دعا کے بعد دونوں طرف سلام پھیر لیں، پھر سہو کے دو سجدے کریں اور دوبارہ سلام پھیر لیں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ اور دیگر کتبِ حدیث میں مذکور ہے، جس کا ذکر سہو کی پہلی شکل کے ضمن میں گزرا ہے۔

آج کل جو طریقہ عموماً مروّج ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو اور پھر تشہّد اور پھر دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے، یہ طریقہ بھی کثیر فقہا و علما اور ائمہ کا اختیار فرمودہ ہے اور ان کا استدلال ابو داود و ترمذی کی ایک روایت سے ہے، جسے بعض محدّثینِ کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

لیکن صرف ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ کس حدیث سے لیا گیا ہے؟ وہ ہماری نظر سے نہیں گزری، وہ غالباً محض اجتہاد کی بنیاد پر ہے، ورنہ دونوں طرف سلام پھیرنا ہی اصل اور معروف ہے، جبکہ صحیح بخاری شریف کے ترجمۃ الباب میں حضرت انس، حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے تشہّد نہ پڑھنے کا ذکر منقول ہے۔[2]

ان دونوں طرح کی روایات کے پیشِ نظر صاحبِ محلّی اور صاحبِ مرعاۃ نے اسے ہی راجح قرار دیا ہے کہ اگر کوئی چاہے تو سجدۂ سہو کے بعد دوبارہ تشہّد نہ پڑھے

[1] المرعاۃ (۳/ ۳۹) تحقیق زاد المعاد (۱/ ۲۸۸۔ ۲۸۹) تحقیق المشکاۃ (۱/ ۳۲۲) فتح الباري (۳/ ۹۸۔ ۹۹) نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۱۲۱۔ ۱۲۲) سنن أبي داوٗد (۳۵۸۔ ۳۶۰) سنن الترمذي (۲/ ۴۱۲۔ ۴۱۴)

[2] صحیح البخاري مع الفتح (۳/ ۹۷۔ ۹۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اگر چاہے تو پڑھ لے۔[1]

سجدۂ سہو کی تسبیحات:

سہو کے دونوں سجدوں میں بھی عام نماز کے سجدوں کی طرح ہی « سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعُلٰی» ہی پڑھنا ضروری ہے، کیوں کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«اِجُعَلُوُهَا فِیُ سُجُوُدِكُمُ»[2]

''اس تسبیح کو (نماز کے) سجدوں میں پڑھا کرو۔''

مسبوق کا سجدہ کب ہو؟

اگر امام سے بھول ہوئی ہو تو مقتدی بھی سجدۂ سہو کریں۔ البتہ جو شخص بعد میں شامل ہوا ہو، وہ امام کے سلام سے پہلے سجدہ کرنے کی شکل میں تو سجدے کرے، لیکن اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو ہو تو وہ امام کے ساتھ سجدہ نہ کرے، بلکہ امام کے سلام پھیرتے ہی کھڑا ہو جائے اور نماز مکمل کرے، پھر سجدۂ سہو کر لے۔[3]

سجدۂ سہو بھول جانا:

اگر کوئی شخص سجدۂ سہو بھول جائے اور سلام پھیر کر اگلی نماز شروع کر دے تو وہ سلام پھیرنے کے بعد الگ سے سہو کے دو سجدے کر لے، لیکن اگر سجدۂ سہو میں طویل تاخیر ہو جائے تو پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔

امام اثرم سے مروی ہے کہ اگر کسی معمولی معاملے میں سہو ہوا ہو تو پھر سجدۂ سہو نہ کرنے پر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔[4]

1. المرعاۃ (۳/ ۳۹) المحلّٰی (۲/ ٤/ ۱٦۹۔ ۱۷۰)
2. المحلی لابن حزم (۲/ ٤/ ۱۷۰)
3. المحلی لابن حزم (۲/ ٤/ ۱٦٦۔ ۱٦۷)
4. المغني لابن قدامۃ (۲/ ۳۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ السفر یا نمازِ قصر

مشہور مقولہ ہے کہ ''سفر وسیلۂ ظفر ہے۔'' ممکن ہے بعض پہلوؤں سے یہ بات صحیح ہو، کیوں کہ مسند احمد، بیہقی، طبرانی اوسط اور مسند الشہاب للقضاعی وغیرہ میں ایک حدیث ہے:

((سَافِرُوا تَصِحُّوا، وَاغْزُوا تَسْتَغْنُوا))[1]

''سفر کرو! صحت مند رہو گے، اور غزوہ و جہاد کرو! غنی ہو جاؤ گے۔''

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر و غزوہ کے ایک ساتھ ملانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے سفرِ جہاد مراد ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔[2] شیخ البانی نے اسے ضعیف شمار کیا ہے۔[3]

یہی وجہ ہے کہ حبیبِ کبریا حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشادِ گرامی سے تو کوئی اور ہی بات مترشح ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سفر کو عذاب کا ایک حصہ قرار دیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، مسند احمد، موطا امام مالک، ابن ماجہ اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ

[1] الفتح الرباني (٥/ ٥٤) ضعيف الجامع الصغير (٣/ ٢٠٥) سلسلة الأحاديث الضعيفه (١/ ٢٧٨)

[2] الفتح الرباني (٥/ ٥٤)

[3] ضعيف الجامع الصغير (٣/ ٢٠٥) سلسلة الأحاديث الضعيفة (١/ ٢٧٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَ نَوْمَهٗ، فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلِ الرُّجُوْعَ اِلٰى اَهْلِهٖ» [1]

''سفر عذاب کا ایک حصہ ہے، وہ تم میں سے ہر کسی کو (بروقت) کھانے پینے اور نیند (و آرام کرنے) سے روکتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص (سفر کا باعث بننے والی) ضرورت پوری کر لے تو اسے چاہیے کہ پھر جلد اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ جائے۔''

سفر میں سہولتیں:

سفر انسانی زندگی کا ایک جزء ہے اور مذکورہ ارشادِ نبوی ﷺ کی رو سے یہ باعثِ مشقّت بھی ہوتا ہے۔ آج چاہے سفر کی بے شمار سہولتیں مہیا ہیں مگر مجموعی طور پر مشقّتِ سفر ایک حقیقت ہے۔ ہمارے دینِ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ یہ دینِ فطرت ہے اور انسانی احوال کے مطابق ہی احکام دیتا ہے، جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سفر کی مشقّتوں کے پہلو کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ کریم میں اور نبیِ اکرم ﷺ نے احادیثِ شریفہ میں اپنے ماننے والوں کو بہت سی آسانیاں عطا کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ دورانِ سفر چار فرضوں والی نمازوں کی صرف دو رکعتیں پڑھ لے۔ ظہر و عصر اور پھر اسی طرح مغرب و عشا کو جمع کر کے کسی ایک کے وقت ہی میں دونوں کو ادا کر لے تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

نمازوں کی متعلقہ مؤکدہ و غیر مؤکدہ سنّتیں نہ پڑھے تو کھلی رخصت ہے۔ البتہ فجر کی سنّتیں اور نمازِ وتر سفر کے دوران میں بھی نبی ﷺ پڑھ لیا کرتے تھے جو ان دونوں کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح سردیوں کے موسم میں مقامی آدمیوں کے

[1] صحيح البخاري (٣/ ٦٢٢) الفتح الرباني (٥/ ٥٨) مشكاة المصابيح (٢/ ١١٤٣) رقم الحديث (٣٨٩٩) صحيح الجامع (٣/ ٢٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے موزوں یا جرابوں پر مسح کی مدت چوبیس گھنٹے مگر مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، ہمارا دین انتہائی فطرتی و آسان ہے۔

نمازِ قصر کے دلائل:

ہمارے پیشِ نظر اس وقت یہاں دینِ اسلام کی خصوصیات و امتیازات میں سے صرف ایک ہی پہلو ہے اور وہ ہے صلاۃ المسافر یا نمازِ قصر یعنی نمازِ دوگانہ۔

1 قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾﴾ [النساء: ١٠١]

’’اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں قصر و اختصار کر لو (خصوصاً) جبکہ تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے، کیوں کہ وہ کھلم کھلا تمھاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔‘‘

بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قصر صرف ’’خوف‘‘ کے وقت ہی جائز ہے۔ لیکن نبیِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے پتا چلتا ہے کہ قصر ہر سفر میں جائز ہے، خواہ اس میں کوئی خوف ہو یا اس کا شائبہ تک بھی نہ ہو۔

’’خوف‘‘ کے اوقات کی نماز جنگی حالات کے مطابق مختلف احوال میں مختلف انداز سے پڑھی جاتی ہے، جسے ’’صلاۃ الخوف‘‘ کہا جاتا ہے، جس کے بعض ضروری احکام و مسائل بھی ہم بعد میں ذکر کریں گے۔ إن شاء اللّٰہ۔ بلا خوف و خطر سفر میں قصر کرنے کے عدمِ جواز کا جو شبہہ مذکورہ سابقہ آیت کے آخری کلمات سے ہو سکتا ہے، اس کا ازالہ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے فرما دیا ہے۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

2 صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ لوگ اب تک سفر میں قصر کیے جا رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ''جب تم سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں قصر کر لو جبکہ تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ستائیں گے۔'' جبکہ آج خوف کی یہ حالت باقی نہیں رہی۔ اس پر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

《عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ》[1]

''جس چیز پر آپ کو تعجب ہو رہا ہے خود مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا اور میں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے، لہٰذا تم اس کا صدقہ قبول کرو۔''

قصر کی رکعتیں:

قصر کرنے پر ہر نماز کی کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں؟ اس کی وضاحت صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''(شروع میں) نماز کی دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں، پھر چار کر دی گئیں، لیکن سفر کی نماز پہلے فرضوں جتنی (دو رکعتیں) ہی رہی۔''[2]

یہ تو ظہر و عصر اور عشا کی نمازوں کے بارے میں صریح ہے کہ سفر میں ان کی صرف دو دو رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی، جبکہ فجر کی ہوتی ہی دو ہیں اور مغرب کی تین۔ ان دونوں نمازوں کے فرضوں کی تعداد میں کوئی قصر نہیں اور ان میں قصر نہ ہونے پر

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٤٢١) الفتح الرباني (٥/ ٩٤) المرعاة (٣/ ٢٥٩)

[2] مشكاة المصابيح (٣/ ٢٧٠ـ ٢٧١) الفتح الرباني (٥/ ٩٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے۔[1] کیوں کہ صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے:

''مکہ مکرمہ میں دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بحکمِ الٰہی) ہر دو رکعتوں کے ساتھ دو رکعتوں کا اضافہ فرمایا سوائے مغرب اور فجر کے، کیوں کہ مغرب دن کی نمازِ وتر ہے اور فجر کی قراءت لمبی ہوتی ہے۔ البتہ سفر کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی ہی نماز پڑھتے تھے۔''[2]

اسی طرح بخاری و ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''مغرب پہلے دن سے ہی تین رکعتیں تھیں اور سفر و حضر میں برابر تین رکعتیں ہی رہیں۔''[3]

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ سفر میں فجر کے دو فرض، ظہر و عصر کے بھی دو دو فرض، مغرب کے تین اور عشا کے بھی دو فرض ہوتے ہیں۔

قصر کا حکم:

صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''منیٰ میں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں (نمازِ قصر) پڑھائیں، جبکہ ہم لوگ ہمیشہ کی نسبت تعداد کے لحاظ سے زیادہ اور انتہائی پُر امن بھی تھے۔''[4]

1. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٠)
2. الفتح الرباني (٥/ ٩٢)
3. الفتح الرباني (٥/ ٩٢) مشكاة المصابيح (١/ ٤٢٣) صحيح البخاري (٢/ ٥٧٢)
4. الفتح الرباني (٥/ ١٠١) مشكاة المصابيح (٣/ ٢٥٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفر میں ہمیشہ قصر، سنتِ خیر البشر ﷺ:

احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ سفر میں ہمیشہ نمازِ قصر پڑھا کرتے تھے۔ کسی معتبر روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے سفر میں کبھی چار رکعتیں بھی پڑھی ہوں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''نبیِ اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق و عمرِ فاروق رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی ابتدائے خلافت (کے چھے یا آٹھ سال) میں یہی تھا۔''[1]

جبکہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں انہی سے مروی ہے:

«صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ»[2]

''میں نبی ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں۔ آپ ﷺ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ...﴾ [الأحزاب: ٢١]

''تمھارے لیے رسول اللہ کی ذاتِ گرامی میں بہترین نمونہ ہے....۔''

[1] مشكاة مع المرعاة (٣/ ٢٦٩)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٥٦٣) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٩٨) مشكاة (٣/ ٢٦١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصر واجب یا جائز؟

اس سلسلے میں تو تمام ائمہ وفقہا کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیشہ سفر میں نمازِ قصر ہی پڑھی ہے۔ البتہ اس بارے میں ائمہ کرام بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی دو طرح کی رائے پائی جاتی تھی کہ آیا سفر میں قصر واجب ہے یا صرف جائز؟ اور دورانِ سفر پوری نماز پڑھنا افضل ہے یا قصر کرنا افضل ہے؟

مذکورہ سابقہ اور اسی موضوع کی بعض دیگر احادیث کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ائمہ تابعین میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، قتادہ اور حسن بصری رحمہم اللہ اور ائمہ وفقہائے احناف رحمہم اللہ کے نزدیک سفر میں قصر واجب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سفر میں چار رکعتیں پڑھ لے اور وقت ہوتے ہوئے اسے حقیقتِ حال معلوم ہوجائے تو وہ نماز کا اعادہ کرلے اور قصر پڑھے۔ لیکن وجوبِ قصر کے وہ بھی قائل نہیں، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عائشہ و عثمان اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، احمد اور شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک قصر واجب نہیں بلکہ محض رخصت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک اکثر اہلِ علم کی بھی یہی رائے ہے۔ ان کا استدلال ایک تو اس آیت سے ہے، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ [النساء: ۱۰۱]

”اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ وحرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرلو۔“

ان کے نزدیک جناح یا مضائقہ وحرج وجوب پر نہیں بلکہ رخصت پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی صحیح مسلم والی اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے، جس میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ»[1]

''یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے۔''

نبی ﷺ نے قصر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''صدقہ'' قرار دیا ہے۔ صدقہ کے ظاہر سے قصر کا رخصت ہونا ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ واجب ہونا، اور ایسی ہی کئی دوسری دلیلیں بھی ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے طرفین کے دلائل ذکر کرنے کے بعد وجوب کے راجح ہونے کے میلان کا اظہار کیا اور لکھا ہے کہ قصر ہی افضل ہے، کیوں کہ نبی ﷺ ہمیشہ قصر کیا کرتے تھے اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ نبی ﷺ عمر بھر افضل کو ترک کر کے مفضول پر عمل کرتے رہے ہوں۔[2]

جن روایات میں قصر کے بجائے تکمیل کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہیں۔[3]

یہ ایک خالص علمی نوعیت کی بحث ہے اور طرفین کے پاس ہی دلائل بھی ہیں۔ اب اسے واجب سمجھیں یا رخصت قرار دیں، کچھ بھی ہو، لیکن یہ بات طے ہے کہ نبی ﷺ اپنے سفر میں ہمیشہ قصر پڑھا کرتے تھے، لہٰذا ہمیں بھی قصر ہی پڑھنی چاہیے کہ یہی سنتِ رسول ﷺ ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے قصر نہیں کرتا تو اس کی نماز بھی درست ہے اور اعادے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔[4]

ہاں سفر کے دوران میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھنے والے اکثر لوگوں پر تعجب ضرور ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف سنّتِ رسول ﷺ اور افضل کو ترک کرتے ہیں، بلکہ

---

1. حوالہ جات گزر گئے ہیں۔
2. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ١٩٩۔ ٢٠٥) فتح الباري (٢/ ٥٦٤۔ ٥٦٥، ٥٦٩۔ ٥٧٢) المحلی لابن حزم (٢/ ٤/ ٢٦٤۔ ٢٧٢) شرح مسلم نووي (٣/ ٥/ ١٩٤۔ ٢٠٠) الفتح الرباني (٥/ ٩٧۔ ١٠٠)
3. دیکھیں: الإرواء (٣/ ٦۔ ٩)
4. المرعاة (٣/ ٢٥٥) تحفة الأحوذي مع الترمذي (٣/ ١٠٤)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

خود اپنے امامِ مجتہد کی مخالفت بھی کر جاتے ہیں اور جب تھوڑی مشقّت پر زیادہ اجر مل رہا ہو تو پھر اپنے آپ کو زیادہ مشقّت والے کام میں ڈالنے سے کیا حاصل؟ ویسے بھی صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهٗ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهٗ»

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں کو اپنایا جائے، جیسا کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے شروع میں اس حدیث کے دوسرے درجِ ذیل الفاظ کا جو انکار کیا ہے، یہ ان کا تسامح ہے۔[1]

«... كَمَا يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى عَزَائِمُهٗ»[2]

''... جیسے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے اوامر پر عمل کیا جائے۔''

قصر کی مسافت:

نمازِ قصر کے لیے سفر کی وہ کم از کم مسافت و مقدار کیا ہے کہ جس میں قصر کی جائے؟ اس کی تعیین نہ تو سورۃ النساء کی آیت (۱۰۱) سے ہوتی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ ...﴾ ''جب تم سفر پر نکلو....''

کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا ہے کہ ''جب تم سفر پر نکلو'' اور نہ نبیِ اکرم ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مسافت کی وہ کم از کم مقدار کیا ہے؟ بلکہ آپ ﷺ کے بارے میں جو چیز صحیح احادیث میں بلاشبہہ ثابت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر سفر ہی میں قصر نماز پڑھی ہے اور کسی سفر کے دوران میں بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص اس مقدار سے کم سفر کرے وہ

[1] نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٤) و صححه الألباني في الإرواء (٣/ ٩)

[2] إرواء الغليل ٣/ ١٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصر نہ کرے۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی کوئی ایک متفقہ رائے نہیں۔ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف سفروں کے پیشِ نظر مختلف آرا ظاہر فرمائی ہیں۔ امام ابن المنذر رحمہ اللہ اور دیگر کبار محدّثین و علما نے اس سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے بیس سے زیادہ اقوال نقل کیے ہیں۔

احناف کا مسلک:

ایک قول کے مطابق احناف کا مسلک یہ ہے کہ تین مراحل (بہتّر میل) سے کم مسافت ہو تو قصر نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی روایات ملتی ہیں، اور ”البحر الرائق“ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے قصر کی مسافت چوبیس فرسنگ منقول ہے، جبکہ ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے۔ نیز ”البحر الرائق“ ہی میں امام صاحب رحمہ اللہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ سفر پیدل یا اونٹ پر تین دنوں میں طے ہو۔ ان کا استدلال بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہے، جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ (مَسِيْرَةَ) ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ»

”کوئی عورت کسی محرم کے بغیر وہ سفر نہ کرے جس کی مسافت تین دن میں طے ہو۔“

جمہور ائمہ کا مسلک:

باقی تینوں ائمہ اور فقہاء اصحاب الحدیث کے نزدیک قصر کی مسافت دو مرحلے یا اڑتالیس میل ہے۔ ان کا استدلال نسائی شریف کے سوا معروف کتبِ صحاحِ ستہ (صحیحین وسننِ اربعہ) میں مذکور اس حدیث سے ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا يَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْمَحْرَمٍ»

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”کسی عورت کے لیے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور رات میں طے ہونے والا سفر کسی محرم کے بغیر کرے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اور رات میں طے ہونے والی مسافت کو نبی ﷺ نے سفر کہا ہے۔ اپنی اس بات کی تائید کے لیے بخاری شریف کے ترجمۃ الباب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ چار برید کی مسافت پر نماز میں قصر اور روزہ افطار کیا کرتے تھے۔ پھر چار برید کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ سولہ فرسنگ (یعنی اڑتالیس میل یا ۷۲ کیلومیٹر) ہوتے ہیں۔“[1]

علمائے حدیث کا مسلک:

شارح مشکاۃ علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ نے اسی اڑتالیس (۴۸) میل والے مسلک کو اختیار کیا ہے۔[2]

لیکن مجتہدِ مطلق امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تین یا ایک شب و روز کی مسافت والی احادیث سے اس بات کی وضاحت تو ہوتی ہے کہ اتنی مسافت ہو تو عورت اکیلی سفر نہیں کر سکتی، لیکن قصر کی مسافت کے بارے میں ان احادیث میں صراحت نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت مرفوعاً مذکور ہے: ”اے مکہ والو! چار برید سے کم مسافت میں قصر نہ کیا کرو، جیسا کہ مکہ اور عسفان کے مابین مسافت ہے۔“ یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ استدلال و حجت ہے، کیوں کہ اس کی سند میں ایک شخص عبدالوہاب بن مجاہد بن جبیر محدّثین کے نزدیک متروک ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اسے کذب و جھوٹ کی طرف منسوب کیا ہے اور ازدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٦٥۔ ٥٦٩)

[2] المرعاة (٣/ ٢٥٦)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

روایت لینا جائز نہیں۔ اس سے روایت بیان کرنے والا دوسرا راوی اسماعیل بن عیاش بھی ضعیف ہے۔[1]

اکثر علمائے حدیث کے نزدیک مسافتِ قصر نو میل یعنی تین فرسنگ ہے اور ان کا استدلال مسلم، ابو داود، اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا خَرَجَ مَسِیْرَۃَ ثَلَاثَۃِ اَمْیَالٍ اَوْ ثَلَاثَۃِ فَرَاسِخٍ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ»[2]

''نبی ﷺ جب تین میل یا تین فرسنگ کی مسافت پر نکلتے تو قصر کیا کرتے تھے۔''

میل اور فرسنگ کا یہ شک امام شعبہ رحمہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان دونوں میں سے یقینی بات تین فرسنگ ہے، کیوں کہ تین میل تین فرسنگ میں داخل ہیں اور تین فرسنگ کے نو میل ہوتے ہیں۔ بخاری شریف کی شرح میں حافظ عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مسافت کی تعیین کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور صریح یہی حدیث ہے، یہ کہنا کہ اس سے مسافت کی انتہا مراد نہیں بلکہ قصر کی ابتداء مراد ہے، یہ احتمال بعید از قیاس ہے، کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے شخص یحییٰ بن یزید نے اس مسافت کے بارے میں سوال کیا تھا جس میں قصر جائز ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا تھا۔ ابتدائے قصر کے مقام کے بارے میں انھوں نے پوچھا ہی نہیں تھا، جیسا کہ مسند احمد و بیہقی کی روایت کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

«سَاَلْتُ اَنَسًا عَنْ قَصْرِ الصَّلَاۃِ وَکُنْتُ اَخْرُجُ اِلَی الْکُوْفَۃِ...

[1] نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۲۰۶) و إرواء الغلیل (۳/ ۱۳۔ ۱۴)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٦٤٨) التلخیص الحبیر (۲/ ٤٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَعْنِي مِنَ الْبَصْرَةِ... فَأُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى أَرْجِعَ»[1]
''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نمازِ قصر کے بارے میں سوال کیا جبکہ میں بصرہ سے کوفہ جایا کرتا تھا اور واپس آ جانے تک دو دو رکعتیں (قصر) ہی پڑھا کرتا تھا۔''

لہٰذا مذکورہ تاویل غیر درست ثابت ہوئی۔[2]

پھر صحیح یہ ہے کہ قصر کی ابتدا کے لیے کوئی متعین مسافت نہیں، بلکہ محض اپنے شہر یا گاؤں سے نکل جانا ہی کافی ہے۔ اس سے بھی مذکورہ تاویل کا ضُعف واضح ہو جاتا ہے۔

علمائے ظاہریہ کا مسلک:

اس بارے میں ظاہریہ نے قصر کے لیے کم از کم مسافت تین میل کو اختیار کیا ہے اور ان کا استدلال بھی اسی مسلم و ابو داود اور مسند احمد والی حدیث سے ہے، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سب سے زیادہ صحیح اور صریح قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں تین میل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کرنا بھی مذکور ہے۔ (جیسا کہ گزرا ہے)

اس کی تائید سنن سعید بن منصور میں مذکور اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَافَرَ فَرْسَخًا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ»[3]
''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک فرسخ (تین میل) سفر کرتے تو اس میں نماز قصر پڑھا کرتے تھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تلخیص الحبیر'' میں یہ حدیث نقل کی ہے اور

1. صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢٠٠) الفتح الرباني (٥/ ١٠٣) سنن أبي داود (٤/ ٦٦)
2. فتح الباري (٢/ ٥٦٧) الفتح الرباني (٥/ ١٠٣)
3. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس پر کوئی جرح وتنقید نہیں کی۔ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو پھر واضح ہو گیا کہ تین میل سے کم مسافت میں قصر جائز نہیں، لیکن بعض دیگر کبار محدّثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے۔لہٰذا اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہ ہوا۔[1]

محقّقین و مجتہدین کا مسلک:

معروف محقّق و مجتہد علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلّی" میں مسافتِ قصر کے بارے میں بکثرت اقوال ذکر کیے ہیں، جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین و ائمہ اور فقہا رحمہم اللہ نے مسافتِ قصر کی تعیین کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قصر کی کم از کم مسافت ایک میل ہے، اس سے زیادہ ہر وہ مسافت جسے عرفِ عام یا لغت میں سفر کہا جاتا ہو، اس میں قصر جائز ہے، خواہ وہ سفر چھوٹا ہو یا بڑا۔

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اور "المغني" میں امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے جبکہ عہدِ قدیم اور دورِ جدید کے بے شمار محقّقین علمائے کرام نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ وہ چھوٹی بڑی مسافت جسے لغت یا عرفِ عام میں سفر کہا جاتا ہے، اس میں قصر کرنا جائز ہے۔[2]

ان کا استدلال سورۃ النساء کی آیت کے الفاظ: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ ...﴾ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق سفر فرمایا ہے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ تعیین نہیں فرمائی کہ اتنا سفر ہو تو قصر کرو ورنہ نہیں، اور نہ تمام مسلمانوں کا کسی ایک مسافت پر اجماع ہے، لہٰذا مطلقاً ہر سفر میں قصر جائز ہے اور ایک میل سے کم مسافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قصر ثابت نہیں۔

اس موضوع کے بارے میں آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین بھی پیشِ نظر

[1] إرواء الغلیل ٣/ ١٥)

[2] محلی ابن حزم (٣/ ٥/ ٢ طبع بیروت) المغني لابن قدامه (٢/ ٢٠٩) زاد المعاد (١/ ٤٦٤۔ ٤٧٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھے جائیں تو پھر تنگ نظری کی نوبت نہیں آتی، بلکہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس اجتہادی مسئلے میں کسی بھی جہت کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً لیکن بیہقی و ابن المنذر کے یہاں موصولاً حضرت ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اڑتالیس میل کے سفر میں قصر کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دوسری صحیح روایات میں اس سے کم وبیش مسافت میں بھی قصر ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ ان سے تین میل میں قصر کا قول مذکور ہے اور ابن ابی شیبہ ہی میں صحیح سند سے ان کا مکہ مکرمہ سے منیٰ جا کر قصر کرنا ذکر ہوا ہے۔ ایک روایت میں ایک میل مذکور ہے اور صحیح سند کے ساتھ انہی سے مروی ہے:

«وَاِنِّیْ لَاُسَافِرُ السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ وَاَقْصُرُ»

”میں دن سے ایک گھڑی سفر کرتا ہوں اور اس میں قصر پڑھتا ہوں۔“

ان کے علاوہ ان سے چھیانوے، بہتّر اور تیس میل کی مسافت میں قصر کرنے کی روایات بھی ملتی ہیں۔[1]

معالم السنن خطابی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پندرہ میل پر قصر پڑھا کرتے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں (مکہ سے) عرفات جا کر قصر کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ نخلستان تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں کو ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں اور پھر اسی دن مدینہ واپس تشریف لے آئے۔[2]

ان سب تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سفر میں قصر جائز ہے۔ البتہ استنادی حیثیت سے اس مسئلے میں سب سے صحیح اور صریح حدیث وہی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ

---

[1] فتح الباري (٢/ ٥٦٧) إرواء الغليل (٣/ ١٧)

[2] معالم السنن للخطابي (٢/ ٤٩) عون المعبود (٤/ ٦٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا ہے کہ نبی ﷺ تین میل یا تین فرسنگ (نو میل) کی مسافت میں قصر کیا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ برید بارہ میل اور فرسخ یا فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے اور میل سے مراد یہاں عربی ہاشمی میل ہے، جس کی پیمائش میں کچھ اختلاف ہے۔[1]
تین ہاشمی میل پانچ معروف میل یا آٹھ کلومیٹر بنتے ہیں۔[2] اس طرح ۹ میل کے ۲۴ کلومیٹر بنتے ہیں اور اڑتالیس ہاشمی میل ۸۸ کلومیٹر اور ۷۰۴ میٹر بنتے ہیں۔[3]

کیفیتِ سفر:

یاد رہے کہ ”الفقه علی المذاهب الأربعة“ کے مطابق اس چیز پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے کہ قصر کی یہ مسافت (پیدل یا اونٹ وغیرہ پر جانے کی وجہ سے) خواہ کئی دن میں طے ہو یا پھر (تیز رفتار ذرائع مواصلات بس، کار، ہوائی جہاز وغیرہ کی وجہ سے) جلد طے ہو، اس میں بہرحال قصر جائز ہے۔[4]
کیوں کہ جوازِ قصر کا باعث سفر و مسافت ہے نہ کہ وقت۔ بعض لوگ آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ جی آج تو سفر ہی انتہائی آسان ہو گئے ہیں، لہٰذا قصر کی کیا ضرورت ہے؟ ان کا یہ کہنا نہ صرف یہ کہ مزاجِ شریعت سے موافقت نہیں رکھتا، بلکہ مذاہبِ اربعہ کے مذکورہ اتفاق کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا سفر میں قصر کی رخصت پر عمل کرنا چاہیے، جب کہ بعض ائمہ کے نزدیک تو قصر واجب ہے اور افضل بھی، جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

---

(1) فتح الباري (٢/ ٥٦٧) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٥) الفتح الرباني (٥/ ١٠٣ـ ١٠٤)

(2) صلاة المسلمين (ص: ٢٨٧)

(3) الفقه الإسلامی و أدلته للزحيلی (٢/ ٣٢١)

(4) الفقه الإسلامي (١/ ٤٧٣)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آغازِ قصر:

نمازِ قصر پڑھنے کا آغاز کہاں سے کیا جائے گا؟

اس سلسلے میں بھی نبی ﷺ سے کوئی تعیین ثابت نہیں۔ البتہ آپ ﷺ کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ جب آپ ﷺ بستی یا آبادی سے نکل جاتے تو قصر شروع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، مسند احمد، ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو۔''[1]

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے معلوم نہیں کہ نبی ﷺ نے کسی سفر پر نکلنے سے پہلے ہی نمازِ قصر کی ہو۔ پھر اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مسافر جب اپنی بستی کے مکانوں سے باہر نکل جائے تو قصر شروع کرے۔ یہی جمہور علمائے امت کا مسلک ہے۔''[2]

بعض جزوی امور سے قطع نظر ائمہ اربعہ کا بھی اس پر اتفاق ہے۔[3]

مدتِ قصر:

اب رہی یہ بات کہ ایک شخص سفر پر نکلے اور اسے چند دن راستہ طے کرتے لگ جائیں اور پھر جہاں پہنچے وہاں اس کا کچھ مدت ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو دورانِ سفر تو وہ قصر ہی کرتا جائے گا، لیکن جب وہ کہیں جا کر ٹھہر جائے تو وہاں کب تک قصر

1. صحيح البخاري (٢/ ٥٦٩) إرواء الغليل (٣/ ٢٠)
2. فتح الباري (٢/ ٥٦٩) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٧)
3. الفقه الإسلامي (٢/ ٣٢١، الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٤٧٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھی جا سکتی ہے اور کتنے دنوں سے زیادہ قیام کرنے کا ارادہ ہو تو پھر پوری نماز پڑھی جائے گی؟

اس سلسلے میں نبیِ اکرم ﷺ کے کسی ارشاد سے اس کی تعیین نہیں ہوتی، بلکہ آپ ﷺ جب تک کسی سفر میں رہتے، نمازِ قصر ہی پڑھتے رہتے تھے اور کسی سفر میں آپ ﷺ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ جو شخص اس سے زیادہ کسی سفر میں رہے تو وہ قصر نہ کرے۔ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ مسلسل کئی دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور قصر کرتے رہے، جیسا کہ صحیح بخاری، مسلم، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ»

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ مسلسل (ہر نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ ہم سب مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔''

حضرت یحییٰ بن ابی اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا؟ فَقَالَ: أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا»

''آپ لوگ مکہ مکرمہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہم وہاں دس دن ٹھہرے تھے۔''

صحیح مسلم شریف کے الفاظ میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ سفر حج کے لیے تھا اور بیہقی کی روایت میں یہ صراحت بھی پائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ سوائے نمازِ مغرب کے ہر نماز کی دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔[1]

---

[1] صحيح البخاري (١/ ٥٦١) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢٠٢) الفتح الرباني (٥/ ١٠٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری ”بَابُ كَمْ اَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّتِهِ؟“ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَاَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّوْنَ بِالْحَجِّ، فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً اِلَّا مَنْ مَعَهُ الْهَدْيُ»[1]

”نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم چار (ذوالحج) کی صبح کو (مکہ مکرمہ) پہنچے۔ وہ حج کا تلبیہ پکار رہے تھے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم فرمایا کہ (جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے اسے چھوڑ کر باقی) سب لوگ عمرہ کا تلبیہ کہیں۔“

اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ چار ذوالحج سے لے کر چودہ ذوالحج کی صبح تک مسلسل مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں دس دن رہے اور یہ دس دن آپ ﷺ وہاں قیام کی نیت سے ٹھہرے تھے، پھر بھی قصر پڑھتے رہے۔[2]

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ انیس دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرے اور مسلسل قصر ہی پڑھتے رہے، جیسا کہ صحیح بخاری، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«اَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ فَنَحْنُ اِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَاِنْ زِدْنَا اَتْمَمْنَا»[3]

”نبی ﷺ انیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ (اور اس سے آگے فرماتے ہیں:) جب ہم انیس دن کا سفر کریں گے تو قصر پڑھیں گے اور

---

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٦٥)
2. فتح الباري (٢/ ٥٦٥)
3. صحيح البخاري (٢/ ٥٦١) الفتح الرباني (٥/ ١١٠)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اگر اس سے زیادہ مدت کا سفر ہوگا تو پھر پوری نماز پڑھیں گے۔‘‘

بخاری شریف کی کتاب المغازی میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ قیام مکہ مکرمہ میں تھا۔[1]

اسی واقعے کے بارے میں ابو داود میں فتح مکہ کا ذکر بھی ہے، مگر اس میں سترہ دن مذکور ہیں۔ ابن حبان میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابو داود کی ایک دوسری حدیث میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ دن ذکر کیے ہیں۔ ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ و بیہقی میں پندرہ دن کی روایت بھی ہے۔ امام بیہقی نے ان سب روایات کو جمع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے انیس دن کہا ہے، اس نے مکہ میں داخل ہونے اور روانہ ہونے والے دو دن بھی شمار کیے ہیں اور جس نے سترہ دن کہا ہے، اس نے یہ دو دن حذف کر دیے ہیں۔ جس نے اٹھارہ دن کہا ہے، اس نے داخلے اور روانگی کے دو دنوں کو ایک دن شمار کیا ہے اور پندرہ والے راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس نے گمان کیا کہ شاید اصل روایت سترہ دن کی ہے تو اس سے دو دن داخلے اور روانگی کے نکال کر پندرہ دن بیان کر دیے ہیں۔ اس وضاحت کے ساتھ ہی انھوں نے امام نووی رحمہ اللہ کے پندرہ دنوں والی روایت کو ضعیف قرار دینے پر عدمِ موافقت کا اظہار کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ اکثر اور صحیح تر احادیث میں انیس دن کا ذکر آیا ہے، لہٰذا یہی سب سے راجح ترین بات ہے۔[2]

مسند عبد بن حمید میں بیس دن کا ذکر بھی ہے۔ امام شوکانی نے اسے سند کے اعتبار سے صحیح مگر صحیح روایات کے مخالف ہونے کی بنا پر ’’شاذ‘‘ قرار دیا ہے۔[3]

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٨/ ٢١)

[2] فتح الباري (٢/ ٦٢ ـ ٥٦١) الفتح الرباني (٥/ ١١١) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٠)

[3] نيل الأوطار أيضاً.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبیِ اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری معرکۂ حق و باطل غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ بیس دن ٹھہرے رہے اور قصر پڑھتے رہے، جیسا کہ ابو داود، ابن حبان، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِتَبُوْكَ عِشْرِیْنَ یَوْمًا یَقْصُرُ الصَّلَاۃَ»[1]

''نبی ﷺ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور قصر پڑھتے رہے۔''

اس حدیث کو امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے مرسل و منقطع قرار دیا ہے۔[2]

مدتِ قصر میں مختلف اقوال:

صحیح بخاری، مسند احمد اور ابن ماجہ میں واقعۂ فتح مکہ کے سلسلے میں نبی ﷺ کے انیس دن قیام کرنے اور قصر کرنے کی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ جب ہم انیس دن سفر میں رہیں گے تو قصر کریں گے اور اگر اس سے زیادہ کا خیال ہوگا تو نماز پوری پڑھیں گے۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور اسے سب سے قوی قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور حجۃ الوداع والے واقعہ کے پیشِ نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدتِ قصر صرف دس دن منقول ہے اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے پندرہ دن کی مدت بیان کی گئی ہے (جبکہ دوسری روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بارہ دن کی مدتِ قصر بھی منقول ہوئی ہے)، امام اوزاعی رحمہ اللہ بھی بارہ دن کی طرف گئے ہیں، مگر اس کی کوئی دلیل نہیں،

1. الفتح الرباني (٥/ ١١١) نیل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٩)
2. نیل الأوطار أیضًا و إرواء الغلیل (٣/ ٢٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ یہ محض اجتہاد ہے۔[1]

احناف کا مسلک بھی یہی ہے کہ جہاں آدمی پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے وہاں وہ پوری نماز پڑھے گا اور اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے گا۔ جبکہ حضرت عثمان و انس رضی اللہ عنہما اور ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے چار روز مدتِ قصر کی روایت ملتی ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور انھوں نے بعض احادیث سے استدلال کیا ہے، جو بظاہر اس بات میں صریح نہیں۔[2]

علامہ عبیداللہ رحمانی نے المرعاۃ میں اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔[3] لیکن یہ ترجیح محلِ نظر ہے، جبکہ بعض کبار علما نے لکھا ہے کہ مدتِ قصر کی کوئی حد مقرر نہیں، جب تک سفر میں رہے قصر کر سکتا ہے۔ امام شوکانی اور امیر صنعانی نے اس بات کی طرف صرف اشارہ کیا ہے، جبکہ علامہ ابن حزم نے دلائل دیے ہیں اور علامہ ابن قیم نے بظاہر اسے راجح قرار دیا ہے۔[4]

مجبور کے لیے حکم:

مذکورہ مدتِ قصر تو اس مسافر کے لیے ہے جس کا کسی شہر میں یا کسی جگہ پر جا کر ایک مقررہ مدت تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔ اگر کسی جگہ مجبوراً رکا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری زائل ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو ایسی جگہ بلا تعیّنِ مدت قصر پڑھی جا سکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سلسلے میں متعدد آثار اور مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ مسند احمد، بیہقی، مصنف عبدالرزاق اور سنن اثرم میں صحیح سند سے مروی ہے کہ

---

[1] تحفة الأحوذي (٣/ ١١٤)

[2] سنن الترمذي و تحفة الأحوذي (٣/ ١١٠۔ ١١٤) شرح السنة (٤/ ٨١۔ ١٧٥) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٠)

[3] المرعاة (٣/ ٢٥٦)

[4] نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١١) زاد المعاد (١/ ٤٦٤) المحلى لابن حزم (ص: ٢٤۔ ٢٨) سبل السلام (١/ ٢/ ٤١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

’’ہم غزوات کے سلسلے میں آذربائی جان میں تھے کہ برف باری کی وجہ سے وہاں ہمیں چھ ماہ رکنا پڑا اور اس ساری مدت ہی میں ہم دو رکعتیں (نمازِ قصر) پڑھتے رہے۔‘‘[1]

اسی طرح بیہقی میں ایک صحت و ضُعف کے مابین مختلف فیہ روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم رامہرمز میں نو ماہ مقیم رہے اور قصر کرتے رہے۔‘‘[2]

امام زیلعی رحمہ اللہ نے ’’نصب الرایة‘‘ میں ان کے علاوہ بھی کئی آثار نقل کیے ہیں۔[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اہلِ علم کا اجماع ہے کہ مسافر اگر اقامت کی نیت نہ رکھتا ہو (بلکہ مجبوراً رکا ہوا ہو) تو وہ قصر کرتا رہے گا، خواہ اس طرح اسے کئی سال ہی کیوں نہ رکنا پڑے۔[4]

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ البتہ شافعیہ کا کہنا ہے کہ ایسی شکل میں بھی پہلے اٹھارہ دن سے زیادہ قصر نہیں کرسکتا،[5] لیکن یہ مسلک عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سراسر خلاف ہے۔

سفر میں مسائلِ امامت و اقتدا:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اگر امام و مقتدی دونوں مسافر ہوں تو دونوں

---

1. إرواء الغليل (٣/ ٢٧ ـ ٢٨) تحفة الأحوذي (٣/ ١١٥) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢٠٩)
2. حوالہ جاتِ سابقہ، إرواء الغليل (ص: ٢٧) تحفة الأحوذي (ص: ٢١٤)
3. سبل السلام (١/ ٢/ ٤١)
4. سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي (٣/ ١١٤)
5. الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٤٨٠)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

ہی قصر کریں گے۔ اگر کسی جائز سبب کی بنا پر امام مسافر ہونے کے باوجود بھی پوری نماز پڑھے تو مقتدی کو بھی پوری ہی پڑھ لینی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل صحیح بخاری شریف اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ثابت ہے، لیکن سفر میں چار رکعتیں پڑھنے کے خلافِ اولیٰ ہونے کی وجہ سے انھوں نے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ بھی پڑھا۔ ابو داود میں ہے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سفر میں چار رکعتیں پڑھنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

((اَلْخِلَافُ شَرٌّ)) ''اختلاف شر ہے۔''

نیز سنن بیہقی کے الفاظ ہیں:

((اِنِّي لَاَكْرَهُ الْخِلَافَ)) [1] ''میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔''

اگر امام مقیم ہو تو مسافر قصر نہیں کرے گا، بلکہ مقیم امام کی طرح پوری نماز ہی ادا کرے گا، چاہے اس کے ساتھ ایک رکعت یا محض سجود و تشہّد ہی کیوں نہ پائے، کیوں کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت موسیٰ بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں جب مکہ میں (مسافر کی حیثیت سے) ہوں اور امام کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکوں تو تنہا کتنی رکعتیں پڑھوں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((رَكْعَتَيْنِ، سُنَّةَ اَبِي الْقَاسِمِ ﷺ)) [2]

''دو رکعتیں، جو ابو القاسم ﷺ کی سنّت ہے۔''

اس حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ امامِ مقیم کے پیچھے مسافر نماز ادا کرے تو پھر مسافر بھی پوری پڑھے قصر نہ کرے، جبکہ نسائی و مسند احمد میں تو بڑی صراحت سے مذکور

[1] صحيح البخاري مع فتح الباري (٢/ ٥٦٣ـ ٥٦٤)

[2] مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١٩٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اسی سائل نے پوچھا کہ جب ہم آپ کے ساتھ (مسجد میں مقیم امام کے پیچھے) نماز پڑھتے ہیں تو چار رکعتیں پڑھتے ہیں اور جب ہم اپنی قیام گاہ میں پڑھتے ہیں تو دو رکعتیں پڑھتے ہیں، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

''یہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔''[1]

ان احادیث سے مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی کی نماز کا جواز ثابت ہوا اور یہ بھی کہ وہ مسافر اس صورت میں نماز مکمل ادا کرے گا، جمہور ائمہ وفقہا کا یہی مذہب ہے۔ امام حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری، قتادہ اور مالک رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ اگر ایک رکعت یا اس سے زیادہ مقیم کی اقتدا میں ملے تو پوری پڑھے اور اگر اس سے کم ملے تو قصر کر سکتا ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، کثیر تابعین اور ائمہ میں سے امام ثوری، اوزاعی، ابو ثور رحمہم اللہ اور حنفیہ و شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ پوری نماز ہی پڑھے گا، چاہے اسے ایک رکعت سے کم نماز ہی مقیم کی اقتدا میں ملے۔[2] علامہ ابن حزم ہر حالت میں قصر کرنے کے قائل ہیں۔[3]

سفر میں سنن ونوافل:

وہ سفر جس میں نمازیں قصر کی جاتی ہیں، اس کے دوران میں عام سنّتوں اور نوافل کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کے سلسلے میں عام فہم سی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض رکعتوں کی چار کے بجائے دو پڑھنے کی اجازت دے دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عملِ مبارک سے ایک نمونہ قائم فرما دیا ہے تو پھر وہاں سنّتوں اور نوافل کی کیا ضرورت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے

[1] الفتح الرباني (٥/ ١٠٢)

[2] الفتح الرباني (٥/ ١١٠، ٢٨٠، ٢٨١)

[3] المحلی لابن حزم (٣/ ٥/ ٣١ـ ٣٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زادالمعاد میں لکھا ہے کہ کسی صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کسی سفر میں فرض نماز سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھے ہوں، سوائے فجر کی سنّتوں اور نمازِ وتر کے، یہ دونوں آپ ﷺ سفر و حضر ہر موقع پر پڑھا کرتے تھے۔[1]

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر کتبِ حدیث کے حوالے سے متعدد احادیث گزری ہیں، جن میں مذکور ہے کہ سفر میں آپ ﷺ صرف دو دو رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے اور مغرب کی تین۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ، وَقَالَ اللّٰهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾»[2]

”میں نبی ﷺ کے ساتھ (سفر میں) رہا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو سفر میں (نمازوں کی) سنّتیں اور نوافل پڑھتے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اللہ کے رسول کے عمل میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے“۔“

مسلم شریف میں تو بڑی وضاحت ہے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت حفص بن عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (اپنے چچا) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مصاحبت میں سفرِ مکہ پر نکلا، انھوں نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں، پھر سب اُن کے مقامِ قیام (خیمہ وغیرہ) میں چلے گئے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر ان کا دھیان اس جگہ کی طرف گیا جہاں نماز پڑھی تھی تو دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ سنّتیں پڑھ

---

1. زاد المعاد بتحقيق الأرناؤوط (١/ ٤٧٣)
2. صحيح البخاري (٢/ ٥٧٧) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٩٨) الفتح الرباني (٥/ ١٤٢)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رہے ہیں۔ اس پر فرمایا:

《 لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ يَا ابْنَ اَخِيْ، اِنِّيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي السَّفَرِ فَلَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ، وَصَحِبْتُ اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ، وَصَحِبْتُ عُمَرَ فَلَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ، ثُمَّ صَحِبْتُ عُثْمَانَ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ 》

”بھتیجے! اگر مجھے سنّتیں پڑھنا ہی ہوتیں تو پھر میں نماز کو پورا ہی کیوں نہ پڑھ لیتا۔ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ سفر کیے۔ آپ ﷺ دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روحِ اطہر قبض کر لی گئی۔ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی سفر کیے ہیں، وہ بھی دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی روحِ عنصری قبض کر لی گئی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی میں نے سفر کیے ہیں، وہ بھی سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی روحِ عنصری بھی قبض کر لی گئی، پھر میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی سفروں میں رہا ہوں (وہ بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے) یہاں تک کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے آغازِ عہدِ خلافت کے چھ یا آٹھ سال بعد نماز کو مکمل پڑھنا وارد ہوا ہے، اُس کی اس سے نفی نہیں ہوتی، بلکہ یہ غالبیت کی بنا پر ہے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ جب ان سے ان کے مکمل نماز پڑھنے کا ذکر ہوا تو انھوں نے مذکورہ آیت: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ پڑھ دی تھی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے ساتھ ہوتے تو چار اور جب اکیلے ہوتے تو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

''تمھارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے۔''

عام نفل نمازیں:

امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر اہلِ علم سفر کے دوران میں سنّتیں پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ان سنّتوں سے مراد صرف نماز کے پہلے اور بعد والی مؤکدہ سنّتیں ہیں۔ البتہ عام نفلی نماز اس سے الگ ہے۔ خود ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی عام نوافل پڑھا کرتے تھے اور یہ عام نوافل تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ يُومِئُ بِرَأْسِهِ»[2]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر نوافل پڑھتے تھے، سواری چاہے جس رُخ پر بھی جا رہی ہوتی اور اپنے سرِ اَقدس کے اشارے سے (رکوع و سجود) کرتے تھے۔''

اسی حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل تھا۔ صحیح بخاری و مسلم شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دورانِ سفر وتر پڑھنا بھی ثابت ہے۔[3]

---

[1] متفق عليه، مشكاة المصابيح (١/ ٤٢٥)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٥٧٨) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢٠٩)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٥٧٣) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢١٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں نبی ﷺ کا دورانِ سفر فجر کی سنّتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔[1]

صحیح بخاری شریف ہی میں نبی ﷺ کا نمازِ ضحیٰ یا اشراق یعنی چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، جو انتہائی تخفیف سے ادا فرمائیں، مگر آپ ﷺ رکوع وسجود پوری طرح ادا کر رہے تھے۔[2]

جبکہ ابو داود، ترمذی، بیہقی اور مسند احمد کی بعض احادیث سے دورانِ سفر نبی ﷺ کا ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور بعد میں دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشا کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ موطا امام مالک اور مسند احمد کی بعض روایات میں آپ ﷺ کے دورانِ سفر تہجد ادا کرنے کا بھی ذکر ہے۔[3]

ان مختلف قسم کی احادیث کے مجموعی مفاد سے شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ جمع وتطبیق ذکر کی ہے کہ دورانِ سفر چار قسم کے نوافل وسنن کی اجازت ہے۔ پہلی وہ سنّتیں جو فرضوں کے بعد والی مؤکدہ سنّتیں ہیں، دوسری وہ جن کا ایک وقت مخصوص ہوتا ہے، جیسے نمازِ ضحیٰ، تیسری صلاۃ اللیل یعنی تہجد اور چوتھی مطلق نفلی نمازیں ہیں۔[4]

بقول شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مؤکدہ سنّتوں کی نفی غالب احوال کے بارے میں ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ عموماً یہ سنّتیں اپنے گھر میں ادا کرتے ہوں گے اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں پاتے ہوں گے۔ یہ

[1] و انظر صحيح البخاري (٢/ ٥٧٨ ترجمة الباب)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٧٨)

[3] الفتح الرباني (٥/ ١٤٠۔ ١٤٢ مع الشرح)

[4] فتح الباري (٢/ ٥٧٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ بیانِ جواز کے لیے چھوڑ دیتے ہوں گے۔[1]

الغرض اس مسئلے میں وسعت ہے۔ اگر کوئی شخص صرف مغرب کے تین اور باقی نمازوں کے دو دو فرائض ہی پڑھتا جائے اور فجر کی سنّتیں اور نمازِ وتر ادا کر لے تو کافی ہے۔ اگر کوئی شخص سنّتیں اور دوسرے نوافل پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔[2]

دورانِ سفر جمع بین الصلاتین:

نبی ﷺ کی مشروع کی ہوئی رخصتوں یا رعایتوں میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ نمازی ظہر و عصر کی نمازیں ایک وقت میں، اسی طرح مغرب و عشا کی دونوں نمازیں بھی ایک وقت میں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ﴾[3]

”نبی ﷺ جب زوالِ آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو نمازِ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے، پھر کہیں رک کر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل سورج سر سے ڈھل چکا ہوتا تو پھر آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھ کر سوار ہوتے تھے۔“

جمع تاخیر:

اس حدیث سے نمازِ ظہر و عصر دونوں کو نمازِ عصر کے وقت ادا کر لینے کے جواز

[1] شرح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٩٨)

[2] فتح الباري (٢/ ٥٧٣۔ ٥٧٩) شرح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٩٨۔ ٢٠٩۔ ٢١٠۔ ٢١١) الفتح الرباني (٥/ ١٤٠ تا ١٤٤) زاد المعاد (١/ ١٧٣۔ ١٧٦)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٥٨٢) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢١٤) الفتح الرباني (٥/ ١٢١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کا پتا چلتا ہے، جسے ''جمع تاخیر'' کہا جاتا ہے۔

جمع تقدیم:

ظہر وعصر کو نمازِ ظہر کے وقت جمع کر کے ادا کرنے کا ثبوت بھی کئی احادیث سے ملتا ہے، جسے ''جمع تقدیم'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سنن بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ﴾[1]

''نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کو (ظہر کے وقت میں جمع کر کے) اکٹھی ادا فرماتے، پھر سفر شروع کر دیتے تھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام شوکانی رحمہ اللہ کے بقول اس حدیث کے متعدد طُرق اربعین الامام حاکم اور طبرانی اوسط میں بھی ہیں۔ امام منذری و علائی اور دیگر اہلِ فن نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس موضوع کی احادیث ابو داود، ترمذی اور مسند احمد میں بھی ہیں، جن سے جمع تقدیم کے جواز کا پتا چلتا ہے۔[2]

خاص صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے نمازِ ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی گئی تو نمازِ عصر پڑھی اور ان دونوں کے مابین آپ ﷺ نے کوئی سنن ونوافل نہیں پڑھے۔

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ﴾[3] ''یہ زوالِ آفتاب کے بعد ہوا۔''

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کے وقت ظہر

---

[1] فتح الباري (٢/ ٥٨٣) الفتح الرباني (٥/ ١٢٢) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٤)

[2] فتح الباري (ص ٥٨٣) نيل الأوطار (ص ٢١٣۔ ٢١٥)

[3] نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٥)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

وعصر دونوں کو پڑھا اور یہی جمع تقدیم ہے۔ دو نمازوں میں جمع تقدیم و تاخیر (جمع حقیقی) صحیح مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، مسند احمد، موطا مالک، مسند شافعی، دارقطنی اور بیہقی میں ثابت ہے۔

امام نووی "المجموع" (٤/ ٣٧٢) حافظ ابن حجر "التلخیص الحبیر" (١/ ١٣٠) اور ابن القیم "زاد المعاد" (١/ ٨٨۔ ١٨٧) و "أعلام الموقعین" (٣/ ٢٥) نے اس موضوع کی بعض متکلم فیہ احادیث کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ امام شوکانی جمع صوری کے حق میں ہیں۔[1] جبکہ امیر صنعانی کا رجحان جمع حقیقی کے جواز کی طرف ہے۔[2]

جمع صوری:

بعض اہلِ علم نے جمع بَین الصلا تین کو ''جمع حقیقی'' نہیں بلکہ ''جمع صوری'' قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ نے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخّر اور دوسری کو اوّل وقت تک مقدّم کر کے پڑھا، تاکہ ہر دو نمازیں ہی اپنے اپنے وقت پر ہوں۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس بات پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جمع ایک رخصت ہے اور اگر جمع صوری والوں کی بات مان لی جائے تو پھر یہ رخصت نہیں بلکہ نمازی کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی کہ ہر نماز کو اُس کے وقت پر اور جمع کر کے پڑھا جائے، کیوں کہ نمازوں کے ٹھیک اوّل و آخر اوقات کی پہچان تو اکثر خواص کو نہیں ہوتی، چہ جائیکہ عوام کو ہو سکے۔ جمع حقیقی کے رخصت ہونے کی دلیل تو صحیح مسلم میں مذکور ہے:

«اَرَادَ اَنْ لَا یُحْرِجَ اُمَّتَهُ»[3]

---

[1] نیل الأوطار (٢/ ٣/ ١٨) إرواء الغلیل ٣/ ٢٨)

[2] سبل السلام (١/ ٢/ ٤١۔٤٣)

[3] فتح الباري (٢/ ٥٨٠)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ اپنی امت کو مشقت میں مبتلا نہ کریں۔''

پھر جمع حقیقی پر دلالت کرنے والی بکثرت احادیث بھی موجود ہیں، جن میں سے چند ایک سابق میں مذکور بھی ہوئی ہیں، لہٰذا جمع صوری پر بضد رہنا چہ معنیٰ دارد؟

نمازِ ظہر و عصر کی طرح ہی نمازِ مغرب و عشا کا معاملہ بھی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ﴾[1]

''نبی ﷺ دورانِ سفر مغرب و عشا کو جمع کر کے پڑھ لیا کرتے تھے۔''

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

﴿كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ﴾

''نبی ﷺ سفر کی جلدی میں مغرب و عشا جمع کر کے ادا کر لیا کرتے تھے۔''

جبکہ بخاری و مسلم شریف کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

﴿إِذَا أَعْجَلَ بِهِ السَّيْرُ﴾[2]

''جب آپ ﷺ سفر کی جلدی میں ہوتے۔''

مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے کہ جب کبھی نبی ﷺ کو سفر طے کرنے کی جلدی ہوتی تو آپ ﷺ مغرب و عشا کو جمع کر لیا کرتے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کو سفر طے کرنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کو مؤخر کر دیتے، تاکہ مغرب و عشا کو جمع کر کے پڑھیں۔

---

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٧٩)
2. صحيح البخاري (٢/ ٥٧٩۔ ٥٨١) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢١٢۔ ٢١٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا بھی جلدی کے سفر میں یہی طریقہ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے مغرب کی اقامت ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیتے، پھر بہت معمولی سے وقفے کے بعد دوسری نمازِ عشا کی اقامت ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیتے۔ مغرب و عشا کے مابین یا عشا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نماز (سنّت ونفل) نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے۔[1]

منزلِ مقصود پر پہنچ کر جمع کرنا:

مذکورہ سابقہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید جمع بین الصلوٰتین صرف اسی وقت جائز ہے جب آدمی سفر میں رواں دواں ہو، جبکہ مؤطا امام مالک میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ مسافر رواں ہو یا کہیں ٹھہر چکا ہو، جمع کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر نماز کو موخر کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قیام گاہ سے نکلے اور ظہر وعصر کو جمع کر کے ادا فرمایا اور دوبارہ اپنی قیام گاہ میں داخل ہو گئے، پھر وہاں سے نکلے اور مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھا۔[2]

قیام گاہ میں داخل ہونا اور نکلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نمازیں سفر پر رواں دواں ہونے کی حالت میں نہیں بلکہ ایک جگہ قیام کر چکنے پر جمع کی جا رہی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رواں اور ٹھہرے ہوئے مسافر کے جمع کرنے یا نہ کرنے کے مسئلے میں یہ حدیث قاطعِ التباس اور ہر دو شکلوں میں جمع کے جائز ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔[3]

---

1. صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٨١)
2. فتح الباري (٢/ ٥٨٣)
3. حوالہ سابقہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان سب احادیث کے پیشِ نظر ہی کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ و فقہا رحمہم اللہ کے نزدیک دورانِ سفر مطلقاً ظہر و عصر اور مغرب و عشا کے مابین جمع جائز ہے۔[1] نمازی سفر میں رواں ہو یا کہیں ٹھہر چکا ہو، سفر جلد طے کرنے کا ارادہ ہو یا عام رفتار سے جا رہا ہو اور جمع تقدیم سے پڑھے یا جمع تاخیر سے، ہر طرح جائز ہے۔[2]

سفرِ حج میں جمع:

عام سفروں کے علاوہ خاص سفرِ حج میں بھی قصر و جمع اِسی طرح ثابت ہے، مگر حجاج کی کثیر تعداد اس رعایت سے مستفید نہیں ہوتی۔ میدانِ عرفات و مزدلفہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع و قصر سے ظہر و عصر اور مغرب و عشا ادا فرمائیں، ظہر و عصر کو ظہر کے وقت اور مغرب و عشا کو عشا کے وقت پڑھا تھا اور اس کے سنّت ہونے میں تمام ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے۔[3] کیوں کہ صحیح مسلم، نسائی اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ دو نمازیں پڑھیں اور مزدلفہ آئے تو وہاں مغرب و عشا بھی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دو نمازوں کے مابین کوئی سنن و نوافل نہیں پڑھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی۔[4]

صحیح بخاری شریف، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب و عشا کو جمع کر کے دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمایا اور ان کے مابین کوئی سنن و نوافل نہیں پڑھے اور نہ کسی کے بعد میں ہی۔[5]

---

1. فتح الباري (٢/ ٥٨٠)
2. الفتح الرباني (٥/ ١١٩)
3. الفتح الرباني (٥/ ١٣٩)
4. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٩)
5. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٨۔ ٢١٩) الفتح الرباني (٥/ ١٣٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارش میں جمع:

میدانِ عرفات و مزدلفہ اور عام سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کے علاوہ بعض مقامات اور حالات بھی ایسے ہیں کہ ان میں بھی جمع جائز ہے۔ مثلاً بارش کے دن جب بار بار مسجد میں آنا مشکل ہو تو مسجد میں دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَ ثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ»[1]

''نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں (رہتے ہوئے ہی) ظہر وعصر کی آٹھ اور مغرب وعشا کی سات رکعتیں پڑھیں۔''

جبکہ صحیح مسلم، ابو داود، ابن خزیمہ، مؤطا امام مالک اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کر کے ادا فرمایا: «فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ»[2]

''جبکہ نہ کوئی خوف تھا نہ آپ ﷺ مسافر تھے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

«مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ»[3] ''جبکہ نہ کوئی خوف تھا نہ بارش۔''

امام مالک رحمہ اللہ موطا میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

«أَرٰى ذٰلِكَ كَانَ فِيْ مَطَرٍ»[4]

---

1. صحيح البخاري (٢/ ٢٣) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٥)
2. نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٥) إرواء الغليل (٣/ ٣٤)
3. نيل الاوطار (٢/٣/٢١٥)، ارواء الغليل (٣/٣٤)، الفتح الرباني (٥/ ١٣١)
4. موطأ الإمام مالك مع تنوير الحوالك للسيوطي (١/ ١٦١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میرا خیال ہے کہ یہ بارش کی وجہ سے تھا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف یا بارش کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ تو انھوں نے فرمایا: ﴿اَرَادَ اَنْ لَّا يُحْرِجَ اَحَدًا مِنْ اُمَّتِهٖ﴾ [1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا کوئی شخص مشقت میں مبتلا نہ ہو۔''

ان احادیث میں جو ﴿مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا سَفَرٍ﴾ اور ﴿مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خوف و سفر کی طرح ہی بارش میں جمع کر لینا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بلا خوف و سفر اور بارش کے بغیر جمع کی وجہ دریافت نہ کی گئی۔ موطا امام مالک میں صحیح سند سے مروی ہے کہ امراء و حکّام جب بارش کی وجہ سے مغرب و عشا جمع کر کے پڑھتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ [2]

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (حضر میں) ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کرنے کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چاہی تو انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ [3]

شدید ضرورت و مجبوری میں جمع:

مذکورہ سابقہ سب احادیث و آثار سے بارش وغیرہ میں جمع بَین الصلاتین کے

[1] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٢١٥) الفتح الرباني (٥/ ١٣١) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٢١٥)
[2] موطا مع التنوير (١/ ١٦٢) إرواء الغليل (٣/ ٤١)
[3] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواز کا پتا چلتا ہے۔[1] کسی دوسرے سخت مشقّت و مجبوری کے موقع کا بھی یہی حکم ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اسے عادت نہ بنا لیا جائے۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں بعض تفصیلات میں اختلافِ رائے سے قطع نظر مجموعی طور پر جمع کے جواز پر اتفاق ہے۔ علمائے حدیث کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے، البتہ احناف بارش میں جمع کے قائل نہیں۔ بارش میں جمع بَین الصلاتین کے بارے میں ہمارا ایک تفصیلی مضمون متعدد جماعتی پرچوں میں عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔

بیماری میں جمع:

بیماری کی حالت میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر تو حدیث میں نہیں ملتا، لیکن امام احمد، امام مالک اور کئی دیگر کبار علماو فقہا کے نزدیک بیماری میں بھی دو نمازوں کو جمع کر لینا جائز ہے، کیوں کہ بیمار کو ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنے میں جو مشقّت اور دقّت پیش آتی ہے وہ بارش سے بھی زیادہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس دلیل کو قوی قرار دیا ہے۔[2]

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ کے مرض والی عورت کو ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ استحاضہ ایک نسوانی بیماری ہے جس میں عورت کو ہر مہینے کے حسبِ معمول ایامِ حیض کے علاوہ باقی دنوں میں بھی خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم، دارقطنی، بیہقی اور مشکل الآثار طحاوی میں حضرت

[1] جواز الجمع بين الصلاتين للمطر (٢/ ٢٣ـ ٢٤) رجح الحافظ الجمع الصوري وردّ عليه ابن باز. دیکھیں: ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور (جلد ١٦، شمارہ ٤٣، ١٠ صفر ١٤٠٦ھ، بمطابق ٢٥ اکتوبر ١٩٨٥ء)

[2] فقه السنة (١/ ٢٩١) جواز الجمع للمريض، البخاري معلقا وعبدالرزاق موصولا۔ البخاري مع فتح الباري (٢/ ٤٠ـ ٤١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں دو باتوں میں اختیار دیا:

اول: یہ کہ ہر نماز کے لیے وضو کر کے ادا کرتی جاؤ اور غسل صرف انقطاعِ حیض پر ایک مرتبہ ہی کر لو، کافی ہے۔

دوم: یہ کہ ظہر کو مؤخّر اور عصر کو مقدّم کر کے ان کے مابین غسل کرو اور یہ دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھ لو، پھر مغرب کو مؤخّر اور عشا کو مقدّم کر لو، پھر غسل کر کے ان دونوں کو جمع سے ادا کر لو اور فجر کے لیے غسل کر کے وہ پڑھ لو۔ اسی حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے: «اَیُّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَأَ عَنْكِ»[1]

''ان دونوں میں سے جسے بھی اپنا لو تم سے کفایت کر جائے گا۔''

ربِّ کائنات نے سچ ہی فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸]

''(اللہ) نے دین میں تم پر کوئی سختی نہیں کی۔''

[1] مشکاة (۱/ ٦٢٥) إرواء الغليل (۱/ ۲۰۲۔ و ۳/ ۳۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ الخوف

خوف کی حالت میں جو نماز ادا کی جاتی ہے، وہ ''صلوٰۃ الخوف'' کہلاتی ہے۔

صلوٰۃ الخوف کی مختلف انواع و اشکال اور طریقے:

اہلِ علم نے اس سلسلے میں وارد ہونے والی متعدد احادیث کی بنا پر صلوٰۃ الخوف کی مختلف انواع ذکر کی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں ان تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے جو تجزیہ کیا ہے، اس کا نتیجہ پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''اہلِ علم نے صلوٰۃ الخوف کے بارے میں مروی احادیث میں اختلافِ رواۃ کو دیکھ کر ہر واقعہ کی کئی شکلیں بیان کر دی ہیں، جو مجموعی طور پر سترہ (۱۷) تک جا پہنچی ہیں، لیکن درحقیقت نمازِ خوف کے اصولی و بنیادی طور پر صرف چھے ہی مختلف طریقے ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس تجزیہ کو ''معتمد'' قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی چھے اور سات کا عدد ہی منقول ہے۔[1]

بنیادی طریقہ:

ان سب میں سب سے پہلا بنیادی طریقہ تو خود قرآنِ کریم سورۃ النساء کی

[1] نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٧) فتح الباري (٢/ ٤٣١) المحلّى لابن حزم (٣/ ٥/ ٣٣۔ ٤٢) زاد المعاد (١/ ٣٢۔ ٥٣١) شرح مسلم للنووي (٣/ ٦/ ١٢٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت (۱۰۲) میں مذکور ہے۔ یہ طریقہ ان حالات کے لیے ہے جب دشمن کے حملے کا خطرہ تو موجود ہو مگر جنگ جاری نہ ہو۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿102﴾ ﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالتِ جنگ میں) انھیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اسلحہ جات لیے رہیں، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، وہ آ کر تمھارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ جات لیے رہیں۔ یہ اس لیے کہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں، البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اختصار کے پیشِ نظر نصوصِ حدیث کا ذکر کیے بغیر صرف اُن کے مفہوم کو آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جس سے سب طریقے آپ کے سامنے آ جائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا طریقہ:

ان طریقوں میں سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اگر دشمن قبلے کی جہت پر نہ ہو تو فوج یا مبتلائے خوف لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں۔ ایک گروہ دشمن کے سامنے ڈٹا رہے اور دوسرا امام کے ساتھ نماز شروع کر دے۔ جب یہ ایک رکعت مکمل کر لیں تو امام خاموشی سے کھڑا رہے اور مقتدی خود ہی دوسری رکعت پڑھیں اور سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں جا کھڑے ہوں۔ تب دوسرا گروہ آ جائے اور وہ امام کی دوسری رکعت میں شامل ہو جائے۔

اب امام اپنی دوسری رکعت کا قیام وقراءت اور رکوع وسجود مکمل کر کے تشہّد کی حالت میں خاموشی سے بیٹھ جائے، لیکن یہ لوگ اٹھ کر اپنی دوسری رکعت مکمل کر لیں اور پھر امام کے ساتھ تشہّد و دعا پڑھیں اور پھر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر لیں۔ یہ طریقہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، مؤطا امام مالک، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور ہے اور اس حدیث میں صراحت ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں نبی ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔[1]

دوسرا طریقہ:

دشمن کے قبلے کی جانب نہ ہونے کی شکل میں صلاۃ الخوف کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نمازیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے اور ان میں سے ایک حصہ دشمن کے مقابلے میں رہے اور دوسرے حصے کو امام ایک رکعت پڑھائے۔ ایک رکعت مکمل کر کے یہ حصہ دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر امام کی دوسری رکعت

[1] مختصر صحیح بخاری مترجم انگریزی (ص: ۷۷۲ دارالسلام) صحیح مسلم و شرح النووي (۳/ ۶/ ۱۲۸) سنن أبي داؤد (۴/ ۱۰۸۔ ۱۰۹) سنن الترمذي (۳/ ۵۵۔ ۵۳ نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۳۱۶) مشکاۃ (۳/ ۳۲۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ نماز شروع کر لے اور فوج کے دونوں حصے ہی ایک ایک رکعت کی قضا کریں۔ یہ طریقہ صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ، موطا امام مالک، مسند احمد اور بیہقی میں مذکور ہے کہ غزوۂ اہل نجد کے موقع پر نبی ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھائی۔[1]

تیسرا طریقہ:

صلاۃ الخوف ادا کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کے دو حصے کر کے ان میں سے ہر حصے کو دو دو رکعتیں پڑھائے۔ جب پہلا حصہ دو رکعتیں پڑھ کر امام کے ساتھ سلام پھیر لے اور دشمن کے مقابلے میں جا کر کھڑا ہوا تو دوسرا حصہ آ جائے اور وہ بھی پہلے حصے کی طرح ہی امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے اور اس کے ساتھ ہی سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار رکعتیں ہو جائیں گی، پہلی دو فرض اور دوسری دو نفل۔ نبیِ اکرم ﷺ کا اس طرح نمازِ خوف پڑھانا صحیح بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، مسند احمد، شافعی، صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان، مستدرک حاکم اور دارمی میں مذکور ہے۔[2]

چوتھا طریقہ:

دشمن قبلے کی جانب ہو تو اس موقع پر صلاۃ الخوف ادا کرنے کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ مقتدیوں کے دو گروہ بن جائیں اور دونوں ہی امام کی اقتدا میں نماز شروع کر لیں۔ قیام و رکوع وغیرہ تمام ارکان میں وہ دونوں گروہ ہی امام کے ساتھ ساتھ رہیں اور دشمن کی طرف سے بے خبر بھی نہ ہوں، لیکن جب امام سجدہ ریز ہو تو اس وقت آگے والے گروہ (مثلاً چھ صفیں ہونے کی شکل میں آگے والی تین صفوں) کے نمازی

1. صحيح البخاري (٢/ ٤٢٩) صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٢٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٨) سنن الترمذي (٣/ ١٤٩) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٨) مشكاة (٣/ ٣١٩)
2. صحيح البخاري، صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٢٩) سنن أبي داود (٤/ ١٢٦) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٩) مشكاة المصابيح (٣/ ٣٢٤) شرح السنة للبغوي (٤/ ٢٨٣)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو امام کے ساتھ ہی سجدے میں چلے جائیں، لیکن پیچھے والے گروہ یا پچھلی تین صفوں کے نمازی قومہ کی حالت میں رہیں، اور جب آگے والے سجدہ سے فارغ ہو جائیں تو پھر پیچھے والے سجدہ کر لیں اور پہلی رکعت مکمل ہونے کے بعد آگے والے پیچھے اور پیچھے والے آگے ہو جائیں اور پہلی رکعت کی طرح ہی دوسری رکعت بھی مکمل کریں اور پھر اکٹھے ہی تشہّد و دعا کے بعد امام کے ساتھ سلام پھیر لیں۔ یہ طریقہ صحیح مسلم، نسائی ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف پڑھنے والے ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اور ابو داود، نسائی و مسند احمد میں حضرت ابی عیاش زرقی رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے۔[1]

پانچواں طریقہ:

صلاۃ الخوف ادا کرنے کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ نمازیوں کے دو حصے ہو جائیں اور دونوں ہی تکبیرِ تحریمہ کے وقت امام کے ساتھ مل جائیں، اگرچہ ایک حصے کا منہ قبلہ جہت کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ایک حصہ تو دشمن کے سامنے ڈٹا رہے اور ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت مکمل پڑھ لے، پھر یہ دشمن کے مقابل جا کھڑے ہوں اور وہ آ جائیں، جبکہ امام اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہے گا، حتیٰ کہ دوسرا حصہ آ کر پہلے اپنے طور پر ایک رکعت نہ پڑھ لے۔ جب وہ ایک رکعت پڑھ چکیں تو امام دوسری رکعت شروع کر دے گا اور جب اس دوسرے حصے والوں کے ساتھ امام دوسری رکعت کے سجود سے فارغ ہو جائے تو تشہّد کی حالت میں خاموشی سے سب بیٹھ جائیں گے اور نمازیوں کا وہ پہلا حصہ آ جائے گا، جو ایک رکعت پڑھ کر چلا گیا تھا۔ اب وہ اپنے طور پر دوسری رکعت کے قیام و رکوع اور قومہ وسجود سے فارغ ہوں گے۔ اس کے بعد

[1] صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٢٥) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣١٩) سنن أبي داود (٤/ ١٠٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام اور نمازیوں کے دونوں ہی حصے مل کر تشہّد و دعا سے فارغ ہوں گے اور اکٹھے ہی سلام پھیریں گے۔

یہ طریقہ ابو داود، نسائی اور مسند احمد میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ نجد کے سال خود میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف (اسی طرح) پڑھی۔[1]

چھٹا طریقہ:

چھٹا طریقہ یہ ہے کہ نمازیوں کے دو گروہ بن جائیں اور ہر گروہ باری باری امام کے ساتھ صرف ایک ایک رکعت پڑھ کر ہی سلام پھیرتا جائے اور اسی ایک رکعت پر ہی کفایت کرے، دوسری رکعت ساتھ نہ ملائے۔ اس طرح امام کی تو دو رکعتیں ہو جائیں گی، لیکن نمازیوں کی صرف ایک ایک رکعت ہی مکمل نماز ہوگی۔ یہ طریقہ ابو داود، نسائی اور ابن حبان میں مذکور ہے۔ نسائی و ابن حبان میں ہے کہ ذی قرد کے مقام پر نبی ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھائی۔[2]

ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

اب رہا یہ اشکال کہ مقتدیوں کی اس صورت میں صرف ایک رکعت ہی کیسے کافی ہوگی اور صلاۃ الخوف کا کبھی صرف ایک رکعت ہی ہونا کہاں ثابت ہے؟

جن کتبِ حدیث کے حوالے سے ہم نے یہ چھٹا طریقہ ذکر کیا ہے، ان میں "وَلَمْ يَقْضُوا رَكْعَةً" کے الفاظ بھی مذکور ہیں کہ ایک ایک رکعت پڑھنے والوں نے بعد میں دوسری رکعت نہیں پڑھی۔

جبکہ صلاۃ الخوف کا صرف ایک ہی رکعت ہونا صحیح مسلم، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ

---

[1] سنن أبي داود (٤/ ١١٣) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣٢٠)

[2] سنن أبي داود (٤/ ١١٣) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣٢٠) سنن أبي داود مع العون (٤/ ١٢٢) مشكاة المصابيح (٣/ ٣٢٦) و صححه الألباني في تحقيقه (١/ ٤٤٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مسند احمد میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے چچا زاد بھائی ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً»[1]

''اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے تم پر قیام کی حالت میں چار، سفر میں دو اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ خوف و جنگ کے زمانے میں تو مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے بھی بہت آسانیاں عطا فرمائی ہیں، جن میں سے سورۃ النساء کی آیت (۱۰۲) میں مذکورہ صلاۃ الخوف ہے۔ سورۃ البقرہ آیت (۲۳۹) نے تو نماز کے بارے میں بعض سخت قواعد وضوابط کی پابندی بھی ختم کر دی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿239﴾﴾

''خوف و بدامنی کی حالت ہو تو خواہ پیدل ہو یا سوار، جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو۔''

نمازِ خوف کے بعض دوسرے طریقے بھی معمولی فرق سے ملتے ہیں، لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر انھی پر اکتفا کر رہے ہیں۔

نمازِ خوف ادا کرنے کے یہ چھے طریقے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ ان میں سے حسبِ موقع جس پر بھی عمل ممکن ہو، امام کو اختیار ہے کہ اسے ہی اپنا لے، کیوں کہ یہ سب جائز اور ثابت ہیں۔[2]

[1] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٩٦) سنن أبي داود (٤/ ١٢٥) الفتح الرباني (٥/ ٩٢)

[2] تفسير ابن كثير (١/ ٦٧) زاد المعاد (١/ ٥٢٩) المحلى (٣/ ٥/ ٣٣) الفتح الرباني (٧/ ١ـ ٣٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوف میں نمازِ مغرب کو ادا کرنے کا طریقہ:

مجاہدین کے دو حصوں میں سے ایک حصہ تو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے گا اور دوسرا حصہ ایک رکعت۔ ائمہ و فقہا میں سے بعض نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ پہلے حصے کو امام دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے کو ایک اور بعض دیگر کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حصے کو ایک رکعت پڑھائے اور دوسرے کو دو۔

پہلا طریقہ:

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صلاۃ الخوف کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں، ان میں نمازِ مغرب کا طریقہ مذکور نہیں۔[1]

موصوف کی اس نفی سے غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ نمازِ مغرب کی خوف کے موقع پر صرف تین رکعتیں ادا کرنے کی کیفیت بتانے والی کوئی صحیح و صریح اور قطعی غیر متکلم فیہ حدیث نہیں، ورنہ دارقطنی، بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں نمازِ مغرب کو ادا کرنے کا طریقہ بھی مذکور ہے اور وہ یوں کہ مقتدیوں کے دو حصے ہو جائیں۔ امام پہلے حصے کو پوری نماز تین رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرے تو وہ چلے جائیں اور دوسرے آ جائیں، پھر انھیں بھی تین رکعتیں ہی پڑھائے۔ مذکورہ کتب میں یہ طریقہ بھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار فرمودہ ہے۔ اس طرح مقتدیوں کی تین تین اور امام کی چھ رکعتیں ہو جائیں گی۔[2]

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور تلخیص المستدرک میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم کی تصحیح

---

1. فتح الباري (٢/ ٤٣٤)
2. سنن الدارقطني مع التعليق المغني (١/ ٢/ ٦١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو برقرار رکھا ہے۔ تاہم اس کی سند کے ایک راوی عَمرو بن خلیفہ بکراوی پر کچھ کلام کیا گیا ہے۔[1]

دوسرا طریقہ:

اب رہا مجاہدین کے دو حصے کر کے ایک حصے کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھانے کا معاملہ، تو اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ امام شوکانی نے بھی اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کے وجود کی نفی کی ہے، البتہ بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض آثار سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے خوف کی حالت میں نمازِ مغرب پڑھائی تھی اور انہی کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے کو دو رکعتیں پڑھائی تھیں، جبکہ "البحر الرائق" میں اس کے برعکس مذکور ہے کہ انھوں نے پہلے گروہ کو دو اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائی تھی۔

الغرض احناف اور مالکیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہ پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک پڑھائے، جبکہ امام شافعی و احمد رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی راجح تر روایت کے مطابق اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ پہلے کو ایک رکعت اور دوسرے کو دو رکعتیں پڑھائے۔[2]

ان ہر دو طریقوں کے مطابق جس گروہ کی جتنی نماز امام کے بغیر ہوگی، اس کی ادائیگی کی شکل حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی صلاۃ الخوف کے پہلے طریقے میں گزر چکی ہے۔[3]

---

[1] المرعاة (٣/ ٣٢٦)

[2] فقه السنة (١/ ٢٨١) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣٢٢) .

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: المغني (٢/ ٣٤١ـ ٣٤٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان سب طریقوں سے نماز کی بروقت ادائیگی اور جماعت کی اہمیت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

گھمسان کی جنگ اور دست بدست لڑائی میں نماز؟

گھمسان کی جنگ اور دست بدست لڑائی کی شکل میں اگر نماز باجماعت ممکن نہ ہوتو سورۃ البقرہ کی آیت (۲۳۹) میں ارشادِ الٰہی اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور احادیث کی رو سے پیدل یا سوار، قبلہ رو ہو کر یا جدھر بھی منہ ہو، ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر ہی نماز پڑھ لے، اور رکوع و سجود کے لیے صرف اشارے سے کام لے، البتہ رکوع کی نسبت سجدے کے لیے اشارہ کرتے وقت کچھ زیادہ جھکے۔[1]

انتہائی لاچاری اور مجبوری میں نماز:

انتہائی لاچاری و مجبوری کی بعض حالتوں میں نماز کو مؤخّر کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر نبیِ مکرم ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد پہلے نمازِ عصر اور پھر مغرب پڑھی تھی۔ یہ بات صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے۔[2]

تعاقب کرنے والے اور تعاقب کیے جانے والے کی نماز:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوۂ احزاب سے واپس لوٹے تو ہمیں حکم فرمایا:

«لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدًا الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ»[3]

”تم سب لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ بنی قریظہ کی بستی میں جا کر نماز پڑھو۔“

اب بعض لوگوں کو راستے ہی میں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا تو ان میں سے بعض

[1] صحيح البخاري (۲/ ۴۳۱۔ و ۸/ ۱۹۹) صحيح مسلم (۳/ ۶/ ۱۲۵) نيل الأوطار (۲/ ۳/ ۳۲۳)

[2] صحيح البخاري (۲/ ۷۲، ۴۳۴) الفتح الرباني (۲/ ۳۰۹)

[3] صحيح البخاري مع الفتح (۲/ ۴۳۶)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض دیگر نے کہا کہ پڑھ لیتے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا ہم سے ایسا کوئی ارادہ یا مطالبہ نہیں تھا۔ پھر بعد میں یہ بات نبی ﷺ کے گوش گزار کی گئی تو آپ ﷺ نے دونوں میں سے کسی پر سختی نہیں فرمائی۔[1]

.... ❀❀❀ ....

[1] دیکھیں: فتح الباري شرح صحيح البخاري (٢/ ٤٣٦) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٣٢٤) فقه السنة (١/ ٢٨٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کے بعد
مسنون اذکار ودعائیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوقاتِ قبولیت، آدابِ دعا و شرائطِ قبولیت

اوقاتِ قبولیت:

اللہ اَحکم الحاکمین کا دروازہ اپنے بندوں کے لیے ہر وقت کھلا ہے، کوئی جب بھی اسے پکارے وہ سنتا ہے۔ لیکن اس نے اپنے بندوں پر یہ بھی فضل و احسان کر رکھا ہے کہ اپنی عبادات و مناجات کے لیے بعض اوقات کو خاص کر دیا ہے جن میں دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ ان اوقاتِ مخصوصہ کی پوری تفصیل تو کتبِ حدیث اور خصوصاً کتب ادعیہ و اذکار میں بڑی مرتب و منظّم شکل میں مذکور ہے۔[1]

ہم یہاں موقع کی مناسبت سے ان اوقاتِ مخصوصہ میں سے صرف ایک وقت کا ذکر ہی کر رہے ہیں جو فرض نمازوں سے سلام پھیرنے کے بعد ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

«اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ؟»

”(اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) کون سی دعا سب سے زیادہ اور جلد قبول ہوتی ہے؟“

[1] نیز قبولیتِ دعا کی شرائط و آداب، اوقات و مقامات، مستجاب الدعوات وغیرہ امور کی تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب ”مسنون ذکرِ الٰہی“ مفصل (ص: ۱۵، تا ۸۵) یاد رہے کہ اس کتاب میں قرآن وسنت سے ثابت شدہ ۴۲۳ دعائیں و اذکار بھی جمع ہیں اور اب اس کا یہ حصہ ”آدابِ دعا“ کے نام سے الگ بھی شائع ہو چکا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الْمِنَّۃُ.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ»[1]

''رات کے آخری حصے کی دعائے سحر گاہی اور فرض نماز کے بعد کی دعائیں (بہت زیادہ اور جلد قبول ہوتی ہیں)۔''

آداب وشرائطِ قبولیت:

قبولیتِ دعا کے آداب وشرائط کا ذکر بھی قدرے طویل ہے۔ البتہ ان میں سے بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ بوقتِ دعا آدمی کو اخلاص للہ اور ایمان باللہ کا پیکر ہونا چاہیے، کیوں کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۶)، سورۃ الحج (آیت: ۳۷) سورۃ الغافر (آیت: ۵۵ اور ۵۶) اور سورۃ البینہ (آیت: ۵) میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ نیز یہ کہ آدمی کو دعا مانگتے وقت اس کی قبولیت کا پختہ یقین رکھ کر دعا کرنا چاہیے اور دل کی گہرائی سے دعا مانگنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ ترمذی شریف اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے:

«اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ، وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ»[2]

''اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور دعا کرتے وقت اس کی قبولیت کا یقین کامل رکھو اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ دلِ غافل کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔''

دعاؤں اور اذکار کا وقت:

فرض نمازوں سے سلام پھیرنے کے بعد نبیِ اکرم ﷺ سے بے شمار دعائیں اور اذکار ثابت ہیں، جن میں سے حسبِ موقع و فرصت اور حسبِ توفیق کچھ نہ کچھ

---

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٣٠٥)

[2] سنن الترمذي (٩/ ٤٥٠) وفي التحفة له شاهد، رواه أحمد.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ضرور پڑھنے کے بعد ہی سنن ونوافل کا آغاز کرنا چاہیے۔

ابو داود میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نماز کی جماعت کرائی اور نمازیوں کی پہلی صف میں نبی ﷺ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ایک نمازی نے نبی ﷺ کے سلام پھیرنے کے فوراً بعد اٹھ کر نمازِ نفل پڑھنا چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف جھپٹے اور اس کے کندھوں کو پکڑ کر ہلایا اور پھر فرمایا: بیٹھ جاؤ، اہلِ کتاب کی ہلاکت کا سبب یہی تھا کہ ان کی (فرض و نفل) نمازوں کے مابین وقفہ و فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔

یہ سن کر نبیِ اکرم ﷺ نے نگاہِ مبارک اٹھائی اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے تجزیے کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے فرمایا:

《اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابُنَ الُخَطَّابِ》[1]

''اے خطاب کے بیٹے عمر! اللہ تجھے خطا سے بچاتا رہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرضوں کے فوراً بعد سنتیں یا نفل پڑھنا شروع کر دینا کس قدر نامناسب بلکہ مہلک ہے۔

دعائیں اور اذکار:

فرض نمازوں کے بعد والے اذکار و وظائف تو بے شمار ہیں، جن میں سے چند صحیح اسناد سے مروی اذکار و وظائف ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔

(1) اس سلسلے میں سب سے پہلے جس وظیفہ یا دعا کا ذکر آتا ہے وہ ہے تکبیر، یعنی اللہ اکبر کہنا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور ابو داود و نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

[1] الفتح الرباني (٤/ ٣١) أبي داود (١/ ٣٨٥) مشكاة (١/ ٧_ ٣٠٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلوٰةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالتَّكْبِيْرِ»[1]

”میں اللہ اکبر کی آواز سے نبی ﷺ کی نماز کے مکمل ہونے کا پتا لگاتا تھا۔“

۲، ۳ اللہ اکبر کے بعد تین مرتبہ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ» کہنا اور پھر «اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ» کہنا سنّتِ رسول ﷺ ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم، بلکہ بخاری شریف کے سوا صحاح ستہ وسننِ اربعہ کی تمام کتب اور دارمی و ابن خزیمہ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو تین مرتبہ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ» کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ»[2]

”اے اللہ! تو ہمہ سلامتی ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے۔ تو ذاتِ بابرکات اور صاحب جلال واکرام ہے۔“

کتبِ حدیث میں تو یہ دعا صرف اتنی ہی ہے۔ اور اس میں جو: ”وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ، فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَالسَّلَامِ“ ”اور تیری ہی طرف سلام لوٹ جاتا ہے، ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اور ہمیں دار السلام میں داخل کر۔“ کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے، ان کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ تصحیح المصابیح میں شیخ جزری رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ الفاظ من گھڑت ہیں۔[3]

البتہ رؤیتِ کعبہ کی دعا میں صرف «فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ» کے الفاظ ثابت

---

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٣٠٣) و المرعاة (٢/ ٥٥٥)

[2] مشكاة مع المرعاة (٢/ ٥٥٦)

[3] تحفة الأحوذي (٢/ ١٩٣) حاشيه مشكاة (١/ ٣٠٣) و المرعاة (٢/ ٥٥٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور وہ بھی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، جیسا کہ "سنن البيهقي" (٥/ ٧٢) اور "مصنف ابن أبي شيبة" (٤/ ٩٧) کے حوالے سے شیخ البانی نے "مناسك الحج والعمرة" (ص: ١٩) میں نقل کیے ہیں اور بقیہ الفاظ اُس وقت کے لیے بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی اصلی دعا میں ان ''بناسبتی'' الفاظ کی آمیزش نہیں کرنا چاہیے۔

④ فرض نمازوں کا سلام پھیرنے کے بعد والے وظائف و اذکار ہی میں سے مسلم، ابو داود، نسائی، مسند احمد اور ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ، وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ»[1]

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمام بادشاہی اور ہر قسم کی تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نیکی کرنے کی توفیق اور برائی سے بچنے کی ہمت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ ہر قسم کی نعمتیں اور فضل اُسی کی طرف سے ہے اور ہر عمدہ ثنا بھی اُسی کے لیے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ ہم یہ بات اس کے دین کو اس کے لیے خالص کر کے کہتے ہیں، چاہے کافروں کو یہ بات اچھی نہ بھی لگے۔''

[1] مشكاة المصابيح (١/ ٣٠٤) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٥٥٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"كتاب الأم للإمام الشافعي" (۱/ ۱۱۰) میں اور مشکوٰۃ شریف میں «يَقُولُ بِصَوتِهِ الاعلى» کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں کتاب الام والی روایت ہی فصل اوّل میں درج ہوگئی ہے۔[1]

⑤ بخاری و مسلم، ابو داود، نسائی، دارمی اور ابن خزیمہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»[2]

"اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اے اللہ! جسے تو دے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور اس کے مقابلے میں کسی طاقت و دولت والے کے کسی کام اُس کی طاقت و دولت نہیں آ سکتی۔"

نسائی شریف میں ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" میں ذکر کیا ہے کہ طبرانی میں «لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ» کے بعد «يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ» "وہ زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے اور وہ زندہ و جاوید ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی، اس کے ہاتھ میں ہر بھلائی ہے۔" کے الفاظ بھی ثقہ رواۃ سے مروی ہیں۔[4]

1. المرعاة (۲/ ۵۵۸)
2. مشكاة المصابيح (۱/ ۳۰۴) والمرعاة (۲/ ۵۵۷)
3. المرعاة أيضًا.
4. المرعاة (ص: ۵۵۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑥ ابو داود و نسائی، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ یہ دعا کسی نماز کے بعد پڑھنا نہ بھولنا:

«اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»[1]

''اے اللہ! مجھے اپنا ذکر و شکر کرنے میں اور اپنی حسنِ عبادت میں تو ہی میری مدد فرما۔''

آیۃ الکرسی:

⑦ فرض نمازوں کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ چنانچہ نسائی ''سنن الکبریٰ'' اور ''عمل الیوم واللیلة'' صحیح ابن حبان اور ''عمل الیوم واللیلة لابن السني'' میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی، اسے موت کے علاوہ کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی۔''

نصِ حدیث ''المرعاۃ'' (۲/ ۵۷۳) میں مذکور ہے۔ (یعنی اِدھر آنکھیں بند ہوئیں اُدھر وہ جنت میں پہنچ گیا۔) یہ آیت الکرسی قرآنِ کریم کے تیسرے پارے کے شروع میں سورۃ البقرہ کی آیت (۲۵۵) ہے۔ لہٰذا اسے ہر فرض نماز کے بعد ضرور پڑھ لینا چاہیے:

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا

1. الفتح الرباني (٤/ ٥٤ـ ٥٥)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾﴾

''اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے، جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

تسبیح:

⑧ فرض نمازوں کے بعد والے اذکار و وظائف میں سے تسبیح کے کئی طریقے ہیں:

پہلا معروف طریقہ:

۳۳ مرتبہ « سُبْحَانَ اللّٰهِ»، ۳۳ مرتبہ « اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور ۳۴ مرتبہ « اَللّٰهُ اَكْبَرُ» والا ہے، جو ترمذی شریف میں ہے۔ لیکن ہمارے یہاں کے مروّج طریقے میں ایک کمی پائی جاتی ہے اور وہ ہے دس مرتبہ « لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کا نہ پڑھنا، کیوں کہ ترمذی شریف میں اس کا بھی ذکر ہے۔[1]

دوسرا طریقہ:

ان تینوں کلمات کو تو ۳۳، ۳۳ مرتبہ ہی کہا جائے جس کا مجموعہ ننانوے (۹۹) ہو جائے گا اور سو پورا کرنے کے لیے یہ کہے:

[1] باب ما جاء في التسبيح أدبار الصلاة (٢/ ٤٥٥)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

«لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»[1]

تیسرا طریقہ:

ابو داود و نسائی، بیہقی، دارمی، موطا امام مالک اور ابن خزیمہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

صحیح مسلم (باب مذکورہ سابقہ) میں بہت مختصر تسبیح بھی ہے کہ ان تینوں کلمات کو صرف گیارہ گیارہ مرتبہ ہی کہہ لے۔

دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح وغیرہ:

وِرد یا وظیفہ کرتے وقت نبیِ اکرم ﷺ ان کی گنتی اپنے دستِ مبارک کی انگلیوں کے پوروں پر کیا کرتے تھے، جیسا کہ ترمذی و نسائی شریف اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ (کی انگلیوں) پر تسبیح کر رہے تھے۔''[2]

اس حدیث شریف میں تو مطلق ہاتھ کا ذکر آیا ہے، وہ دایاں ہاتھ تھا یا بایاں اس کی وضاحت نہیں، جبکہ ابو داود و ترمذی، مستدرک حاکم اور بیہقی میں انھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ایک صحیح سند والی حدیث کے الفاظ ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَعْقِدُ التَّسْبِيْحَ بِيَمِيْنِهٖ»[3]

---

1. صحيح مسلم في المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، مشكاة (١/ ٣٠٥) المرعاة (٢/ ٥٤٦)
2. سنن الترمذي مع التحفة (٩/ ٥٩ـ ٤٥٨ مدني)
3. الضعيفة (١/ ١١٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ (کی انگلیوں) پر تسبیح کر رہے تھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ پر ہی تسبیح کرنا چاہیے۔ اگرچہ پہلی مطلق حدیث کے پیشِ نظر اہلِ علم دونوں ہاتھوں پر ہی تسبیح کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن کبار علما نے اس دوسری حدیث کی بنا پر صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔

تسبیح کا استعمال:

اب رہی یہ بات کہ اذکار و وظائف کی گنتی کے لیے جو ”تسبیح“ استعمال کی جاتی ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟ عہدِ نبوت، دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور قرونِ اولیٰ میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ خود نبیِ اکرم ﷺ سے تو کسی صحیح حدیث میں ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تسبیح کا استعمال فرمایا ہو، بلکہ ہمیشہ اپنی انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرتے رہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی:

((وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ))

”کیوں کہ انگلیوں کے یہ پورے سوال کیے جائیں گے تو انھیں بولنے کی طاقت دی جائے گی تو یہ بول کر گواہی دیں گے۔“

یہ ارشادِ نبوی ﷺ ابو داود و ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے اور امام نووی و ابن حجر نے اس کی تحسین کی ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مذکور ہے: ((كَانَ يُسَبِّحُ بِالْحَصٰى)) لیکن اس کی سند ”واہ جدًّا“ ہے۔[2]

[1] انظر نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۳۱۶) الضعیفة (۱/ ۱۱۲) تحفة الأحوذي (۹/ ۴۵۸)

[2] السلسلة الضعیفة (۱/ ۱۱۷)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے بارے میں ایسی روایات ملتی ہیں، جنھیں مروّجہ تسبیح کی نظیر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن تسبیح کے استعمال کے جواز پر دلالت کرنے والی ان روایات پر بعض محدّثین نے کلام کیا ہے اور بعض نقادانِ فنِ حدیث نے انھیں ضعیف اور ایک روایت کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ ان نقادوں اور محدّثینِ کرام میں سے امام دارقطنی، ابن عساکر، خطیب بغدادی، امام ذہبی، امام ترمذی، ابن معین، ابن عدی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ''تسبیح'' کا استعمال ثابت نہیں۔[1]

⑨ ابو داود و نسائی، ابن حبان و مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص نمازِ مغرب کا سلام پھیر کر کسی سے بات کرنے سے پہلے سات مرتبہ یہ دعا کرے:

«اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِی مِنَ النَّارِ» ''اے اللہ! مجھے نارِ جہنم سے بچا لے۔''

اور اتفاق سے اسی رات اس کی وفات ہو جائے تو وہ (جہنم کی) آگ سے خلاصی پا جائے گا۔ پھر صبح کی نمازِ فجر کے بعد بھی اسی طرح کہے اور اس دن اس کی موت واقع ہو جائے تو بھی آگ سے نجات پا جائے گا۔[2]

⑩ بخاری شریف کے سوا صحاح و سنن کی پانچوں کتبِ حدیث اور مسند احمد و صحیح ابن خزیمہ میں ایک چھوٹی سی دعا ہے جو انسان کو بہت سارے اذکار و وظائف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ وہ کاروباری یا مصروف لوگ جو زیادہ دیر بیٹھ کر وظائف میں مشغول نہیں رہ سکتے انھیں تین مرتبہ یہ دعا ضرور پڑھ لینی چاہیے، کیوں کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد میرے گھر

[1] مجلّہ ''الدعوۃ'' الریاض بابت (۲۷/۳/۱۴۱۰ھ)

[2] الفتح الرباني (٤/ ٥٦) ابن حبان (٢٣٤٦) و حسّنه ابن باز.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے ہو کر کہیں باہر تشریف لے گئے اور چاشت کے وقت تشریف لائے (جبکہ کافی سورج چڑھ آیا تھا) اور میں اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھی (ذکر کر رہی) تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا جب سے میں گیا ہوں اس وقت سے تم اسی طرح بیٹھی مشغولِ ذکر ہو؟'' حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: جی ہاں!

تب نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تمھارے بعد تین مرتبہ ایسے چار کلمات کہے ہیں کہ اگر وہ تمھارے اتنی دیر کے تمام وظائف کے ساتھ تولے جائیں تو وہ ان کے برابر ہو جائیں گے۔ ان چار کلمات پر مشتمل وہ چھوٹی سی دعا یا ذکر یہ ہے:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ» [1]

اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل سے نوازے۔ (آمین)

فرضوں کے بعد دعا کے مختلف انداز:

1 پہلا انداز انفرادی طور پر اذکار و وظائف سے فارغ ہو کر بغیر ہاتھ اٹھائے ہی اپنی دنیا و آخرت کے لیے دعائیں کرنا۔ اس میں تو کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں، جو جتنی چاہے اور جب تک چاہے دعائیں کرے۔

2 دوسرا انداز دوسری صورت یہ ہے کہ اذکار سے فارغ ہو کر کبھی کبھار دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگی جائے۔ اگر یہ عمل انفرادی طور پر ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے جواز پر امام سیوطی رحمہ اللہ نے مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''فضّ الوعاء في أحاديث رفع اليدين في الدُّعاء'' رکھا ہے۔[2]

[1] سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي.

[2] تحفة الأحوذي (٢/ ٢٠١ مدنی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شارح مشکوٰۃ علامہ عبیداللہ رحمانی لکھتے ہیں کہ جن روایات میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر آیا ہے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک پر کلام کیا گیا ہے، مگر وہ کلام ایسا نہیں کہ ان احادیث پر موضوع یعنی من گھڑت ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔ اس لیے ان (روایات) سے امام کے لیے (بلا التزام) فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز یا استحباب ثابت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔

3 تیسری صورت ہے اجتماعی دعا کرنا، یعنی امام اور مقتدی سب ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں، امام بلند آواز سے دعا کرتا جائے اور مقتدی آمین آمین کہتے جائیں۔ یہ انداز اگر التزام کے ساتھ نہ ہو، بلکہ بلا التزام کبھی کبھی ایسا کر لیا جائے تو کثیر محقّقین نے اسے جائز قرار دیا ہے، جس کے جواز کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں، جنھیں برِصغیر کے محدّثِ کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے ترمذی شریف کی شرح تحفۃ الاحوذی میں نقل کیا ہے اور کئی صفحات پر مشتمل تحقیقی بحث میں اس موضوع کی وضاحت کی ہے۔[1]

4 اس مروّجہ طرزِ دعا کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اس اجتماعی انداز پر مداومت اور ہمیشگی کی جائے، پانچوں وقت کے فرضوں کے بعد بلا ناغہ امام بلند آواز سے دعا کرتا جائے اور مقتدی آمین کہتے جائیں۔ دعا کی اس ہیئت کذائی کو ضروری سمجھ کر اس کا التزام کیا جائے تو اس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا۔ اگر مروّجہ ہیئت پر عہدِ نبوت میں عمل ہو رہا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جو جمِ غفیر تھا، ان میں سے کسی سے یہ بات ضرور منقول ہوتی۔ محرّک و دواعیِ نقل موجود ہونے اور مانع کے مرتفع ہونے کے

1 سنن الترمذي شرح تحفة الأحوذي (٢/ ١٩٦، ٢٠٢، طبع مدينه منوره) وفتویٰ علامہ رحمانی ماہنامہ ''محدّث'' بنارس (شمارہ جون ١٩٨٢ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باوجود عدمِ نقل دلیل ہے عدمِ وقوع اور ترک کی۔

الغرض اجتماعی دعا پر دوام اور اس کا التزام سنّت سے ثابت نہیں، بلکہ اقرب الی السنہ انداز یہ ہے کہ کبھی ہاتھ اٹھا کر، کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے، کبھی اجتماعی شکل میں اور کبھی انفرادی طور پر دعا کی جائے اور بالالتزام دعا نہ کرنے پر تشویش کا شکار نہ ہوں۔ جو شخص من حیث الامام کبھی کبھی ایسا کرتا ہے تو اس پر نکیر بھی نہیں کرنی چاہیے اور یہی ہے: ''خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا''[1]

.... ❀❀❀ ....

[1] فتاویٰ علمائے حدیث (۳/ ۲۱۴۔۲۲۲) تحفۃ الأحوذی (۲/ ۱۹۶۔۲۰۲) ماہنامہ ''محدّث'' بنارس، (شمارہ ماہ جون ۱۹۸۲ء) ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور (جلد ۲۱، شمارہ ۳۷، بابت ۱۴/ ستمبر ۱۹۹۵ء) ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور (۱۲۔۲۲، شمارہ بابت یکم نومبر ۱۹۸۵ء)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مراجع و مصادر

١ ۔ قرآنِ کریم۔

٢ ۔ إرواء الغليل للألباني.

٣ ۔ أشعة اللمعات للدهلوي.

٤ ۔ احکام و مسائل رمضان و روزہ از مؤلف۔

٥ ۔ الإحسان ترتيب ابن حبان.

٦ ۔ أحكام الجنائز للألباني.

٧ ۔ أبجد العلوم نواب صديق حسن خان.

٨ ۔ الإعتبار للحازمي.

٩ ۔ الإتقان في علوم القرآن للسيوطي

١٠ ۔ آمین...فضیلت اور امام و مقتدی کے لیے حکم از مؤلف۔

١١ ۔ إحياء العلوم للغزالي.

١٢ ۔ الأذكار للنووي

١٣ ۔ الأدب المفرد للبخاري.

١٤ ۔ بداية المجتهد لابن رشد

١٥ ۔ بلوغ الأماني للبنّا

١٦ ۔ بلوغ المرام لابن حجر العسقلاني.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

١٧ ـ بہشتی زیور مولانا تھانوی۔

١٨ ـ تفسير ابن كثير.

١٩ ـ تفهيم القرآن مولانا مودودي.

٢٠ ـ التحقيق الراسخ للمحدّث گوندلوي.

٢١ ـ تحفة الأحوذى علامه مباركپوري.

٢٢ ـ التمهيد لابن عبد البر.

٢٣ ـ تحریک آزادیِ فکر سلفی و یزدانی۔

٢٤ ـ التعليق على فتح الباري لابن باز.

٢٥ ـ تفسير كشاف للزمخشري.

٢٦ ـ تلخيص الحبير لابن حجر.

٢٧ ـ التاريخ الصغير للبخاري.

٢٨ ـ تهذيب السنن ابن قيم.

٢٩ ـ تقصار جيود الأحرار.

٣٠ ـ تاریخ دعوت وعزیمت، ندوی۔

٣١ ـ تفسير محاسن التأويل، محمد جمال الدين قاسمى لكهنوي

٣٢ ـ التعليق الممجد علامه عبد الحيّ.

٣٣ ـ تمام المنة للألباني.

٣٤ ـ تبلیغ وتربیتِ دین کے پانچ اصول حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی

٣٥ ـ ثلاث رسائل في الصلاة لابن باز.

٣٦ ـ جامع العلوم و الحكم لابن رجب.

٣٧ ـ الجوهر النقي على البيهقي للماوردي.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٣٨ـ جلاء الأفهام لابن القيم.

٣٩ـ جزء القراءة لإمام بخاري.

٤٠ ـ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

٤١ـ حجة النبي ﷺ للألباني.

٤٢ـ حجة الله البالغة للدهلوي.

٤٣ـ خير الكلام، گوندلوي.

٤٤ـ الدر المنظوم.

٤٥ـ الدر المنثور للسيوطي.

٤٦ـ الدراية لابن حجر.

٤٧ ـ درود شریف...فضائل و مسائل از مؤلف۔

٤٨ـ ذيل طبقات الحنابلة، لابن رجب.

٤٩ـ رد المحتار حاشيه در مختار للشامي.

٥٠ـ الروضة الندية نواب صديق حسن خان.

٥١ـ زاد المعاد لابن القيم.

٥٢ـ سنن ابن ماجة.

٥٣ـ سنن أبي داود.

٥٤ـ السنن الكبرىٰ للنسائي.

٥٥ـ سنن الترمذي.

٥٦ـ السنن الكبرىٰ للبيهقي.

٥٧ـ سنن الدارمي.

٥٨ـ سنن النسائي.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٥٩۔ السعاية في كشف ما في الوقاية علامه عبد الحيّ.

٦٠۔ سفرِ سعادت فیروز آبادی۔

٦١۔ سوئے حرم از مؤلف۔

٦٢۔ سبيل الرشاد.

٦٣۔ سبل السلام علامه صنعاني.

٦٤۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني.

٦٥۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني.

٦٦۔ شرح السنة للبغوي.

٦٧۔ شرح الشفاء، ملا على قاري.

٦٨۔ شرح الزرقاني.

٦٩۔ شرح مختصر الطحاوي.

٧٠۔ صحيح ابن خزيمة

٧١۔ صحيح أبو عوانة.

٧٢۔ صحيح البخارى مع الفتح.

٧٣۔ صحيح مسلم مع النووي

٧٤۔ صفة صلاة النبي ﷺ للألباني.

٧٥۔ صحيح الترغيب و الترهيب للألباني.

٧٦۔ صحيح الجامع الصغير للألباني.

٧٧۔ صحيح ابن حبان.

٧٨۔ صلاۃ الرسول ﷺ از حکیم صاحب سیالکوٹی۔

٧٩۔ ضعيف أبي داود للألباني.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٨٠ـ ضعيف الجامع الصغير للألباني.

٨١ـ طرح التثريب للعراقي.

٨٢ـ عمدة الرعاية شرح الوقاية.

٨٣ـ عمدة القاري للعيني.

٨٤ـ العرف الشذي للعلامه كاشميري.

٨٥ـ غنية الطالبين للشيخ جيلاني.

٨٦ـ غيث الغمام حاشية إمام الكلام لكهنوي.

٨٧ـ الفتح الرباني ترتيب مسند أحمد الشيباني للبنّا

٨٨ـ فقه السنة علامه سيد سابق.

٨٩ـ فتح الباري لابن حجر العسقلاني.

٩٠ـ فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور.

٩١ـ فتاویٰ كبریٰ لابن تيمية.

٩٢ـ فصل الخطاب و الكتاب المستطاب لكشميري و روبڑي

٩٣ـ فتاویٰ اولیائے کرام مطبوعہ شارجہ۔

٩٤ـ فتاویٰ رشيدية.

٩٥ـ فقه الصلاة از مؤلف.

٩٦ـ فتاویٰ سلطان العلماء العز ابن عبد السلام.

٩٧ـ الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي.

٩٨ـ فتاویٰ عالمگیری۔

٩٩ـ فتاویٰ دار العلوم دیوبند۔

١٠٠ـ الفقه على المذاهب الأربعة للجزيري

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

١٠١ـ سورۃ الفاتحہ.. فضیلت اور مقتدی کے لیے حکم از مؤلف۔

١٠٢ـ كتاب الأم للشافعي.

١٠٣ـ كتاب البناية شرح هداية للعيني.

١٠٤ـ لغات الحديث للنواب وحيد الزمان.

١٠٥ـ المنتقىٰ مع النيل لأبي البركات ابن تيمية.

١٠٦ـ مختصر بخاري للألباني.

١٠٧ـ المستدرك للحاكم.

١٠٨ـ موارد الظمآن بزوائد ابن حبان للهيثمي.

١٠٩ـ مكتوباتِ مجددِ الف ثاني.

١١٠ـ المحلّىٰ لابن حزم.

١١١ـ المرقاة شرح المشكاة للملا على قارى.

١١٢ـ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت از مناظر احسن گیلانی۔

١١٣ـ مسك الختام للنواب صديق حسن خان.

١١٤ـ المواهب اللطيفة شرح مسند أبي حنيفة.

١١٥ـ معالم السنن خطابي.

١١٦ـ معجم طبراني صغير.

١١٧ـ مصنف عبد الرزاق.

١١٨ـ معاني الآثار طحاوي.

١١٩ـ مصنف ابن أبي شيبة.

١٢٠ـ مجمع الزوائد للهيثمي.

١٢١ـ مدارج النبوة، عبدالحق دهلوي.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

١٢٢ـ معارف الحديث مولانا منظور أحمد نعماني.

١٢٣ـ مسند حميدي.

١٢٤ـ مشكاة للخطيب التبريزي.

١٢٥ـ مجموع فتاویٰ ابن تيمية.

١٢٦ـ منحة المعبود ترتيب مسند الطيالسي أبي داود للبنّا.

١٢٧ـ الموضوعات لابن الجوزي.

١٢٨ـ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الحديث الشريف.

١٢٩ـ المعجم المفهرس لألفاظ الحديث الشريف.

١٣٠ـ مراسيل أبي داود.

١٣١ـ مردوزن کی نماز میں فرق، تحقیق از مؤلف۔

١٣٢ـ موطأ للإمام مالك.

١٣٣ـ موطأ مالك مع تنوير الحوالك للسيوطي.

١٣٤ـ معجم طبراني كبير.

١٣٥ـ مختصر بخاری مترجم انگریزی دار السلام۔

١٣٦ـ نصب الراية للزيلعي.

١٣٧ـ نمازِ مسنون، صوفی عبدالحمید سواتی۔

١٣٨ـ نزهة الخواطر للعلامة عبدالحي لكهنوي.

١٣٩ـ نماز میں ہاتھ ... کب، کہاں اور کیسے؟ از مؤلف

١٤٠ـ نيل الأوطار للشوكاني.

١٤١ـ نورِ عينين (رفع يدين).

١٤٢ـ الهداية للعلامة مرغيناني.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جرائد ومجلّات

۱۴۳۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور۔

۱۴۴۔ ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور۔

۱۴۵۔ ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور۔

۱۴۶۔ مجلۃ ''الدعوۃ'' الریاض۔

۱۴۷۔ ماہنامہ ''فاران'' کراچی۔

۱۴۸۔ ماہنامہ ''صراط مستقیم'' برمنگھم۔

۱۴۹۔ ماہنامہ ''محدّث'' بنارس۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''